بسم الله الرحمن الرحيم

فَمَنْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ
وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ
كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ
وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ

ترجمہ:

پس خدا جسے ہدایت دینا چاہتا ہے اس کے سینے کو اسلام کے لئے کشادہ کر دیتا ہے اور جس کو گمراہی میں چھوڑنا چاہتا ہے اس کے سینے کو ایسا تنگ اور دشوار کر دیتا ہے جیسے آسمان کی طرف بلند ہو رہا ہو، وہ اسی طرح بے ایمانوں پر ان کی کثافت کو مسلط کر دیتا ہے۔ اور یہی تمہارے پروردگار کا سیدھا راستہ ہے۔ ہم نے نصیحت حاصل کرنے والوں کے لئے آیات کو مفصل طور پر سے بیان کر دیا ہے۔

قرآن کریم، سورہ انعام، آیات ۱۲۵، ۱۲۶

راہ اسلام

اسلامی علوم و معارف اور علمی و ثقافتی افکار و عقائد کا ترجمان

شمارہ: ۸-۲۰۷، جنوری تا جون ۲۰۰۸ء

خصوصی شمارہ

مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام

چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر سید عبدالحمید ضیائی

خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران، ۱۸، تلک مارگ، نئی دہلی-۱۱۰۰۰۱

فون: ۳۴، ۳۳، ۲۳۳۸۳۲۳۲، فیکس: ۲۳۳۸۷۵۴۷

newdelhi@icro.ir

http://newdelhi.icro.ir

شمارہ: ۸-۲۰۷، جنوری تا جون ۲۰۰۸ء

چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر سید عبدالحمید ضیائی
ایڈیٹر: پروفیسر سید اختر مہدی رضوی

مشاورین علمی
سید امیر حسن عابدی، اوصاف علی، شاہ محمد وسیم
عبدالودود انظر دہلوی، سید عزیز الدین حسین ہمدانی
سید علی محمد نقوی

مدیر اعزازی : علی ظہیر نقوی
تزئین جلد : عائشہ فوزیہ
صفحہ آرائی وکمپوزنگ : علی رضا محمد یاسین

راہ اسلام میں شائع ہونے والے ہر مضمون کے لئے مقالہ نگار خود ذمہ دار ہے۔
مقالہ نویس کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا لازمی نہیں ہے۔
راہ اسلام مقالات ومضامین کے انتخاب واصلاح وایڈیٹنگ اشاعت کے سلسلے میں پوری طرح آزاد ہے۔
اور اس سلسلے میں ایڈیٹوریل بورڈ کا فیصلہ آخری ہوگا۔
اشاعت کی غرض سے ارسال شدہ مقالہ کا خوشخط ہونا لازمی ہے۔ عبارت کاغذ کے ایک طرف ہی لکھی جائے
اور کاغذ A-4 سائز کا ہو تو بہتر ہے۔
صرف غیر مطبوعہ مقالات ہی ارسال کئے جائیں۔
تحقیقی مقالات کی آمادگی میں جن ماخذ ومدارک کا استعمال کیا گیا ہو۔ ان کا ذکر لازمی ہے۔
مقالہ کے ساتھ اس کا خلاصہ بھی ضرور ارسال کیا جائے۔
راہ اسلام میں شائع شدہ مقالات کی نقل یا ان کے ترجمہ واقتباس کی اشاعت پر کوئی پابندی نہیں ہے
بشرطیکہ ماخذ کا ذکر کردیا جائے۔

پریس: الفا آرٹ، نوئیڈا، یو۔پی

فہرست

شمارہ ۸-۲۰۷، جنوری تا جون ۲۰۰۸ء

۱-	امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام	اداریہ	۷
۲-	خلقت کائنات ارشاد علویہ کی روشنی میں	مفتی جعفر حسین	۱۷
۳-	کتاب نہج البلاغہ کا ایک تاریخی جائزہ	حجۃ الاسلام مولانا سید علی نقی مرقدہ	۳۰
۴-	حضرت علیؑ کا فرمان مالک اشتر کے نام	مفتی جعفر حسین	۴۳
۵-	مولود کعبہ	مولانا شاہ معین الحیدری	۸۱
۶-	الغدیر	علامہ امینی	۱۱۳
۷-	نہج البلاغہ اور خدا شناسی	جاوید اقبال قزلباش	۱۳۲
۸-	نہج البلاغہ دستور حیات......	پروفیسر اطہر رضا بلگرامی	۱۵۸
۹-	سرچشمہ عرفان حضرت علیؑ	پروفیسر منصورہ حیدر	۱۷۷
۱۰-	تصوف و عرفان اسلام	پروفیسر عزیز الدین حسینی	۱۸۹
۱۱-	اردو شاعری میں ذکر علیؑ	ڈاکٹر عظیم امروہوی	۲۰۱
۱۲-	حضرت علیؑ غیر مسلم دانشوروں کی نظر میں	مہدی باقر معراج	۲۱۸
۱۳-	کلام شعرا		۲۲۷
۱۴-	اسلام کا عظیم تہذیبی انقلاب حضرت علیؑ کی سیرت کی روشنی میں	اردشیر مگسی	۲۳۵
۱۵-	کتابوں کا تعارف : نقد و تبصرہ	شریف حسین قاسمی، مہدی باقر	۲۴۳
۱۶-	سلام فقیر بہ بارگاہ امیر	صفی شاہ نظامی	۲۶۰

[اداریہ]

امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام

ماہ رجب کی تیرہویں تاریخ قریب ہے لہٰذا مولائے متقیان کی ولادت باسعادت کو نگاہ میں رکھتے ہوئے "فصلنامہ راہ اسلام" کے موجودہ شمارہ کو امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام خصوصی شمارہ کی حیثیت سے پیش کیا جارہا ہے تاکہ ان کی زندگی کے حالات، ان کی نمونہ روزگار مثالی شخصیت اور ان کے افکار وعقائد کا تجزیہ کیا جاسکے۔

ولادت ونسب

ساری دنیا اس حقیقت سے بخوبی آشنا ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام شیعوں کے پہلے امام اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے داماد اور چچا زاد بھائی ہیں۔ ان کی کنیت "ابوالحسن" ہے اور انہیں امیر المومنین جیسے مختلف القاب سے بھی یاد کیا جاتا ہے اور وہ چوتھے اسلامی خلیفہ بھی ہیں۔ وہ واقعۂ عام الفیل کے ۳۰ ویں سال بعد ۱۳ رجب بروز جمعہ حضرت محمدؐ کی بعثت سے دس سال قبل مکہ میں خانۂ کعبہ کے اندر پیدا ہوئے۔ نہ ان کی ولادت سے قبل اور نہ ان کی ولادت کے بعد، خانۂ خدا میں ولادت کا شرف ایسا ہے جو دنیا کے کسی دوسرے شخص کو حاصل نہیں ہوا جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ خداوند عالم کو حضرت علی کی ذات سے خصوصی لگاؤ تھا اور حضرت علی علیہ السلام ایک عظیم ولائق احترام شخصیت کے حامل تھے۔ حضرت علی ہاشمی گھرانے کی پہلی فرد ہیں جن کے ماں باپ دونوں ہاشم کی اولاد ہیں۔ والد محترم ابو طالب حضرت عبد المطلب کی اور خود عبدالمطلب ہاشم کی اولاد ہیں اور دوسری طرف ان کی والدۂ محترمہ حضرت فاطمہ بنت اسد بھی حضرت ہاشم کی اولاد ہیں۔ اپنے اخلاقی فضائل وکمالات اور اعلیٰ انسانی اقدار وصفات کی وجہ سے ہاشمی گھرانے کو قبیلۂ قریش اور دیگر عرب قبیلوں اور جماعتوں کے درمیان خصوصی عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ شجاعت وبہادری اور مروت وہمدردی کے علاوہ اکثر اخلاقی فضائل ومحاسن سے بنی ہاشم کا خصوصی تعلق رہا ہے اور یہ کہنا ہرگز مبالغہ نہ ہوگا کہ یہ تمام کمالات حضرت علیؑ کی ذات میں بدرجۂ اتم موجود تھے۔

جیسے ہی فاطمہ بنت اسد کو دردِ زچگی کا احساس ہوا وہ سیدھے مسجد الحرام کی طرف چل پڑیں اور

آہستہ آہستہ خانہ کعبہ کی دیوار تک پہنچ گئیں اور ارشاد فرمایا" خداوندا! میں تجھ پر، تیرے انبیاء علیہم السلام، تیری نازل کی ہوئی کتابوں اور اپنے جد بزرگوار حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ارشادات پر مکمل اعتقاد وایمان رکھتی ہوں۔ اے پروردگار! میں تجھ کو اس خانہ کعبہ کے بنانے والے کی عزت واحترام اور میرے رحم میں موجود مولود مسعود کا واسطہ دیتی ہوں کہ اس بچہ کی ولادت کو میرے لئے آسان بنادے۔" ابھی ایک لمحہ بھی نہ گزرا تھا کہ عباس بن عبد المطلب اور یزید بن قعنب کی نگاہوں کے سامنے خانہ کعبہ کی جنوبی مشرقی دیوار شگافتہ ہوگئی، فاطمہ خانہ کعبہ کے اندر داخل ہوگئیں اور دیوار دوبارہ متصل ہوگئی، فاطمہ بنت اسد تین روز تک دنیا کے مقدس ترین مکان میں اپنے پروردگار کی مہمان رہیں۔ تین روز بعد عام الفیل کے ۳۰ ویں سال ۱۳ رجب بروز جمعہ انہوں نے ایک بچہ کو جنم دیا۔ خانہ کعبہ کی دیوار دوبارہ شگافتہ ہوئی۔ وہ بچہ کو آغوش میں لئے ہوئے خانہ کعبہ سے باہر تشریف لائیں اور کہنے لگیں۔" میں نے غیب سے یہ آواز سنی ہے کہ بچہ کا نام" علیؑ" رکھا جائے۔"

بچپن

حضرت علی نے ولادت کے بعد تین سال کا عرصہ اپنے والدین کے ساتھ بسر کیا۔ چونکہ خداوند عالم انھیں مزید کمالات سے آراستہ کرنا چاہتا تھا اسی وجہ سے پیغمبر اکرم نے ولادت کے بعد ہی سے بالواسطہ طور پر ان کی تربیت کا کام شروع کردیا تھا لیکن اسی دوران مکہ میں معمولی قحط پڑا جس کی وجہ سے کثیر العیال ابو طالب کو غیر معمولی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ رسول اکرم اپنے چچا کی پریشانی نہ دیکھ سکے۔ اپنے دوسرے چچا عباس سے مشورہ کرنے کے بعد یہ طے کیا کہ دونوں حضرت ابو طالب کے دولڑکوں کی تربیت وکفالت کی ذمہ داری سنبھال لیں تو ابو طالب کی پریشانی کم ہوجائے گی۔ چنانچہ جعفر ابن ابی طالب عباس کے ساتھ اور علی پیغمبر کے ساتھ ان کے گھر چلے گئے اور اس طرح حضرت علی پوری طرح پیغمبر کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگے۔ علی ہمہ وقت پیغمبر کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ جب کبھی پیغمبر شہر مکہ سے باہر پہاڑیوں یا جنگلوں میں جاتے تھے حضرت علی کو ہمیشہ اپنے ساتھ لئے رہتے تھے۔

بعثت پیغمبرؐ اور علیؑ کا اسلام قبول کرنا

حضرت علی علیہ السلام کی فضیلتوں میں سے ایک اہم فضیلت یہ ہے کہ وہ پیغمبر اور ان کے دین مبین

اسلام پر ایمان لانے والے پہلے شخص ہیں۔ پیغمبر اکرم نے بعثت کے بعد سب سے پہلے اپنے گھر والوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی اور حضرت علی اس وقت انہیں کے گھر میں رہا کرتے تھے۔ علی وہ پہلے شخص تھے جو پیغمبر کی خصوصی دعوت کے بعد اسلام کی طرف مائل ہوگئے اور ان کے ساتھ پیغمبر اکرم کی زوجہ حضرت خدیجہ علیہا السلام بھی سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والوں میں شمار کی جاتی ہیں۔

علیؑ پیغمبرؐ کے اولین یاور

نزول وحی خداوندی اور حضرت محمدؐ کے عہدۂ رسالت پر فائز ہونے نیز تین سالہ مخفیانہ دعوت کے بعد قاصد وحی پیغمبر کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عمومی دعوت کا فرمان جاری کردیا۔ اس زمانے میں فقط حضرت علی کی ذات تھی جو دعوت الٰہی کے سلسلے میں ان کے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے میں ان کی معاون تھی ۔ پیغمبر اسلام نے اپنے خاندان والوں کو اسلام سے آشنا کرنے کے لئے ایک مہمانی کا اہتمام کیا جس میں قدم قدم پر علی ان کے ساتھ رہے۔ اس مہمانی کے دوران پیغمبر نے اپنے خاندان والوں سے سوال کیا۔'' آپ لوگوں میں سے کون اس الٰہی مشن میں ہماری مدد کے لئے آمادہ ہے تاکہ وہ آپ لوگوں کے درمیان میرا بھائی ، میرا وصی اور میرا نمائندہ رہے'' ؟ مجمع میں موجود لوگوں میں سے صرف علی نے جواب دیا'' اے پیغمبر خدا! میں اس کام میں آپ کی مدد کروں گا'' ۔ پیغمبر اکرم نے تین مرتبہ اپنا مطالبہ دہرایا اور تینوں مرتبہ وہی جواب ملنے کے بعد اپنے قرابت داروں کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔'' اے میرے عزیزو! اے میرے قرابت دارو ! جان لو کہ میرے بعد یہ علی تم لوگوں کے درمیان میرے بھائی ، میرے وصی اور میرے خلیفہ وجانشین ہیں۔'' حضرت علی کی دوسری فضیلت یہ ہے کہ وہ قتل رسول خدا کی سازش کو پوری طرح ناکام بنانے کے لئے شب ہجرت مکمل شجاعت وبہادری کے ساتھ بستر رسول پر سوگئے اور اپنے اس شجاعانہ عمل کے ذریعہ ہجرت پیغمبر کی زمین ہموار کردی۔

علیؑ ہجرت کے بعد

ہجرت مدینہ کے بعد ان کے فضائل کے دو اہم نمونوں کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ میدان جہاد میں ان کی جانبازی وفداکاری

۳۔ ۲۷ میں سے ۲۶ اسلامی غزوات میں ان کی بھر پور شرکت ۔ اس کے علاوہ دیگر چھوٹی جنگوں میں بھی جنہیں تاریخی کتب میں سریا کہا گیا ہے، حضرت علی علیہ السلام پوری طرح شریک رہے جس کو آنحضرت کے فضائل کا اہم حصہ قرار دیا جاسکتا ہے۔

قرآن کریم ووحی الٰہی کی حفاظت وکتابت

وحی خداوندی کی کتابت اور اکثر تاریخی اسناد و مدارک کی ترتیب و تنظیم حضرت علیؑ کے حساس اور اہم کارناموں میں سے ایک ہے اس کے علاوہ تبلیغی مکتوبات کی کتابت بھی حضرت علی کے سپرد تھی ۔ وہ مکی اور مدنی آیات کی جمع آوری میں بھی سرگرم تھے اسی وجہ سے انہیں کاتبان وحی الٰہی اور حافظان قرآن میں بھی شمار کیا جاتا ہے۔ اسی زمانے میں پیغمبر اکرمؐ نے مسلمانوں کے درمیان اخوت وبرادری کا پیغام جاری کیا اور خود حضرت علیؑ کے ساتھ اخوت کا معاہدہ کرلیا۔ پیغمبرؐ نے علیؑ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔" اے علیؑ ! تم نہ صرف اس دنیا میں بلکہ دوسری دنیا یعنی عالم آخرت میں بھی میرے بھائی ہو۔ اس خدا کی قسم جس نے مجھے حق سے جوڑ رکھا ہے، میں تمہیں اپنا بھائی منتخب کرتا ہوں ۔ یہ وہ اخوت وبرادری ہے جو دونوں جہان پر محیط ہے۔"

حضرت فاطمہؑ کے ساتھ مولا علیؑ کی شادی

قبیلہ اوس کے سردار سعد بن معاذ سے گفتگو ومشورہ کے بعد عمر بن خطاب اور ابو بکر دونوں کو یہ معلوم ہوگیا کہ حضرت زہرا (علیہا السلام) کے ساتھ شادی کے لئے لازمی صلاحیت حضرت علیؑ کے علاوہ کسی دوسرے شخص میں ہرگز نہیں ہے لہٰذا جب ایک انصار کے باغ میں درختوں کو پانی دیتے وقت لوگوں نے حضرت علی سے اس بات کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا۔" پیغمبر کی بیٹی مجھے پسند ہے ۔ میں ان کے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہوں ۔" اس کے بعد وہ رسول خدا کے گھر کی طرف روانہ ہوگئے لیکن بارگاہ رسالت میں پہونچنے کے بعد عظمت پیغمبر مانع ہوئی اور وہ ان کے سامنے کچھ نہ کہہ سکے یہاں تک کہ خود پیغمبر اکرم نے ان سے دریافت کیا کہ علی ! اس وقت کیسے تشریف لائے ؟ کوئی خاص کام تھا۔" حضرت علی علیہ السلام نے راہ اسلام میں اپنی خدمات اور زہد وتقویٰ وپرہیزگاری پر مشتمل اپنے درخشاں ماضی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔" کیا آپ مناسب سمجھتے ہیں کہ فاطمہ کو میرے عقد میں دیدیں ۔"؟ پیغمبرؐ نے اس رشتۂ ازدواج کے سلسلے میں اپنی موافقت کا اعلان کردیا اس کے بعد

حضرت زہرا کی رضامندی حاصل کی گئی اور اس طرح حضرت علیؑ پیغمبر کے داماد ہوگئے اور حضرت زہرا (س) ان کی زوجہ کی حیثیت سے علیؑ کے گھر میں رہنے لگیں جو پیغمبر کے گھر کے قریب میں واقع تھا۔

مختلف میدانوں میں علیؑ کی موجودگی اور پیغمبرؐ اسلام کی مدد

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے مختلف النوع خطرناک مواقع پر پیغمبر کی نصرت کی۔ وہ لشکر اسلام کے موثر ترین سپاہی تھے جس کی جنگی مہارت مسلم الثبوت تھی۔ انھوں نے جنگ تبوک کے علاوہ ہر اسلامی جنگ کے دوران پیغمبر کے شانہ بشانہ دشمنوں کے خلاف جنگ کی اور سایہ کی طرح پیغمبر کے ساتھ رہے۔ جنگ اُحد اور جنگ حنین میں جب سپاہ اسلام شکست خوردہ حالت میں میدان جنگ سے بھاگ کھڑی ہوئی تھی۔ پیغمبر کے ہمراہ کچھ ہی لوگ باقی رہ گئے تھے اور انہیں لوگوں نے ان کی حفاظت کا کارنامہ انجام دیا تھا۔ جنگ خندق میں نامور عرب پہلوان عمر ابن عبدود کو علیؑ ہی نے پچھاڑا تھا۔ جنگ خیبر میں حضرت علیؑ کی سپہ سالاری میں ہی سپاہ اسلام نے خیبر کے مستحکم قلعوں پر فتح حاصل کی تھی اور اسی طرح واقعہ برأت از مشرکین کے دوران پیغمبر اکرمؐ نے حضرت علیؑ کے ذریعہ ہی مکہ والوں کے درمیان سورۂ توبہ کی تبلیغ کروائی تھی اور واقعہ فتح مکہ کے دوران بھی پرچم اسلام علیؑ کے ہاتھوں میں تھا اور وہ یہ نعرہ بلند کرتے ہوئے سرزمین مکہ میں داخل ہوئے تھے۔ ''آج رحمت کا دن ہے۔'' اس کے بعد وہ پیغمبر کے ہمراہ خانہ کعبہ کے اندر داخل ہوئے اور دوش نبوت پر بلند ہو کر بتوں کو توڑ ڈالا۔

غدیر خم

مراسم حج سے فراغت حاصل کرنے کے بعد پیغمبرؐ مدینہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ یہ پیغمبر کی پُر برکت زندگی کا آخری سال بھی تھا اسی وجہ سے اسے حجۃ الوداع بھی کہتے ہیں۔ بہر حال مدینہ کی طرف بڑھتے ہوئے پیغمبر نے جحفہ کے قریب میں واقع ''غدیر خم'' نامی مقام پر توقف کا حکم جاری کردیا کیونکہ قاصد وحی نے بارگاہ رسالت میں خداوند عالم کا وہ حکم پہنچا دیا تھا جس میں ان سے کار رسالت کو مرحلۂ اختتام تک پہنچانے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ پس نماز ظہر کے بعد پیغمبر اکرمؐ پالان شتر کی مدد سے بنائے گئے منبر پر تشریف لے گئے اور اعلان کیا۔'' عنقریب میں دعوت حق پر لبیک کہتے ہوئے تم

لوگوں کے درمیان سے جانے والا ہوں۔ پس تم لوگ میرے بارے میں کیا سوچتے ہو۔''؟ لوگوں نے جواب دیتے ہوئے کہا'' اے خدا کے رسول ! ہم لوگ اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے ہم لوگوں کے درمیان دین خدا کی تبلیغ فرمائی۔'' پیغمبر نے سوال کیا کہ کیا تم لوگ اس بات کی گواہی نہیں دیتے کہ خدائے وحدہ لاشریک کے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے اور محمدؐ عبد خدا اور پیغمبر خدا ہیں ؟'' لوگوں نے کہا'' ہاں ! ہم لوگ اس بات کی گواہی دیتے ہیں۔'' اس کے بعد پیغمبر نے حضرت علی کو اپنے ہاتھوں پر بلند کیا اور فرمایا'' اے لوگو ! مومنوں کی نظر میں ان سے زیادہ لائق وسزاوار کون ہے ؟'' لوگوں نے کہا کہ'' خداوند عالم اور اس کے رسول کو بہتر معلوم ہے۔'' اس کے بعد پیغمبر نے اعلان کیا کہ جس کا رہبر ومولا میں ہوں یہ علی بھی اس کے رہبر ومولا ہیں۔'' پیغمبر نے یہ جملہ تین مرتبہ دہرایا۔ اس کے بعد لوگوں نے حضرت علیؑ کو مبارکباد پیش کی اور ان کے ہاتھوں پر بیعت بھی کی۔

رسول مقبول کی رحلت کے بعد حضرت علیؑ

پیغمبر اکرم کی رحلت بعد رونما ہونے والے خصوصی حالات کی وجہ سے حضرت علی علیہ السلام نے میدان اجتماع سے علیحدگی اور خاموشی اختیار کرلی تھی۔ نہ وہ کسی جہاد میں شریک ہوتے تھے اور نہ کسی اجتماع میں کوئی سرکاری بیان جاری کرتے تھے۔ انہوں نے اپنی تلوار نیام میں رکھ لی تھی۔ وہ لوگوں کی ذاتی ضرورتوں اور ان کی تعمیر واصلاح میں ہمہ تن سرگرم رہا کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ امت اسلامیہ کے درمیان پیغمبر کی رحلت کے بعد حضرت علی کی امامت کے سلسلے میں اختلاف پیدا ہوگیا تھا۔ اصحاب پیغمبر کی ایک جماعت کا ،جس میں تمام بنی ہاشم ، سلمان فارسی، عمار یاسر، ابوذر ، مقداد، خزیمہ بن ثابت یعنی ذو الشہادتین'' جابر بن عبد اللہ انصاری ابو ایوب انصاری، ابو سعید خدری اور زبیر شامل تھے، یہ عقیدہ وایمان تھا کہ علی'' خلیفہ رسول خدا'' اور'' امام برحق'' ہیں لیکن دوسرے افراد ان لوگوں کے مخالف تھے۔ آخر کار'' شورای سقیفہ بنی ساعدہ'' میں مسند خلافت ابو بکر کو حاصل ہوگئی اور وہ رحلت پیغمبر کے بعد پہلے خلیفہ ہوگئے ۔ واضح رہے کہ خلفائے ثلاثہ کی خلافت کے دوران امام علی ہمیشہ ان لوگوں کو مفید مشورہ فراہم کرتے رہے اور دربار خلافت کے ساتھ حضرت علیؑ نے اس حد تک تعاون فرمایا کہ خلیفہ دوم عمر بن خطاب کو بارہا یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ'' اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہوگیا ہوتا۔'' اس کے بعد چھ افراد پر مشتمل شورای انتخاب کے سامنے حضرت علی علیہ السلام عبد الرحمن

ابن عوف کی یہ تجویز تسلیم کرنے کے لئے ہرگز آمادہ نہیں ہوئے جس میں یہ کہا گیا تھا کہ وہ علی کی بیعت اس شرط پر قبول کریں گے کہ وہ کتاب خدا، سنت رسول اور خلیفہ اول وخلیفہ دوم کی سیرت پر عمل کریں گے۔ حضرت علی نے اس تجویز وشرط کو نامنظور کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا کہ وہ فقط کتاب خدا اور سنت رسول پر عمل کریں گے۔ اگر سیرت شیخین قرآن مجید اور سنت پیغمبر کے مطابق ہے تو اس شرط کے اضافہ کی ضرورت ہی نہیں رہ جاتی اور اگر کوئی سیرت احکام الٰہی اور سنت نبوی کے خلاف ہے تو میں اس پر ہرگز عمل نہ کروں گا۔'' حضرت عثمان کی خلافت کے آخری ایام میں دار الخلافہ پر ناراض مسلمانوں کے حملے کے دوران انھوں نے دربار خلافت کی حفاظت کی بھرپور کوشش کی اور یہ چاہا کہ خلیفہ سوم کی جان بچ جائے۔ اس زمانے میں حضرت علی علیہ السلام کی سرگرمیوں کو مختصراً یوں بیان کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ عبادت خدا میں مشغول رہنا

۲۔ تفسیر قرآن اور ان دینی مسائل کا حل تلاش کرنا جو پیغمبر اکرمؐ کی ۲۳ سال زندگی میں منظر عام پر نہیں آئے تھے یا دور نبوت کے مسائل سے مشابہت نہ رکھتے تھے۔

۳۔ دیگر شہروں اور قوموں سے وابستہ دانشمندوں کے سوالوں کا مدلل جواب فراہم کرنا

۴۔ ایسے متعدد تازہ رونما حوادث کے سلسلے میں اسلامی احکام کا بیان کرنا جن کی مثال سابقہ اسلامی دور میں نہیں پائی جاتی تھی۔

۵۔ ایسے ہنگامی مسائل کا فوری اور قابل قبول حل پیش کرنا جن کے سلسلے میں دربار خلافت میں الجھاؤ پیدا ہو جاتا تھا یا سیاسی پریشانی کی گتھی بن جایا کرتی تھی۔

۶۔ ایسے پاکیزہ قلب وآمادہ روح لوگوں کی تربیت وپرورش کرنا جو سیر وسلوک کی منزلیں طے کرسکیں۔

۷۔ بیشمار پسماندہ اور بے سہارا لوگوں کی زندگی کو سازو سامان فراہم کرنے کے لئے جدوجہد کرنا۔ وہ اس مقصد کے لئے خود اپنے ہاتھوں سے باغ لگاتے تھے۔ کنویں کھودتے تھے اور زمین کے نیچے پانی کی سہولت مہیا کرنے کے بعد اسے خدا کی راہ میں وقف کردیتے تھے۔

علیؑ کا دور خلافت

حملہ آور مسلمانوں کی ایک جماعت کے ذریعہ خلیفہ سوم کے قتل کے بعد عہدہ خلافت امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے سپرد کردیا گیا ۔ خلافت کی باگ ڈور سنبھالتے ہی انہوں نے دوبارہ بیت المال کو مسلمانوں کے درمیان برابر برابر تقسیم کردیا اور جو لوگ مسلمانوں کے دار الخلافہ کو لالچ بھری نگاہوں سے دیکھ رہے تھے انہیں مایوس کردیا۔ ابتدائی مرحلہ میں ان کا دار الحکومت شہر مدینہ میں تھا ۔ ان کے اور پیغمبر اکرم کے بعض مشترک اصحاب مثلاً طلحہ اور زبیر حضرت علی علیہ السلام سے یہ امید کرتے تھے کہ بصرہ اور کوفہ کی حکومت انہیں حاصل ہوجائے گی لیکن حضرت علی نے ان لوگوں کی خواہش قبول نہیں کی ۔ ان لوگوں نے مروان ابن حکم کی حوصلہ افزائی اور زوجہ پیغمبر ودختر ابوبکر حضرت عائشہ کی حمایت کے سایہ میں حضرت علیؑ کی مخالفت شروع کردی۔ ان لوگوں کی تحریک کے نتیجے میں جنگ بصرہ رونما ہوئی جس میں حضرت عائشہ سرخ بال والی اونٹنی پر سوار ہوکر میدان جنگ میں موجود تھیں اسی وجہ سے اس کو جنگ جمل کے نام سے بھی یاد کیا گیا ہے۔ اس جنگ میں امام علی علیہ السلام نے کامیابی حاصل کی اور انہوں نے دار الحکومت مدینہ سے کوفہ منتقل کردیا۔ اس کے بعد خلافت کے اہم ترین دعویدار معاویہ ابن ابوسفیان نے، جو خاندان امویہ سے وابستہ ہونے کی وجہ سے حضرت علی سے گہری عداوت رکھتے تھے، شام میں اپنی مستقل طاقتور حکومت کا علان کردیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ قتل عثمان کو بہانہ قرار دیتے ہوئے معاویہ نے خلافت علویہ کے خلاف دشمنانہ حرکتوں کا لامتناہی سلسلہ شروع کردیا تھا۔ معاویہ نے حضرت علیؑ سے یہ مطالبہ کیا کہ قاتلان عثمان کو اس کے سپرد کردیا جائے۔ امام علی علیہ السلام نے یہ اعلان کرتے ہوئے کہ عثمان کے قاتلین ان کے پاس نہیں ہیں، معاویہ کی خلیفہ گری پر اپنی ناراضگی وبھرپور مخالفت ظاہر کردی ۔ معاویہ نے عثمان کے خون آلود کپڑوں کو سر نیزہ بلند کرتے ہوئے علی کے خلاف بغاوت چھیڑ دی جس کے نتیجے میں جنگ صفین چھڑ گئی اور ۱۱۰ روز تک لڑائی جاری رہی۔ آخر کار ثالث داوری اور فیصلہ ثالثی پر ٹھہری اور معاویہ کے نمائندے عمر وابن عاص نے ابوموسیٰ اشعری کو فریب دیتے ہوئے یہ اعلان کرادیا کہ معاویہ مسلمانوں کا خلیفہ ہے۔ مکر وفریب پر مشتمل اس اعلان کی وجہ سے حضرت علیؑ کے بعض ساتھی بغاوت پر کمر بست ہوگئے یہ باغی جماعت بعد میں خوارج کہلائی ۔ حضرت علیؑ نے ابتدائی مرحلہ میں ان لوگوں کو مذاکرہ وگفتگو کے لئے طلب کیا لیکن جب خوارج نے ان کے قاصدوں کو قتل کرڈالا تو ان لوگوں کے ساتھ مصالحت کے امکانات مفقود ہوگئے اور حضرت علی نے ان کے خلاف جنگ شروع کردی جو جنگ نہروان کے

نام سے موسوم ہوئی اور جس میں خوارج کو غیر معمولی تباہی و بربادی سے ہمکنار ہونا پڑا اور وہ سیستان میں پناہ حاصل کرنے پر مجبور ہوگئے۔

علیؑ کی شہادت

خوارج کی سرکوبی و نابودی پر مشتمل جنگ نہروان کے بعد عبد الرحمٰن ابن ملجم مرادی، عبد اللہ بن تمیمی اور برک بن عبد اللہ تمیمی اور عمرو بن بکر تمیمی جیسے لوگ ایک رات ایک جگہ پر جمع ہوئے اور اس زمانے کے حالات نیز مسلمانوں کی خونریزی اور داخلی جنگوں کا تجزیہ کیا اور نہروان میں اپنے عزیزوں کے قتل اور جنگ کے دوران ہونے والی تباہی و بربادی نیز برادرکشی کے لئے حضرت علی، معاویہ اور عمرو عاص کو ذمہ دار قرار دیا۔ ان لوگوں نے نتیجہ کے طور پر یہ فیصلہ کیا کہ اگر یہ تین افراد مسلمانوں کے درمیان سے ختم ہوجائیں تو تمام مسلمان خود بخود اپنے فرائض کی طرف متوجہ ہوجائیں گے۔ ان تینوں خوارج نے آپس میں یہ معاہدہ کیا کہ ان میں سے ہر خارجی ان تین لوگوں میں سے ایک کو قتل کرے گا۔ ابن ملجم نے حضرت علیؑ کے قتل کا عہد کیا اور رمضان المبارک کی ۱۹ ویں شب کو وہ اپنے کچھ ساتھیوں کے ہمراہ مسجد کوفہ میں گھات لگا کر بیٹھ گیا۔ اس رات حضرت علیؑ اپنی بیٹی کے گھر مہمان تھے اور انہیں دوسری صبح رونما ہونے والے واقعہ کا علم تھا۔ انہوں نے اس سلسلے میں اپنی بیٹی کو اس راز سے آگاہ کیا۔ ام کلثوم نے فرمایا کہ "کل آپ جعدہ کو مسجد بھیج دیجئے۔" حضرت علی نے فرمایا کہ قضائے الٰہی سے فرار ناممکن ہے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنی کمر کے پٹکے کو اور کس کر باندھنے کے بعد یہ دو بیت گنگناتے ہوئے مسجد کی طرف روانہ ہوگئے۔

"موت کے لئے اپنی کمر مضبوطی سے باندھ لو کیونکہ موت بہر حال تم سے ملاقات کرے گی اور جب موت تمہاری سرای میں داخل ہوگی تو نالہ وفریاد مت کرو۔"

ابن ملجم نے نماز صبح کے دوران سجدہ کی حالت میں حضرت علیؑ کے سر مبارک پر اپنی تلوار سے بھرپور وار کردیا اور ان کے سر سے جاری خون محراب عبادت میں ہر طرف پھیل گیا۔ ایسی حالت میں حضرت نے فرمایا "فزت و رب الکعبه" یعنی کعبہ کے رب کی قسم میں کامیاب ہوگیا۔ اس کے بعد حضرت علی علیہ السلام نے سورۂ طٰہٰ کی ۵۵ ویں آیہ کریمہ کی تلاوت فرمائی جس میں ارشاد خداوندی ہوتا ہے "ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، دوبارہ تمہیں مٹی میں لے جائیں گے اور اس کے بعد پھر

تمہیں اس مٹی سے باہر نکالیں گے۔" حضرت علیؑ اپنی زندگی کے آخری لمحات میں بھی لوگوں کی اصلاح وسعادت کے لئے فکر مند تھے چنانچہ انہوں نے اپنی اولاد اپنے قریبی رشتہ داروں اور عام مسلمانوں کے حق میں یہ وصیت فرمائی۔" میں تم لوگوں سے تقویٰ وپرہیزگاری اختیار کرنے کی سفارش کرتا ہوں ۔تم لوگ اپنے تمام امور منظم کرلو اور ہمیشہ مسلمانوں کے درمیان اصلاح کی فکر میں لگے رہو ۔ دیکھو! تم لوگ یتیموں کو کبھی فراموش نہ کرنا۔ پڑوسیوں کے حقوق کی طرف سے لاپرواہی نہ کرنا۔ قرآن کو ہمیشہ اپنا عملی منصوبہ قرار دینا ۔ نماز کو بہت عزیز رکھنا کیونکہ یہ تمہارے دین کا ستون ہے۔" آخرکار علیؑ ماہ رمضان المبارک کی ۲۱ ویں تاریخ کو درجۂ شہادت پر فائز ہوگئے اور نجف اشرف میں انہیں سپرد خاک کردیا گیا۔

علیؑ کے صفات وکمالات

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کو خطابت اور ادبیات پر غیر معمولی غلبہ حاصل تھا۔ ویسے تو بنی امیہ اور ان کے وابستگان ان پر لعن کیا کرتے تھے لیکن اپنے انداز بیان کو بہتر اور موثر بنانے کے لئے ان کے خطبوں اور جملوں کو حفظ کرنے میں بھی لگے رہتے تھے۔ ان کے خطبات ، ارشادات، مکتوبات اور ادیبانہ اقوال سید رضی کے ذریعہ نہج البلاغہ نامی کتاب میں جمع کردئے گئے ہیں اس کے علاوہ" غرر الحکم" کے نام سے ان کی روایات کا مجموعہ بھی موجود ہے۔ عربی زبان وادب کے ماہرین عرب ادبا حضرت علی کے کلام کو قرآن مجید کے بعد سب سے زیادہ عمدہ کلام قرار دیتے ہیں۔ مسلمانوں کے درمیان وہ غیر معمولی عرفانی مقام ومرتبہ کے حامل اور علم، شجاعت ، عدالت، کمزور وپسماندہ افراد کے حامی اور اپنی سادہ طرز زندگی کے لئے بے حد مشہور ہیں۔ ایک غیر شیعہ مسلمان ابن ابی الحدید نے نہج البلاغہ کی شرح تحریر فرمائی ہے ۔ اس کے علاوہ جارج جرداق جیسے عیسائی مصنف اور دانشمند نے" امام علی انسانی عدالت کی آواز" نامی اپنی گرانقدر کتاب میں ان کی بھرپور ستائش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ" علی انصاف پسندی اور دادگری میں شدت کی وجہ سے محراب عبادت میں قتل کرڈالے گئے۔"

خلقت کائنات ارشادات عالیۂ علویہ کی روشنی میں

ترجمہ: مفتی جعفر حسین

ساری دنیا اس حقیقت سے واقف ہے کہ مولای متقیان حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام اس عظیم شخصیت کا نام ہے جس نے خانۂ کعبہ میں پیغمبر کی آغوش میں آنکھ کھولی اور ساری زندگی ان کی سنت و سیرت کی ایسی پیروی کی کہ رحمت اللعالمین کی زبان اوصاف علیؑ بیان کرنے میں محو ہوگئی اور کتب احادیث میں ارشادات نبوی قلمبند ہونے لگے۔ ''ہم اور علیؑ ایک ہی نور سے ہیں۔ میں شہر علم ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں۔ علیؑ حق کے ساتھ ہیں اور حق علیؑ کے ساتھ ہے۔ علیؑ کا نفس میرا نفس ہے''۔ بات یہیں پر ختم نہیں ہوئی بلکہ سفر معراج سے واپسی کے بعد روداد سفر بیان کرتے ہوئے پیغمبر نے فرمایا: ''اے علی! خداوند عالم نے مجھ سے تمہارے لب و لہجہ میں گفتگو فرمائی''۔ اس کے بعد حضرت علیؑ نے سفر کی بقیہ روداد اپنی زبان سے سنائی اور پیغمبر ان کے ارشادات کی تائید کرتے رہے۔ حافظ نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

سرّ خدا کہ عارف سالک بہ کس نگفت　　در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

جی ہاں! نہج البلاغہ میں مذکور آفرینش عالم کے سلسلے میں امیرالمؤمنین حضرت علی علیہ السلام کے ارشادات کا مطالعہ کرتے وقت ایسا محسوس ہوتا ہے کہ راوی اگر خود کاریگر نہیں ہے تو کم از کم الٰہی کاریگری کا شاہد عینی ضرور ہے اور اس نے دنیا کی تخلیق کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ یہ خطبہ درحقیقت حضرت علیؑ کے ید اللہ اور عین اللہ ہونے کی دلیل فراہم کردیتا ہے۔ (ادارہ)

تمام حمد اس اللہ کے لئے ہے، جس کی مدح تک بولنے والوں کی رسائی نہیں، جس کی نعمتوں کو گننے والے گن نہیں سکتے۔ نہ کوشش کرنے والے اس کا حق ادا کرسکتے ہیں، نہ بلند پرواز ہمتیں اسے پاسکتی ہیں، نہ عقل و فہم کی گہرائیاں اس کی تہہ تک پہنچ سکتی ہیں۔ اس کے کمال کی کوئی حد متعین نہیں، نہ اس کے لئے توصیفی الفاظ ہیں نہ اس کی ابتدا کے لئے کوئی وقت ہے، جسے شمار میں لایا جاسکے، نہ اس کی کوئی مدت ہے جو کہیں پر ختم ہوجائے۔ اس نے مخلوقات کو اپنی قدرت سے پیدا کیا، اپنی رحمت سے ہواؤں کو چلایا، تھرتھراتی ہوئی زمین پر پہاڑوں کی میخیں گاڑیں، دین کی ابتدا اس کی

معرفت ہے، کمال معرفت اس کی تصدیق ہے، کمال تصدیق توحید ہے۔ کمال توحید تنزیہ و اخلاص ہے اور کمال تنزیہ و اخلاص یہ ہے کہ اس سے صفتوں کی نفی کی جائے۔ کیونکہ ہر صفت شاہد ہے کہ وہ اپنے موصوف کی غیر ہے اور ہر موصوف شاہد ہے کہ وہ صفت کے علاوہ کوئی چیز ہے۔ لہٰذا جس نے ذات الٰہی کے علاوہ صفات مانے، اس نے ذات کا ایک دوسرا ساتھی مان لیا اور جس نے اس کی ذات کا کوئی اور ساتھی مانا اس نے دوئی پیدا کی جس نے دوئی پیدا کی، اس نے اس کے لئے جز بنا ڈالا اور جو اس کے لئے اجزاء کا قائل ہوا وہ اس سے بے خبر رہا اور جو اس سے بے خبر رہا اس نے اسے قابل اشارہ سمجھ لیا اور جس نے اسے قابل اشارہ سمجھ لیا اس نے اس کی حد بندی کر دی اور جو اسے محدود سمجھا وہ اسے دوسری چیزوں ہی کی قطار میں لے آیا جس نے یہ کہا کہ وہ کسی چیز میں ہے اس نے اسے کسی شے کے ضمن میں فرض کر لیا اور جس نے یہ کہا کہ وہ کسی چیز پر ہے۔ اس نے اور جگہیں اس سے خالی سمجھ لیں۔ وہ ہے، ہوا نہیں۔ موجود ہے۔ مگر عدم سے وجود میں نہیں آیا۔ وہ ہر شے کے ساتھ ہے، نہ جسمانی اتصال کی طرح، وہ ہر چیز سے علیحدہ ہے، نہ جسمانی دوری کے طور پر، وہ فاعل ہے، لیکن حرکات و آلات کا محتاج نہیں، وہ اس وقت بھی دیکھنے والا تھا جب کہ مخلوقات میں کوئی چیز دکھائی دینے والی نہ تھی۔ وہ یگانہ ہے۔ اس لئے کہ اس کا کوئی ساتھی ہی نہیں ہے کہ جس سے وہ مانوس ہو اور اسے کھو کر پریشان ہو جائے۔ اس نے پہلے پہل خلق کو ایجاد کیا۔ بغیر کسی فکر کی جولانی کے اور بغیر کسی تجربہ کے جس سے فائدہ اٹھانے کی اسے ضرورت پڑی ہو اور بغیر کسی حرکت کے جسے اس نے پیدا کیا ہو اور بغیر کسی ولولہ اور جوش کے جس سے وہ بیتاب ہوا ہو۔ ہر چیز کو اس کے وقت کے حوالے کیا۔ بے جوڑ چیزوں میں توازن و ہم آہنگی پیدا کی۔ ہر چیز کو جداگانہ طبیعت و مزاج کا حامل بنایا اور ان طبیعتوں کے لئے مناسب صورتیں ضروری قرار دیں۔ وہ ان چیزوں کو ان کے وجود میں آنے سے پہلے جانتا تھا۔ ان کی حد و نہایت پر احاطہ کئے ہوئے تھا اور ان کے نفوس و اعضا کو پہچانتا تھا۔ پھر یہ کہ اس نے کشادہ فضا، وسیع اطراف و اکناف اور خلا کی وسعتیں خلق کیں اور ان میں ایسا پانی بہایا، جس کے دریائے امواج کی لہریں طوفانی اور بحر زخار کی موجیں تہہ بہ تہہ تھیں اسے تیز ہوا اور تند آندھی کی پشت پر لاد دیا۔ پھر اسے پانی کے پلٹانے کا حکم دیا اور اسے اس کے پابند رکھنے پر قابو دیا اور اسے پانی کی سرحد سے ملا دیا۔ اس کے نیچے ہوا دور تک پھیلی ہوئی تھی اور اوپر پانی ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ پھر اللہ سبحانہ نے اس پانی کے اندر ایک ہوا خلق کی، جس کا چلتا بانجھ (بے ثمر) تھا اور اسے اس کے

مرکز پر قرار رکھا۔ اس کے جھونکے تیز کر دیئے اور اس کے چلنے کی جگہ دور و دراز تک پھیلا دی پھر اس ہوا کو مامور کیا کہ وہ پانی کے ذخیرے کو تھپیڑے دے اور بحر بے کراں کی موجوں کو اچھالے۔ اس ہوا نے پانی کو یوں متھ دیا۔ جس طرح دہی کے مشکیزے کو متھا جاتا ہے اور اسے ڈھکیلتی ہوئی تیزی سے چلی۔ جس طرح خالی فضا میں چلتی ہے اور پانی کے ابتدائی حصے کو آخری حصے پر اور ٹھہرے ہوئے پانی کو چلتے ہوئے پانی پر پلٹانے لگی۔ یہاں تک کہ اس متلاطم پانی کی سطح بلند ہوگئی اور وہ تہہ بہ تہہ پانی جھاگ دینے لگا اللہ نے وہ جھاگ کھلی ہوا اور کشادہ فضا کی طرف اٹھائی اور اس سے ساتوں آسمان پیدا کئے۔ نیچے والے آسمان کو رکی ہوئی موج کی طرح بنایا اور اوپر والے آسمان کو محفوظ چھت اور بلند عمارت کی صورت میں اس طرح قائم کیا کہ نہ ستونوں کے سہارے کی حاجت تھی نہ بندھنوں سے جوڑنے کی ضرورت پھر ان کو ستاروں کی سج دھج اور روشن تاروں کی چمک دمک سے آراستہ کیا اور ان میں ضو پاش چراغ اور جگمگاتا چاند رواں کیا۔ جو گھومنے والے فلک، چلتی پھرتی چھت اور جنبش کھانے والی لوح میں ہے۔ پھر خداوند عالم نے بلند آسمانوں کے درمیان شگاف پیدا کئے اور ان کی وسعتوں کو طرح طرح کے فرشتوں سے بھر دیا۔ کچھ ان میں سربسجود ہیں جو رکوع نہیں کرتے، کچھ رکوع میں ہیں جو سیدھے نہیں ہوتے۔ کچھ صفیں باندھے ہوئے ہیں جو اپنی جگہ نہیں چھوڑتے اور کچھ پاکیزہ بیان میں سرگرم ہیں اور اکتاتے نہیں، نہ ان کی آنکھوں میں نیند آتی ہے نہ ان کی عقلوں میں بھول چوک پیدا ہوتی ہے، نہ ان کے بدنوں میں سستی و کاہلی آتی ہے نہ ان پر نسیان کی غفلت طاری ہوتی ہے۔ ان میں کچھ تو وحی الٰہی کے امین، اس کے رسولوں کی طرف پیغام رسانی کے لئے زبان حق اور اس کے قطعی فیصلوں اور فرمانوں کو لے کر آنے جانے والے ہیں، کچھ اس کے بندوں کے نگہبان اور جنت کے دروازوں کے پاسبان ہیں۔ کچھ وہ ہیں، جن کے قدم زمین کی تہہ میں جمے ہوئے ہیں اور ان کے پہلو اطراف عالم سے بھی آگے بڑھ گئے ہیں۔ ان کے شانے عرش کے پایوں سے میل کھاتے ہیں۔ عرش کے سامنے ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہیں اور اس کے نیچے اپنے پروں میں لپٹے ہوئے ہیں اور ان میں اور دوسری مخلوق میں عزت کے حجاب اور قدرت کے سرادر پردے حائل ہیں۔ وہ شکل وصورت کے ساتھ اپنے رب کا تصور نہیں کرتے، نہ اس پر مخلوق کی صفتیں طاری کرتے ہیں۔ نہ اسے محل و مکان میں گھرا ہوا سمجھتے ہیں۔ نہ اشباہ و نظائر سے اس کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بارے میں فرمایا

پھر اللہ نے سخت و نرم اور شیریں و شورہ زار زمین سے مٹی جمع کی، اسے پانی سے اتنا بھگویا کہ وہ صاف ہو کر نتھر گئی اور تری سے اتنا گوندھا کہ اس میں لس پیدا ہو گیا۔ اس سے ایک ایسی صورت بنائی، جس میں موڑ ہیں اور جوڑ، اعضا ہیں اور مختلف حصے، اسے یہاں تک سکھایا کہ وہ خود تھم سکے اور اتنا سخت کیا کہ وہ کھنکھنانے لگی۔ ایک وقت معین اور مدت معلوم تک اسے یونہی رہنے دیا۔ پھر اس میں روح پھونکی، تو وہ ایسے انسان کی صورت میں کھڑی ہو گئی جو قوائے ذہنی کو حرکت دینے والا۔ فکری حرکات سے تصرف کرنے والا، اعضاء و جوارح سے خدمت لینے والا اور ہاتھ پیروں کو چلانے والا ہے اور ایسی شناخت کا مالک ہے۔ جس سے حق و باطل میں تمیز کرتا ہے اور مختلف مزوں، بوؤں، رنگوں اور جنسوں میں فرق کرتا ہے۔ خود رنگا رنگ کی مٹی اور ملتی جلتی ہوئی موافق چیزوں اور مخالف ضدوں اور متضاد خلطوں سے اس کا خمیر ہوا ہے۔ یعنی گرمی، سردی، تری خشکی کا پیکر ہے۔

پھر اللہ نے فرشتوں سے چاہا کہ وہ اس کی سونپی ہوئی ودیعت ادا کریں اور اس کی پیمان وصیت کو پورا کریں۔ جو سجدۂ آدم کے حکم کو تسلیم کرنے اور اس کی بزرگی کے سامنے تواضع و فروتنی کے لئے تھا۔ اس لئے اللہ نے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا۔ اسے عصبیت نے گھیر لیا۔ بدبختی اس پر چھا گئی۔ آگ سے پیدا ہونے کی وجہ سے اپنے کو بزرگ و برتر سمجھا۔ اور کھنکھناتی ہوئی مٹی کو مخلوق اور حقیر و ذلیل جانا۔ اللہ نے اسے مہلت دی تاکہ وہ پورے طور پر غضب کا مستحق بن جائے اور بنی آدم کی آزمائش پایۂ تکمیل تک پہنچے اور وعدہ پورا ہو جائے۔ چنانچہ اللہ نے اس سے کہا کہ تجھے وقت معین کے دن تک کی مہلت ہے۔ پھر اللہ نے آدم کو ایسے گھر میں ٹھہرایا۔ جہاں ان کی زندگی کو خوش گوار رکھا۔ انہیں شیطان اور اس کی عداوت سے بھی ہوشیار کر دیا۔ لیکن ان کے دشمن نے ان کے جنت میں ٹھہرنے اور نیکوکاروں میں مل جل کر رہنے پر حسد کیا اور آخرکار انہیں فریب دے دیا۔ آدم نے یقین کو شک اور ارادے کے استحکام کو کمزوری کے ہاتھوں بیچ ڈالا۔ مسرت کو خوف سے بدل لیا۔ اور فریب خوردگی کی وجہ سے ندامت اٹھائی۔ پھر اللہ نے آدم کے لئے توبہ کی گنجائش رکھی۔ انہیں رحمت کے کلمے سکھائے، جنت میں دوبارہ پہنچانے کا ان سے وعدہ کیا اور انہیں دار ابتلا و محل افزائش نسل میں اتار دیا۔ اللہ سبحانہ نے ان کی اولاد سے انبیاء چنے۔ وحی پر ان سے عہد و پیمان لیا،

تبلیغ رسالت کا انہیں امین بنایا، جب کہ اکثر لوگوں نے اللہ کا عہد بدل دیا تھا۔ چنانچہ وہ اس کے حق سے بے خبر ہوگئے۔ اوروں کو اس کا شریک بنا ڈالا۔ شیاطین نے اس کی معرفت سے انہیں روگرداں اور اس کی عبادت سے الگ کر دیا۔ اللہ نے ان میں اپنے رسول مبعوث کئے اور لگاتار انبیاء بھیجے تا کہ ان سے فطرت کے عہد و پیمان پورے کرائیں۔ اس کی بھولی ہوئی نعمتیں یاد دلائیں۔ پیغام ربانی پہنچا کر حجت تمام کریں۔ عقل کے دفینوں کو ابھاریں اور انہیں قدرت کی نشانیاں دکھائیں۔ یہ سروں پر بلند بام آسمان، ان کے نیچے بچھا ہوا فرش زمین، زندہ رکھنے والا سامان معیشت۔ فنا کرنے والی اجلیں، بوڑھا کر دینے والی بیماریاں اور پے در پے آنے والے حادثے۔

اللہ سبحانہ نے اپنی مخلوق کو بغیر کسی فرستادہ پیغمبر یا آسمانی کتاب یا دلیل قطعی طریق روشن کے کبھی یونہی نہیں چھوڑا۔ ایسے رسول، جنہیں تعداد کی کمی اور جھٹلانے والوں کی کثرت درماندہ و عاجز نہیں کرتی تھی۔ ان میں کوئی سابق تھا، جس نے بعد میں آنے والے کا نام ونشان بتایا۔ کوئی بعد میں آیا، جسے پہلا پچھوا چکا تھا۔ اسی طرح مدتیں گزر گئیں۔ زمانے بیت گئے۔ باپ داداؤں کی جگہ پر ان کی اولادیں بس گئیں۔ یہاں تک کہ اللہ سبحانہ، نے ایفائے عہد و اتمام نبوت کے لئے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث کیا، جن کے متعلق نبیوں سے عہد و پیمان لیا جاچکا تھا، جن کے علامات (ظہور) مشہور محل ولادت مبارک و مسعود تھا۔ اس وقت زمین پر بسنے والوں کے مسلک جدا جدا خواہشیں متفرق و پراگندہ اور راہیں الگ الگ تھیں۔ یوں کہ کچھ اللہ کو مخلوق سے تشبیہ دیتے، کچھ اس کے ناموں کو بگاڑ دیتے۔ کچھ اسے چھوڑ کر اوروں کی طرف اشارہ کرتے تھے۔ خداوند عالم نے آپ کی وجہ سے انہیں گمراہی سے ہدایت کی راہ پر لگایا اور آپ کے وجود سے انہیں جہالت سے چھڑایا۔ پھر اللہ سبحانہ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے لقا وقرب کے لئے چنا، اپنے خاص اعزاز آپ کے لئے پسند فرمائے اور دار دنیا کی بود و باش سے آپ کو بلند تر سمجھا اور زحمتوں سے گھری ہوئی جگہ سے آپ کے رخ کو موڑا اور دنیا سے باعزت آپ کو اٹھالیا۔ حضرت تم میں اسی طرح کی چیز چھوڑ گئے، جو انبیاء اپنی امتوں میں چھوڑتے چلے آئے تھے۔ اس لئے کہ وہ طریق واضح ونشان محکم قائم کئے بغیر یوں ہی بے قید و بند انہیں نہیں چھوڑتے تھے۔ پیغمبر نے تمہارے پروردگار کی کتاب تم میں چھوڑی ہے۔ اس حالت میں کہ انھوں نے کتاب کے حلال وحرام، واجبات ومستحبات، ناسخ ومنسوخ رخص و عزائم، خاص و عام، عبر و امثال مقید ومطلق محکم ومتشابہ کو واضح طور سے بیان کردیا۔ مجمل آیتوں کی

تفسیر کردی۔ اس کی گتھیوں کو سلجھادیا۔ اس میں کچھ آیتیں وہ ہیں، جن کے جاننے کی پابندی عائد کی گئی ہے اور کچھ وہ ہیں کہ اگر اس کے بندے ان سے ناواقف رہیں تو مضائقہ نہیں۔ کچھ احکام ایسے ہیں جن کا وجوب کتاب سے ثابت ہے اور حدیث سے ان کے منسوخ ہونے کا پتہ چلتا ہے اور کچھ احکام ایسے ہیں، جن پر عمل کرنا حدیث کی رو سے واجب ہے، لیکن کتاب میں ان کے ترک کی اجازت ہے۔ اس کتاب میں بعض واجبات ایسے ہیں جن کا وجوب وقت سے وابستہ ہے اور زمانہ آئندہ میں ان کا وجوب برطرف ہوجاتا ہے۔ قرآن کے محرمات میں بھی تفریق ہے۔ کچھ کبیرہ ہیں، جن کے لئے آتش جہنم کی دھمکیاں ہیں اور کچھ صغیر ہیں جن کے لئے مغفرت کے توقعات پیدا کئے ہیں۔ کچھ اعمال ایسے ہیں جن کا تھوڑا سا حصہ بھی مقبول ہے، اور زیادہ سے زیادہ اضافہ کی گنجائش رکھی ہے۔

اسی خطبہ میں حج کے سلسلہ میں فرمایا:

اللہ نے اپنے گھر کا حج تم پر واجب کیا، جسے لوگوں کا قبلہ بنایا ہے۔ جہاں لوگ اس طرح کھنچ آتے ہیں، جس طرح پیاسے حیوان پانی کی طرف اور اس طرح وارفتگی سے بڑھتے ہیں، جس طرح کبوتر اپنے آشیانوں کی جانب آتے ہیں۔ اللہ جل شانہ، نے اس کو اپنی عظمت کے سامنے ان کی فروتنی و عاجزی اور اپنی عزت کے اعتراف کا نشان بنایا ہے۔ اس نے اپنی مخلوق میں سے سننے والے لوگ چن لئے جنھوں نے اس کی آواز پر لبیک کہی اور اسکے کلام کی تصدیق کی وہ انبیاء کی جگہوں پر ٹھہرے۔ عرش پر طواف کرنے والے فرشتوں سے شباہت اختیار کی۔ وہ اپنی عبادت کی تجارت گاہ میں منفعتوں کو سمیٹتے ہیں اور اس کی وعدہ گاہ مغفرت کی طرف بڑھتے ہیں۔ اللہ سبحانہ نے اس گھر کو اسلام کا نشان، پناہ چاہنے والوں کے لئے حرم بنایا ہے۔ اس کا حج فرض اور ادائگی حق کو واجب کیا ہے اور اس کی طرف راہ تور دی فرض کردی ہے۔ چنانچہ اللہ نے قرآن میں فرمایا کہ اللہ کا واجب الادا حق لوگوں پر یہ ہے کہ وہ خانۂ کعبہ کا حج کریں جنہیں وہاں تک پہنچنے کی استطاعت ہو اور جس نے کفر کیا تو جان لے کہ اللہ سارے جہاں سے بے نیاز ہے۔

۱۔ ''دین کی اصل و اساس خدا شناسی ہے'' دین کے لغوی معنی اطاعت اور عرفی معنی شریعت کے ہیں۔ یہاں خواہ لغوی معنی مراد لیئے جائیں یا عرفی دونوں صورتوں میں اگر ذہن کسی معبود کے تصور سے خالی ہو، تو نہ اطاعت کا سوال پیدا ہوتا ہے اور نہ کسی آئین کی پابندی کا کیونکہ جب کوئی منزل

ہی سامنے نہ ہوگی، تو منزل کے رخ پر بڑھنے کے کیا معنی اور جب کوئی مقصد ہی پیش نظر نہ ہوگا تو اس کے لئے تگ و دو کرنے کا کیا مطلب۔ البتہ جب انسان کی عقل و فطرت اس کا سررشتہ کسی مافوق الفطرت طاقت سے جوڑ دیتی ہے اور اس کا ذوق پرستاری و جذبۂ عبودیت اسے کسی معبود کے آگے جھکا دیتا ہے، تو وہ من مانی کر گزرنے کے بجائے اپنی زندگی کو مختلف قسم کی پابندیوں میں جکڑا ہوا محسوس کرتا ہے اور انہی پابندیوں کا نام دین ہے۔ جس کا نقطۂ آغاز صانع کی معرفت اور اس کی ہستی کا اعتراف ہے۔

معرفت کی بنیادی حیثیت کی طرف اشارہ کرنے کے بعد اس کے ضروری ارکان و شرائط بیان فرمائے ہیں اور عموماً افراد انسانی جن ناقص مراتب ادراک کو اپنی منزل آخر بنا کر قانع ہوجاتے ہیں۔ ان کے ناکافی ہونے کا اظہار فرمایا ہے۔ اور اس کا پہلا درجہ یہ ہے کہ فطرت کے وجدانی احساس اور ضمیر کی راہنمائی سے یا اہل مذاہب کی زبان سے سن کر اس اَن دیکھی ہستی کا تصور ذہن میں پیدا ہوجائے جو خدا کہی جاتی ہے۔ یہ تصور درحقیقت فکر و نظر کی ذمہ داری اور تحصیل معرفت کا حکم عائد ہونے کا عقلاً پیش خیمہ ہے، لیکن تساہل پسند یا ماحول کے دباؤں میں اسیر ہستیاں اس تصور کے پیدا ہونے کے باوجود طلب کی زحمت گوارا نہیں کرتیں تو وہ تصور تصدیق کی شکل اختیار نہیں کرتا۔ اس صورت میں وہ معرفت سے محروم ہوجاتی ہے اور باوجود تصور، بمنزل تصدیق سے ان کی محرومی چونکہ بالاختیار ہوتی ہے اس لئے وہ اس پر مواخذہ کی مستحق ہوتی ہیں، لیکن جو اس تصور کی تحریک سے متاثر ہوکر قدم آگے بڑھاتا ہے وہ غور و فکر ضروری سمجھتا ہے اور اس طرح دوسرا درجہ ادراک کا حاصل ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ مخلوقات کی بوقلمونیوں اور مصنوعات کی نیرنگیوں سے صانع عالم کا کھوج لگایا جائے کیونکہ ہر نقش نقاش کے وجود پر اور ہر اثر مؤثر کی کارفرمائی پر ایک ٹھوس اور بے لچک دلیل ہے۔ چنانچہ انسان جب اپنے گرد و پیش نظر دوڑاتا ہے، تو اسے ایسی کوئی چیز دکھائی نہیں دیتی کہ جو کسی صانع کی کارفرمائی کے بغیر موجود ہوگئی ہو۔ یہاں تک کہ کوئی نقش قدم بغیر راہرو کے اور کوئی عمارت بغیر معمار کے کھڑی ہوتے ہوئے نہیں دیکھتا، تو کیونکر یہ باور کرسکتا ہے کہ یہ فلک نیلگوں اور اس کی پنہائیوں میں آفتاب و ماہتاب کی تجلیاں اور یہ زمین اور اس کی وسعتوں میں سبزہ و گل کی رعنائیاں بغیر کسی صانع کی صنعت طرازی کے موجود ہوگئی ہوں گی۔ لہٰذا موجودات عالم اور نظم کائنات کو دیکھنے کے بعد کوئی انسان اس نتیجہ تک پہنچنے سے اپنے دل و دماغ کو نہیں روک سکتا کہ اس جہان رنگ و بو کا کوئی

بنانے سنوارنے والا ہے کیونکہ تہی دامان وجود سے فیضان وجود نہیں ہوسکتا اور نہ عدم سے وجود کا سرچشمہ پھوٹ سکتا ہے۔ قرآن نے اس استدلال کی طرف ان لفظوں میں اشارہ کیا ہے۔ "**افی اللہ شک فاطر السموات و الارض**" کیا اللہ کے وجود میں شک ہوسکتا ہے جو زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا ہے۔ لیکن یہ وجہ بھی ناکافی ہے جب کہ اس کی تصدیق میں غیر کی الوہیت کے عقیدہ کی آمیزش ہو۔

تیسرا درجہ یہ ہے کہ اس کی ہستی کا اقرار وحدت و یگانگت کے اعتراف کے ساتھ ہو۔ بغیر اس کے خدا کی تصدیق مکمل نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ جس کے ساتھ اور بھی خدا مانے جائیں گے۔ وہ ایک نہیں ہوگا اور خدا کے لئے ایک ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ ایک سے زائد ہونے کی صورت میں یہ سوال پیدا ہوگا کہ اس کائنات کو ان میں سے ایک نے پیدا کیا ہے یا سب نے مل جل کر اگر ایک نے پیدا کیا ہے، تو اس میں کوئی خصوصیت ہونا چاہئے ورنہ اس ایک کو بلا وجہ ترجیح ہوگی جو عقلاً باطل ہے، اور اگر سب نے مل جل کر بنایا ہے تو دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ دوسروں کی مدد کے بغیر اپنے امور کی انجام دہی نہ کرسکتا ہوگا یا ان کی شرکت و تعاون سے بے نیاز ہوگا۔ پہلی صورت میں اس کا محتاج و دست نگر ہونا اور دوسری صورت میں ایک فعل کے لئے کئی ایک مستقل فاعلوں کا کارفرما ہونا لازم آئے گا اور یہ دونوں صورتیں اپنے مقام پر باطل کی جاچکی ہیں۔ اور اگر یہ فرض کیا جائے کہ سارے خداؤں نے حصہ رسدی مخلوقات کو آپس میں بانٹ کر ایجاد کیا ہے، تو اس صورت میں تمام ممکنات کی ہر واجب الوجود سے یکساں نسبت نہ رہے گی، بلکہ صرف اپنے بنانے والے ہی سے نسبت ہوگی۔ حالانکہ ہر واجب کو ہر ممکن سے اور ہر ممکن کو ہر واجب سے یکساں نسبت ہونا چاہئے۔ کیونکہ تمام ممکنات اثر پذیری میں اور تمام واجب الوجود اثر اندازی میں ایک سے مانے گئے ہیں۔ تو اب اسے ایک مانے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے، کیونکہ متعدد خالق ماننے کی صورت میں کسی چیز کے موجود ہونے کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی اور زمین و آسمان اور کائنات کی ہر شئی کے لئے تباہی و بربادی ضروری قرار پاتی ہے۔ اللہ سبحانہ نے اس دلیل کو ان لفظوں میں پیش کیا ہے "**لوکان فیھما الھۃ الا اللہ لفسدتا**" اگر زمین و آسمان میں اللہ کے علاوہ اور بھی خدا ہوتے، تو یہ زمین و آسمان دونوں تباہ و برباد ہوجاتے۔

چوتھا درجہ یہ ہے کہ اسے ہر نقص و عیب سے پاک سمجھا جائے اور جسم و صورت، تمثیل و تشبیہ،

مکان و زمان حرکت و سکون اور عجز و جہل سے منزہ مانا جائے۔ کیونکہ اس باکمال و بے عیب ذات میں نہ کسی نقص کا گذر ہوسکتا ہے نہ اس کے دامن پر کسی عیب کا دھبہ ابھر سکتا ہے اور نہ اس کو کسی کے مثل و مانند ٹھہرایا جاسکتا ہے۔ کیونکہ یہ تمام چیزیں وجوب کی بلندیوں سے اتار کر امکان کی پستیوں میں لے آنے والی ہیں۔ چنانچہ قدرت نے توحید کے پہلو بہ پہلو اپنی تنزیہ و تقدیس کو بھی جگہ دی ہے۔

۱- کہہ دو کہ اللہ یگانہ ہے۔ اس کی ذات بے نیاز ہے۔ نہ وہ کسی کی اولاد ہے نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ اس کا کوئی ہم پلہ ہے۔

۲- اس کو نگاہیں دیکھ نہیں سکتیں، البتہ وہ نگاہوں کو دیکھ رہا ہے اور وہ ہر چھوٹی سے چھوٹی چیز سے آگاہ اور باخبر ہے۔

۳- اللہ کے لئے مثالیں نہ گڑھ لیا کرو۔ بے شک اصل حقیقت اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

۴- کوئی چیز اس کے مانند نہیں ہے، وہ سنتا بھی ہے اور دیکھتا بھی ہے۔

پانچواں درجہ یہ ہے جس سے معرفت مکمل ہوتی ہے کہ اس کی ذات میں صفتوں کو الگ سے نہ سمویا جائے کہ ذات احدیت میں دوئی کی جھلک پیدا ہوجائے اور توحید اپنے صحیح مفہوم کو کھوکر ایک تین اور تین ایک کے چکر میں پڑ جائے۔ کیونکہ اس کی ذات جوہر و عرض کا مجموعہ نہیں کہ اس میں صفتیں اس طرح قائم ہوں جس طرح پھول میں خوشبو اور ستاروں میں چمک بلکہ اس کی ذات خود تمام صفتوں کا سرچشمہ ہے اور وہ اپنے کمالات ذاتی کے اظہار کے لئے کسی توسط کی محتاج نہیں ہے۔ اگر اسے عالم کہا جاتا ہے واس بنا پر کہ اس کے علم کے آثار نمایاں ہیں اور اگر اسے قادر کہا جاتا ہے تو اس لئے کہ ہر ذرہ اس کی قدرت و کارفرمائی کا پتہ دے رہا ہے اور سمیع و بصیر کہا جاتا ہے تو اس وجہ سے کہ کائنات کی شیرازہ بندی اور اور مخلوقات کی چارہ سازی دیکھے اور سنے بغیر نہیں ہوسکتی۔ مگر ان صفتوں کی نمود اس کی ذات میں اسی طرح نہیں ٹھہرائی جاسکتی، جس طرح ممکنات میں کہ اس میں علم آئے تو وہ عالم ہو اور ہاتھ پیروں میں توانائی آئے تو وہ قادر و توانا ہو کیونکہ صفت کو ذات سے الگ ماننے کا لازمی نتیجہ دوئی ہے اور جہاں دوئی کا تصور ہوا وہاں توحید کا عقیدہ رخصت ہوا۔ اسی لئے امیر المومنین علیہ السلام نے زائد بر ذات صفات کی نفی فرما کر صحیح توحید کے خدوخال سے آشنا فرمایا ہے اور دامن وحدت کو کثرت کے دھبوں سے بدنما نہیں ہونے دیا۔ اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ اس کے لئے کوئی صفت تجویز ہی نہیں کی جاسکتی کہ ان لوگوں کے مسلک کی تائید ہو، جو سلبی تصورات کے بھیانک

اندھیروں میں ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔ حالانکہ کائنات کا گوشہ گوشہ اس کی صفتوں کے آثار سے چھلک رہا ہے اور مخلوقات کا ذرہ ذرہ گواہی دے رہا ہے کہ وہ جاننے والا ہے، قدرت والا ہے، سننے اور دیکھنے والا ہے اور اپنے دامن ربوبیت میں پالنے والا اور سایۂ رحمت میں پروان چڑھانے والا ہے۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ اس کی ذات میں الگ سے کوئی ایسی چیز تجویز نہیں کی جاسکتی کہ اسے صفت سے تعبیر کرنا صحیح ہو، کیونکہ جو ذات ہے وہی صفت ہے اور جو صفت ہے وہی ذات ہے۔ اسی مطلب کو امام جعفر صادق سلام اللہ علیہ کی زبان فیض ترجمان سے سماعت فرمائیے اور پھر مذاہب عالم کے عقیدہ توحید کو اس کی روشنی میں دیکھئے اور پرکھئے کہ توحید کے صحیح مفہوم سے روشناس کرانے والی فردیں کون تھیں۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں: ''ہمارا خدا بزرگ و برتر ہمیشہ سے عین علم رہا حالانکہ معلوم ابھی کتم عدم میں تھا اور عین سمع و بصر رہا۔ حالانکہ نہ کسی آواز کی گونج بلند ہوئی تھی اور نہ کوئی دکھائی دینے والی چیز تھی اور عین قدرت رہا حالانکہ قدرت کے اثرات کو قبول کرنے والی کوئی شی نہ تھی۔ پھر جب اس نے ان چیزوں کو پیدا کیا اور معلوم کا وجود ہوا تو اس کا علم (توحید و صدق) معلومات پر پوری طرح منطبق ہوا خواہ وہ سنی جانے والی صدائیں ہوں یا دیکھی جانے والی چیزیں ہوں اور مقدور کے تعلق سے اس کی قدرت نمایاں ہوئی''۔

یہ وہ عقیدہ ہے، جس پر ائمہ اہل بیت کا اجماع ہے مگر سواد اعظم نے اس کے خلاف دوسرا راستہ اختیار کیا ہے اور ذات و صفات میں علیحدگی کا تصور پیدا کردیا ہے۔ چنانچہ شہرستانی نے تحریر کیا ہے کہ: "قال ابو الحسن باری تعالیٰ عالم بعلم قادر بقدرہ حی بحیاۃ مرید بارادۃ متکلم بکلام سمیع بسمع بصیر ببصر"[1] ابوالحسن اشعری کہتے ہیں کہ باری تعالیٰ علم، قدرت، حیات، ارادہ، کلام اور سمع و بصر کے ذریعہ عالم، قادر، زندہ، مرید، متکلم اور سمیع و بصیر ہے۔

اگر صفتوں کو اس طرح زائد بر ذات مانا جائے گا تو دو حال سے خالی نہیں یا تو یہ صفتیں ہمیشہ سے اس میں ہوں گی یا بعد میں طاری ہوئی ہوں گی۔ پہلی صورت میں جتنی اس کی صفتیں مانی جائیں گی انہیں اتنی ہی قدیم ماننا پڑے گا، جو قدامت میں اس کے شریک ہوں گی۔ تعالی اللہ عما یشرکون اور دوسری صورت میں اس کی ذات کو محل حوادث قرار دینے کے علاوہ یہ لازم آئے گا کہ وہ ان صفتوں کے پیدا ہونے سے پہلے نہ عالم ہو، نہ قادر نہ سمیع ہو اور نہ بصیر اور یہ عقیدہ اساسی طور پر اسلام

(کتاب الملل و النحل، ص ۴۲)

کے خلاف ہے۔

۲- قرآن مجید کے احکام کے سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ اس میں حلال و حرام کا بیان ہے جیسے "احل الله البیع و حرم الربوا" اللہ نے خرید و فروخت کو جائز کیا ہے اور سود کو حرام کردیا ہے۔ اس میں فرائض و مستحبات کا ذکر ہے، جیسے "فاذا قضیتم الصلوٰة فاذکروا الله قیاما و قعودا و علی جنوبکم فاذا طمأننتم فاقیموا الصلوٰة" جب نماز (خوف) ادا کر چکو تو اٹھتے بیٹھے لیٹتے اللہ کو یاد کرو اور جب دشمن کی طرف سے مطمئن ہو جاؤ، تو پھر معمول کے مطابق نماز پڑھا کرو۔ نماز فرض ہے اور دوسرے اذکار مستحب ہیں۔ اس میں ناسخ و منسوخ بھی ہیں۔ ناسخ جیسے وعدہ وفات میں "اربعة اشهر و عشرا" چار مہینے دس دن اور منسوخ جیسے متاعاً الی الحول غیر اخرج جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عدۂ وفات ایک سال ہے اس میں مخصوص مواقع پر حرام چیزوں کے لئے رخصت و اجازت بھی ہے جیسے فمن اضطر غیر باغ و لاعاد فلا اثم علیه "اگر کوئی شخص بحالت مجبوری حرام چیزوں میں سے کچھ کھالے، تو اس پر کوئی گناہ نہیں، در آں صورتیکہ حدود شریعت کو توڑنا اور ان سے متجاوز ہونا نہ چاہتا ہو۔ اس میں امر احکام بھی ہیں جیسے "لایشرک بعبادة ربه احدا" چاہئے کہ وہ اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔ اس میں خاص و عام بھی ہیں۔ خاص وہ کہ جس کے لفظ میں وسعت ہو اور معنی مقصود کا دائرہ محدود ہو۔ جیسے و انی فضلتکم علی العالمین" اے بنی اسرائیل! ہم نے تمہیں عالمین پر فضیلت دی ہے۔ اس میں عالمین سے صرف انہی کا زمانہ مراد ہے اگرچہ لفظ تمام جہانوں کو شامل ہے اور عام وہ ہے جو اپنے معنی میں پھیلاؤ رکھتا ہے۔ جیسے "والله بکلّ شئٍ علیم" اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ اس میں عبرتیں اور مثالیں بھی ہیں۔ عبرتیں جیسے "فاخذه الله نکال الاخرة والأولیٰ انّ فی ذلک لعبرةً لّمن یخشیٰ" خدا نے اسے دنیا و آخرت کے عذاب میں دھرلیا جو اللہ سے ڈرے اس کے لئے اس میں عبرت کا سامان ہے۔ اور مثالیں جیسے "مثل الّذین ینفقون اموالهم فی سبیل الله کمثلِ جنّة انبتت سبع سنابل فی کلّ سنبلة مائة حبّة" جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔ ان کی مثال اس بیج کی سی ہے جس سے سات بالیاں نکلیں اور ہر بالی میں سو سو دانے ہوں۔ اس میں مطلق و مقید ہیں۔ مطلق وہ کہ جس میں کسی قسم کی تقیید و پابندی نہ ہو۔ جیسے "و اذ قال موسیٰ لقومه ان الله یامرکم ان تذبحوا بقرة" اس موقع کو یاد کرو کہ جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ تمہیں اللہ کا یہ

حکم ہے کہ تم کوئی سی گائے ذبح کرو۔ اور مقید وہ کہ جس میں تشخص و قیود کی پابندی ہو۔ جیسے "انه يقول انها بقرة لا ذلول تثير الارض و لا تسقي الحرث" اللہ فرماتا ہے کہ وہ ایسی گائے ہو جو نہ ہل میں جوتی گئی ہو اور نہ اس سے کھیتوں کو سینچا گیا ہو۔ اس میں محکم و متشابہ بھی ہیں۔ محکم وہ کہ جس میں کوئی گنجلک نہ ہو۔ جیسے "ان الله علي كل شئ قدير" بے شک، اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور متشابہ وہ کہ جس کے معنی الجھے ہوئے ہوں۔ جیسے "الرحمن علي العرش استوی" جس کے ظاہر مفہوم سے یہ توہم بھی ہوتا ہے کہ وہ جسمانی طور سے عرش پر برقرار ہے لیکن مقصود غلبہ و تسلط ہے۔ اس میں بعض احکام مجمل ہیں۔ جیسے "اقیمو الصلوٰۃ" نماز قائم کرو۔ اس میں گہرے مطالب بھی ہیں۔ جیسے وہ آیت کہ جن کے متعلق قدرت کا ارشاد ہے کہ "لا يعلم تاويله الا الله و الراسخون في العلم" ان کی تاویل کو اللہ اور رسول اور علم کی گہرائیوں میں اترے ہوئے لوگوں کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں جانتا۔ پھر ایک دوسرے عنوان سے تفصیل بیان فرماتے ہیں کہ اس میں کچھ چیزیں وہ ہیں جن کا جاننا ضروری ہے۔ جیسے "فاعلم انه لا اله الا الله" اس بات کو جان لو کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ اور کچھ چیزیں وہ ہیں جن کا جاننا ضروری نہیں ہے۔ جیسے الم وغیرہ اور اس میں کچھ احکام ایسے ہیں جو سنت پیغمبر سے منسوخ ہوگئے ہیں۔ جیسے: "و اللاتي ياتين الفاحشة من نساء كم فاستشهدوا عليهن اربعة منكم فان شهدوا فامسكوهن في البيوت حتى يتوفاهن الموت" تمہاری عورتوں میں سے جو بدچلنی کی مرتکب ہوں، ان کی بدکاری پر اپنے آدمیوں میں سے چار کی گواہی لو۔ اور اگر وہ گواہی دیں، تو ایسی عورتوں کو گھروں میں بند کردو، یہاں تک کہ موت ان کی زندگی ختم کردے۔ یہ سزا اوائل اسلام میں تھی۔ لیکن بعد میں شوہردار عورتوں کے لئے اس حکم کو حکم رجم سے منسوخ کردیا گیا۔ اس میں کچھ احکام ایسے ہیں جن سے سنت پیغمبر منسوخ ہوگئی۔ جیسے "فول وجهك شطر المسجد الحرام" چاہئے کہ تم اپنا رخ مسجد حرام کی طرف موڑ لو۔ اس سے بیت المقدس کی طرف رخ کرنے کا حکم منسوخ کردیا گیا۔ اس میں ایسے احکام بھی ہیں جو صرف مقررہ وقت پر واجب ہوتے ہیں اور اس کے بعد ان کا وجوب باقی نہیں رہتا ہے۔ جیسے: "اذا نودي للصّلوٰة من يوم الجمعة فاسعوا الى ذكر الله" جب جمعہ کے دن نماز کے لئے پکارا جائے، تو ذکر الٰہی کی طرف جلدی سے بڑھو۔ اس میں حرام کردہ چیزوں کی تفریق بھی قائم کی گئی ہے۔ جیسے گناہوں کا صغیرہ و کبیرہ ہونا۔ صغیرہ جیسے "قل للمؤمنين يغضوا من ابصارهم" ایمان والوں

سے کہو کہ وہ اپنی آنکھیں نیچی رکھیں۔ اور کبیرہ جیسے "و من یقتل مؤمنا متعمدا فجزاؤہ جھنم خالداً فیھا" جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر مار ڈالے اس کی سزا دوزخ ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اس میں ان اعمال کا بھی ذکر ہے جنہیں تھوڑا سا بجالانا بھی کفایت کرتا ہے اور زیادہ سے زیادہ بجالانے کی بھی گنجائش ہے۔ جیسے "فاقرؤا ما تیسر من القرآن" جتنا آسانی قرآن پڑھ سکو اتنا پڑھ لیا کرو۔

کتاب نہج البلاغہ کا ایک تاریخی جائزہ

حجۃ الاسلام سید العلماء مولانا سید علی نقی صاحب قبلہ نور اللہ مرقدہ

مولائے متقیان کے مکتوبات اور ارشادات عالیہ پر مشتمل کتاب نہج البلاغہ کو عربی زبان و ادب کے عظیم شاہکار کا درجہ حاصل ہے جس کو سید رضی نے کتابی شکل میں پیش کیا تھا جس کی اشاعت کے تقریباً دو صدی بعد بعض لوگوں نے اپنے اعتراضات ظاہر کئے اور شیخ محمد عبدہ جیسے مصری دانشور نے ان اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ عربی زبان میں نہج البلاغہ کو قرآن کے بعد دوسری عظیم الشان کتاب کا درجہ حاصل ہے سید العلماء نے اس کتاب کا دقیق وحکیمانہ جائزہ نہایت سادہ مگر عالمانہ انداز بیان کے ساتھ تحریر کیا ہے جو درج ذیل ہے۔ (ادارہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ ربّ العلمین والصلوٰۃ والسّلام علیٰ سیّدالانبیاء والمرسلین وآلہ الطیّبین الطاھرین۔

نہج البلاغہ امیرالمؤمنین علی ابن علی طالب علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے کلام کا وہ مشہور ترین مجموعہ ہے جسے جناب سیّد رضی اللہ برادر شریف مرتضیٰ علم الہدیٰ نے چوتھی صدی ہجری کے اواخر میں مرتّب فرمایا تھا۔ اس کے بعد پانچویں صدی کے پہلے عشرہ میں آپ کا انتقال ہوگیا ہے۔ نہج البلاغہ کے انداز تحریر سے پتہ یہ چلتا ہے کہ انہوں نے طویل جستجو کے ساتھ درمیان میں خالی اوراق چھوڑ کر امیرالمومنین کے کلام کو متفرق مقامات سے یکجا کیا تھا، جس میں ایک طویل مدّت انہیں صرف ہوئی ہوگی اور اس میں اضافہ کا سلسلہ ان کے آخر عمر تک قائم رہا ہوگا، یہاں تک کہ بعض کلام جو کتاب کے یکجا ہونے کے بعد ملا ہے اور وہاں پر لکھ دیا ہے کہ یہ کلام کسی اور روایت کے مطابق اس کے پہلے کہیں پر درج ہوا ہے۔ یہ انداز جمع وتالیف خود ایک غیر جانبدار شخص کے لیے یہ پتہ دینے کے واسطے کافی ہے کہ اس میں خود سیّد رضی کے ملکۂ انشاء اور قوتِ تحریر کا کوئی دخل نہیں ہے، بلکہ انہوں نے صرف مختلف مقامات سے جمع آوری کر کے امیرالمومنین کے کلام کو یکجا کر دینے پر اکتفا کی ہے یہ

پاشانی اور پریشانی جس نے بحیثیت تالیف کے کتاب کا ایک نقص سمجھنا چاہیے، مقامِ اعتبار میں اس پر اعتماد پیدا کرنے والا ایک جوہر ہوگیا ہے۔ انہوں نے مختلف نسخوں اور مختلف راویوں کی یادداشت کے مطابق نقلِ الفاظ میں اتنی احتیاط کی ہے کہ بعض وقت دیکھنے والے کے ذوق پر بار ہوجاتا ہے کہ اس عبارت کے نقل کرنے سے فائدہ ہی کیا ہوا جب کہ ابھی ابھی ہم ایسی ہی عبارت پڑھ چکے ہیں جیسے ذمِ اہلِ بصرہ میں اس شہر کے تذکرے میں اس کی مسجد کا نقشہ کھینچنے میں مختلف عبارات کبھی نعامة جاثمة اور کبھی کجوء جوء طير في لجة بحر اور اس سے ملتے جلتے ہوئے اور الفاظ، یہ اسی طرح کا اہتمام صحتِ نقل میں ہے موجودہ زمانہ میں اکثر کتابوں کی عکسی تصویر شائع کی جاتی ہے اور جس میں غلط کتابت تک کی اصلاح نہیں کی جاتی اور صرف حاشیہ پر لکھ دیا جاتا ہے کہ بظاہر یہ لفظ غلط ہے۔ صحیح اس طرح ہونا چاہیے۔ دیکھنے والے کا دل تو ایسے مقام پر یہ چاہتا ہے کہ اصل عبارت ہی میں غلط کو کاٹ کر صحیح لفظ لکھ دیا گیا ہوتا، مگر صحتِ نقل کے اظہار کے لیے یہ صورت اختیار کی جایا کرتی ہے، جیسے قرآن مجید میں بعض جگہ تالیفِ عثمانی کے کاتب نے جو کتابت کی غلطیاں کردی تھیں جیسے لاذبحنه میں لا کے بعد ایک الف جو یقیناً غلط ہے، اس لیے یہ لائے نافیہ نہیں، جس کے بعد اذبحنه فعل آئے، بلکہ لام تاکید ہے، جس سے اذبحنه فعل متصل ہے مگر اس قسم کے اغلاط کو بھی دُور کرنا بعد کے مسلمانوں نے صحتِ نقل کے خلاف سمجھا۔ اسی طرح املائے قرآن گویا ایک تعبدی شکل سے معیّن ہوگیا۔ بعض جگہ رحمة کی ت لمبی لکھی جاتی ہے، بعض جگہ جنّت بغیر الف کے لکھا جاتا ہے۔ بعض جگہ یدعوا ایسے فعل واحد میں بھی الف لکھا ہوا ہے کہ جو جمع کے بعد غیر ملفوظی ہونے کے باجود لکھا جایا کرتا ہے۔ ان سب خصوصیات کی پابندی ضروری سمجھی جاتی ہے، جس سے مقصود وثاقتِ نقل میں قوت پیدا کرنا ہے۔ اسی طرح علامہ سیّدرضی نے جس شکل میں جو فقرہ دیکھا اس کو درج کرنا ضروری سمجھا تا کہ کسی قسم کا تصرّف کلام میں ہونے نہ پائے۔ یہ ایک وراثتی پہلو ہے جو اس تصور کو بالکل ختم کر دیتا ہے کہ یہ کتاب سیّدرضی رحمہ اللہ کی تصنیف کی حیثیت رکھتی ہو۔

دوسرا پہلو خطبوں کے درمیان کے ومنہا...... ومنہ ہیں، جس میں عموماً بعد کا حصہ قبل سے بالکل غیر مرتبط ہوتا ہے بلکہ ایسا بھی ہوا ہے کہ قبل کا حصہ قبل بعثت سے متعلق ہے یا اوائل بعثت سے اور بعد کا حصہ بعد وفاتِ رسُول سے متعلق ہے۔ یہ بھی دیکھنے والے کے ذوق پر بار ہوجایا کرتا ہے۔ مگر اس سے بھی اس مقصد کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔ اگر سیّدرضی کا کلام ہوتا تو فطری طور پر اس میں تسلسل

ہوتا یا اگر انہیں دو موضوعوں پر لکھنا ہوتا تو اسے وہ دو خطبوں میں مستقل طور پر تحریر کرتے، لیکن وہ کیا کرتے جب کہ انہیں کلام امیرالمؤمنین ہی کا انتخاب پیش کرنا تھا۔ اس لیے جہاں خطبہ کا پہلا جز اور آخر کا جز دو مختلف موضوعوں سے متعلق ہے اور درمیان کا حصہ کسی وجہ سے وہ درج نہیں کر رہے ہیں تو نہ وہ اس کو کلام واحد بنا سکتے ہیں نہ مستقل دو خطبے بلکہ انہیں ایک ہی کلام میں دمنہا کے فاصلے قائم کرنا پڑتے ہیں۔ میرا خیال یہ ہے کہ یہ شکل بعض جگہ تو انتخاب کی وجہ سے ہوئی ہے اور بعض جگہ یہ بھی وجہ ہو سکتی ہے کہ سابق میں قلمی کتابوں کے سوا کوئی دوسری شکل مواد کے فراہم ہونے کی نہ ہوتی تھی اور قلمی کتابوں کے اکثر نسخے منحصر بفرد ہوتے تھے۔ اب اگر ان میں درمیان کا حصہ کرم خوردہ ہو گیا ہے یا اوراق ضائع ہو گئے ہیں یا رطوبت سے روشنائی پھیل جانے کی وجہ سے وہ ناقابلِ قراءت ہے تو علامہ سید رضی اس موقع پر درمیان کا حصہ نقل کرنے سے قاصر رہے ہیں اور حرص جمع و حفاظت میں انہوں نے اس کے قبل یا بعد وسط کے وہ سطور تلاش کیے ہیں جو کسی مستقل مفاد کے حامل ہیں اور اس طرح درمیان کے حصوں میں انہوں نے دمنہا کہہ کر اس کے درج کرنے سے عاجزی ظاہر کی ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ اس وقت علم کا ایک بڑا ذخیرہ حفاظ و اوباء و محدثین کے سینوں میں ہوتا تھا۔ فرض کیجئے کسی اپنے اُستاد اور شیخ حدیث سے علامہ سید رضی نے کسی موقعہ کی مناسبت سے خطبہ کا ابتدائی حصہ سُن لیا اور انہوں نے اسے فوراً قلم بند کر لیا، پھر دُوسرے موقعہ پر انہوں نے ان کی زبان سے اسی خطبہ کے کچھ دُوسرے فقرات سُنے اور انہیں محفوظ کر لیا اور اتنا موقعہ نہ مل سکا کہ درمیانی اجزا اُن سے دریافت کر کے لکھتے۔ اس طرح انہوں نے اس کی خانہ پُری دمنہا کے ذریعہ سے کی۔ یہ بھی اس کی دلیل قوی ہے کہ انہوں نے اصل کلام امیرالمؤمنین کے ضبط و حفظ ہی کی کوشش کی ہے۔ قطعاً کوئی تصرف خود نہیں کرنا چاہا۔

تیسرا شاہد اس کا خود جناب رضی کے وہ مختصر تبصرے ہیں جو کہیں کہیں کچھ خطبوں کے بعد انہوں نے اس کلام کے متعلق اپنے احساسات و تاثرات کے اظہار پر مشتمل درج کر دیئے ہیں یا بعض جگہ کچھ الفاظ کی تشریح ضروری سمجھی ہے، ان تبصروں کی عبارت نے ان خطبوں سے متصل ہو کر ہر صاحب ذوق عربی داں کے لیے یہ اندازہ قطعی طور پر آسان کر دیا ہے کہ ان تبصروں کا انشاپرداز وہ ہرگز نہیں ہو سکتا، جو ان خطبوں کا انشاپرداز ہے۔ جس طرح خود علامہ رضی نے اپنی مایہ ناز تفسیر حقائق التنزیل میں اعجاز قرآن کے ثبوت میں پیش کیا ہے کہ باوجودیکہ امیرالمؤمنین کا کلام جو فصاحت و بلاغت میں فوق

البشر ہے۔ مگر جب خود حضرت کے کلام میں کوئی قرآن کی آیت آجاتی ہے تو وہ اس طرح چمکتی ہے جس طرح سنگریزوں میں گوہر شاہوار بالکل اسی شکل سے اگرچہ علامہ سیدرضی اپنے دور کے افصح زمانہ تھے اور عربی ادب میں معراجِ کمال پر فائز تھے مگر نہج البلاغہ میں امیرالمؤمنین کے کلام کے بعد جب ان کی عبارت آجاتی ہے تو ہر دیکھنے والا محسوس کرتا ہے کہ اس کی نگاہ بلندیوں سے گر کر نشیب میں پہنچ چکی ہے، حالانکہ ان عبارتوں میں علامہ سیدرضی نے ادبیت صرف کی ہے اور اپنی حد بھر اپنی قابلیت دکھائی ہے۔ مگر سابق کلام کی بلندی کو ہر مطالعہ کرنے والے کے لیے ایک امرِ محسوس کی حیثیت سے ظاہر کردیا۔ یہ بھی ایک بہت بڑا داخلی شاہد ہے۔ اس تصور کے غلط ہونے کا وہ علامہ سیدرضی کا کلام ہو۔

چوتھا امر یہ ہے کہ جناب سیدرضی اپنے دور کے کوئی گمنام شخص نہ تھے۔ وہ دینی و دنیوی دونوں قسم کے ذمہ دار منصبوں پر فائز تھے۔ یہ دور بھی وہ تھا جو مذہب وملت کے علماء وفضلاء سے بھرا ہوا تھا۔ بغداد سلطنت عباسیہ کا دارالسلطنت ہونے کی وجہ سے مرکزِ علم وادب بھی تھا۔ خود سید رضی کے استاد شیخ مفید بھی نہج البلاغہ کے جمع وتالیف کے دور میں موجود تھے۔ اس لیے کہ جناب شیخ مفید علامہ سیدرضی کی وفات کے بعد تک موجود رہے ہیں اور شاگرد کا انتقال استاد کی زندگی ہی میں ہوگیا تھا، اور معاصرین کو تو ایک شخص کے متعلق الزامات کی تلاش رہتی ہے۔ پھر شریف رضی سے تو خود حکومتِ وقت کو بھی مخاصمت پیدا ہو چکی تھی۔ اس محضر پر دستخط نہ کرنے کی وجہ سے جو فاطمیین مصر کے خلاف حکومت نے مرتب کیا تھا اور جس پر علامہ رضی کے بڑے بھائی اور ان کے والد بزرگوار تک نے حکومت کے تشدد کی بنا پر دستخط کردیئے تھے۔ مگر علامہ سیدرضی نے عواقب ونتائج سے بے نیاز ہوکر اس پر دستخط سے انکار کردیا تھا علاوہ اس کے کہ اس کردار کا شخص جو صداقت کو ایسے قوی ترین محرکات کے خلاف محفوظ رکھے اس طرح کی چھچھوری بات کر ہی نہیں سکتا کہ وہ ایک پوری کتاب خود لکھ کر امیرالمؤمنین کی جانب منسوب کردے جس کا غلط ہونا علماءِ عصر سے مخفی نہیں رہ سکتا تھا اور اگر بالفرض وہ ایسا کرتے بھی تو ان کے دور میں ان کے خلاف علماءِ وقت اور ارکانِ حکومت کی طرف سے اس الزام کو شدت سے اچھالا جاتا اور سخت نکتہ چینی کی جاتی۔ حالانکہ ہمارے سامنے خود ان کے عصر کے علماء کی کتابیں اور ان کے بعد کے کئی صدی تک کے مصنفین کی تحریریں موجود ہیں۔ ان میں سے کسی میں کمزور طریقہ پر بھی ان کے حالاتِ زندگی میں اس قسم کے الزام کا عائد کیا جانا یا اس بارے میں ان پر کسی قسم کی نکتہ چینی کا ہونا موجود نہیں ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ صرف بر بنائے جذبات نہج البلاغہ کے بعض مندرجات

کو اپنے معتقدات کے خلاف پا کر کچھ متعصب افراد کی بعد کی کارستانی ہے جو انہوں نے نہج البلاغہ کو کلام سید رضی قرار دینے کی کوشش کی ہے ورنہ خود جناب سید رضی اعلی اللہ مقامہ کے دور میں اس کے مندرجات کا کلام امیر المومنین ہونا بلا تفریق فرقہ و مذہب ایک مسلم چیز تھی اور اسی لیے ان پر اس بارے میں کوئی الزام عائد نہیں کیا جا سکا۔

پانچواں امر یہ ہے کہ سید رضی اعلی اللہ مقامہ کے قبل ایسا نہیں ہے کہ امیر المومنین کے خطبوں کا کوئی نام و نشان عالم اسلامی میں نہ پایا جاتا ہو، بلکہ کتب تاریخ و ادب کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ایک مسلم الثبوت ذخیرہ بحیثیت خطیب امیر المومنین علیہ السلام کے سید رضی رحمہ اللہ کے قبل سے موجود تھا۔ چنانچہ مورخ مسعودی نے جو علامہ سید رضی سے مقدم طبقہ میں ہیں بلکہ ان کی ولادت کے قبل وفات پا چکے تھے۔ اس لیے کہ علامہ سید رضی کا دور شباب ہی میں ۴۰۶ھ میں انتقال ہوا ہے اور مسعودی کی وفات ۳۴۰ھ میں ہو چکی تھی، جس وقت سید رضی کے استاد شیخ مفید ہی نہیں بلکہ ان کے بھی استاد شیخ صدوق محمد بن علی ابن بابویہ قمی بھی زندہ تھے۔ مسعودی نے اپنی تاریخ مروج الذہب میں لکھا ہے کہ:

والذی حفظ النّاس عنه من خطبه فی سآئر مقاماته اربعمائة و نیف و ثمانون خطبة یوردها علی البدیهة تد اول الناس ذالک عنه قولا و عملا[1] لوگوں نے آپ (حضرت علی ابن ابی طالبؑ) کے خطبے مختلف موقعوں کے محفوظ کر لیے ہیں، وہ چار سو اسی سے کچھ زیادہ تعداد میں ہیں۔ جنہیں آپ نے فی البدیہہ ارشاد فرمایا تھا، جنہیں لوگوں نے نقل قول کے طور پر بھی بتواتر نقل کیا ہے اور اپنے خطب و مضامین میں ان کے اقتباسات وغیرہ سے بکثرت کام بھی لیتے رہے ہیں۔

ظاہر ہے کہ چار سو اسی سے کچھ اوپر خطبے اگر تمام و کمال یکجا کیے جائیں تو بلا شبہ نہج البلاغہ سے بڑی کتاب مرتب ہو سکتی ہے۔ جب یہ اتنا بڑا ذخیرہ سید رضی کی ولادت سے پہلے سے موجود تھا تو پھر علامہ سید رضی کو اس کی ضرورت ہی کیا تھی کہ اس ذخیرہ سے کام نہ لیں اور اپنی طرف سے نہج البلاغہ ایسی کتاب تحریر کر دیں۔ ایسا اس شخص کے لیے کیا جاتا ہے جو گمنام ہو اور جس کا کوئی کارنامہ موجود نہ ہو اور اس کے اخلاف یا متوسلین خواہ مخواہ اس کو نمایاں بنانے کے لیے اس کی جانب سے کوئی کارنامہ

---

[1] مروج الذھب، جلد ۲، ص: ۳۳، طبع مصر

تصنیف کر دیں۔ صرف علامہ مسعودی کا یہ قول ہی اس ذخیرہ کے ثبوت کے لیے کافی تھا، جبکہ اس سے یہ بھی ثابت ہے کہ وہ ذخیرہ آثار قدیمہ کے طور پر کسی دُور دراز عجائب خانہ یا کسی ایک عالم کے متروکات میں شامل نہیں تھا، جس تک رسائی کسی زحمت کی طلبگار ہوتی ہو، بلکہ حفظ الناس اور تداول الناس کے الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ وہ عموماً اہل علم کے ہاتھوں میں موجود اور متداول تھا۔ اس کے علاوہ دَورِ عباسیہ کے یگانۂ روزگار کاتب عبدالحمید بن یحییٰ متوفی ۱۳۲ھ کا یہ مقولہ علامہ ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں درج کیا ہے کہ:

حفظت سبعین خطبة من الاصلع خطب فقاضت ثم فاضت

میں نے ستر خطبے علی ابن طالب علیہ السّلام کے ازبر کئے ہیں، جن کے فیوض و برکات میرے یہاں نمایاں ہیں۔

اس کے بعد ابن المقفع متوفی ۱۴۲ھ کا اعتراف ہے جسے علامہ حسن الذوبی نے اپنے ان حواشی میں، جو کتاب البیان والتبیین للجاحظ پر لکھے ہیں، وہ ابن مقفع کے بارے میں لکھتے ہیں۔

الظاهر انه تخرج فی البلاغة علی خطب الامام علی ولذلك كان يقول شربت من الخطب من رياولم اضبط لها رويافقاضت ثم فاضت

غالباً ابن المقفع نے بلاغت میں امیرالمومنین علی ابن علی طالب کے خطبوں سے استفادہ کیا تھا اور اسی بنا پر وہ کہتے تھے کہ میں نے خطبوں کے چشمہ سے سیراب ہو کر پیا ہے اور اسے کسی ایک طریقہ میں محدود نہیں رکھا ہے تو اس چشمہ کے برکات بڑھے اور ہمیشہ بڑھتے رہے اس کے بعد ابن نباۃ متوفی ۳۷۴ھ یہ بھی سیّد رضی سے مقدم ہیں اور ان کا یہ قول ہے:

حفظت من الخطابة كنزالايزيده الانفاق الاسعة وكثرة حفظت مأته فصل من مواعظ علی ابن ابی طالب.

میں نے خطابت کا ایک خزانہ محفوظ کیا ہے، جس سے جتنا زیادہ کام لیا جائے، پھر بھی اس میں برکت زیادہ ہی ہوتی رہے گی، میں نے سو فصلیں علی ابن طالب کے مواعظ میں سے یاد کی ہیں۔

ابن نباتہ کے اس قول کا بھی ابن ابی الحدید نے تذکرہ کیا ہے۔

رجاکشی میں ابوالصباح کنانی کے حالات میں لکھا ہے کہ زید ابن علی ابن الحسین کو جو زید شہید کے نام سے مشہور ہیں اور جن کی شہادت امام جعفر صادق علیہ السّلام کے زمانۂ امامت میں ہوئی وہ

برابر امیرالمومنین کے خطبوں کو سنا کرتے تھے۔

ابوالصباح کہتے ہیں کان یسمع منی خطب امیرالمومنین علیہ السّلام۔ یہ دوسری صدی ہجری کا ذکر ہے۔ اور اس سے بھی صاف ظاہر ہے کہ ایک ذخیرہ خطبوں کا اس وقت بھی موجود تھا۔ جو مسلّم طور پر حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السّلام کی طرف نسبت رکھتا تھا۔

ان تمام مقامات پر بطور ارسال مسلمات خطب علی کہنا بتاتا ہے کہ اس زمانے میں اس بارے میں کوئی شک وشبہ بھی محسوس نہیں کیا جاتا تھا۔ ورنہ جیسا کئی صدی بعد جب کچھ اغراض کی بنا پر مصنفین نے اس حقیقت کو مشکوک بنانا ضروری سمجھا تو المنسوبة الی علی کہنے لگے۔ دور اوّل میں اس قسم کے شک وشبہ کے اظہار کرنے والی کوئی لفظ پائی نہیں جاتی۔

رجال کبیر سے معلوم ہوتا ہے کہ زید ابن وہب جہنی متوفّی حدود ۹۰ھ نے جو خود حضرت امیرالمومنین کے رواۃ احادیث میں سے ہیں۔ آپ کے خطبوں کو جمع کیا تھا اور اس کے بعد اور متعدد افراد ہیں، جنہوں نے سیّد رضی کے پہلے حضرت کے خطب اقوال سے جمع کیا ہے۔

۱- ہشام ابن محمد ابن سائب کلبی ۱۴۶ھ، ان کے جمع وتالیف کا ذکر فہرست ابن ندیم جزو ۷ صفحہ ۲۵۱ میں موجود ہے۔

۲- ابراہیم ابن ظہیر قرازی، ان کا ذکر فہرستِ طوسی میں یوں ہے: صنّف کتباً منها کتاب الملاحم وکتاب خطب علی علیه السّلام

متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ منجملہ ان کے کتاب الملاحم اور کتاب خطب علی علیہ السّلام ہے۔

اور رجال نجاشی میں بھی ان کا تذکرہ ہے۔

۳- ابومحمد مسعدا ابن صدقہ عبدی۔ ان کے متعلق رجال نجاشی میں ہے: له کتب منها کتاب خطب امیرالمومنین علیه السّلام

ان کی متعدد تصانیف ہیں، جن میں سے ایک کتاب خطب علی علیہ السّلام ہے۔

۴- ابوالقاسم عبدالعظیم ابن عبداللہ حسنی، جن کا مزار طہران سے تھوڑے فاصلہ پر شاہ عبدالعظیم کے نام سے مشہور ہے۔ یہ امام علی نقی علیہ السّلام کے اصحاب میں سے تھے۔ ان کے جمع کردہ خطبوں کا ذکر رجال نجاشی میں اس طرح ہے: له کتب امیرالمومنین علیه السّلام۔

ان کی ایک کتاب خطب علی علیہ السّلام ہے۔

۵- ابوالخیر صالح ابن ابی حمادرازی۔ یہ بھی امام علی نقی علیہ السّلام کے اصحاب میں سے ہیں۔ نجاشی میں ہے: له کتب منها کتاب خطب امیرالمومنین علیه السّلام

منجملہ آپ کی تالیفات کے کتاب خطب علی علیہ السّلام ہے۔

۶- علی ابن محمد ابن عبداللہ مدائنی متوفّی ۲۳۵ھ۔ انہوں نے حضرت کے خطبوں کو اور ان مکاتیب کو جمع کیا، جو حضرت نے اپنے عمّال کو تحریر فرمائے تھے۔ اس کا ذکر معجم الادباء یاقوت حموی جزو ۵ صفحہ ۳۱۳ میں ہے۔

۷- ابومحمد عبدالعزیز جلودی بصری متوفّی ۳۳۰ھ کی تصانیف میں کتاب خطب علی، کتاب رسائل، کتاب مواعظ علی، کتاب خطب علی علیہ السّلام فی الملاحم، کتاب دعاء علی موجود ہیں، جن کا تذکرہ شیخ طوسی نے فہرست میں اور نجاشی نے ان کی طویل تصنیفات کے ذیل میں اپنے رجال میں کیا ہے۔

۸- ابومحمد حسن ابن علی ابن شعبہ حلبی، متوفّی ۳۲۰ھ نے اپنی مشہور کتاب تحف العقول، ص ۱۳، طبع ایران میں امیرالمؤمنین کے کچھ کلمات امثال و خطب کو درج کرنے کے بعد لکھا ہے:

الذالوا استغرقنا جمیع ماوصل الینا من خطبه وکلامه فی التوحید خاصة دون ماسواه من المعانی لکان مثل جمیع هذا الکتاب

اگر ہم وہ سب لکھنا چاہیں، جو ہم تک حضرت کے خطبے اور آپ کا کلام صرف توحید کے بارے میں پہنچا ہے علاوہ دوسرے موضوعات کے تو وہ پوری اس کتاب تحف العقول کے برابر ہوگا۔

اب مذکورہ بالا تفصیل پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ پہلی صدی میں زید ابن وہب جہنی نے حضرت کے خطبوں کا ایک مجموعہ تیار کیا تھا۔ دوسری صدی میں عبدالحمید ابن یحیٰ کاتب اور ابن مقفع کے دور میں وہ ذخیرہ مسلّم طور پر موجود تھا اور اس صدی کے وسطی دور میں وہ خطبے پڑھے اور سنے جاتے تھے، جیسا کہ زید شہید کے واقعہ سے ظاہر ہوا اور ادباء اس کو زبانی حفظ کرتے تھے، جیسا کہ عبدالحمید اور ابن مقفع کی تصریحات سے ظاہر ہوا۔

اور تیسری صدی میں متعدد مصنفین نے جو جو خطبے ان تک پہنچے تھے، ان کو مدوّن کیا۔ ایسی صورت میں جناب سیّد رضی کو اس کی ضرورت ہی کیا تھی کہ وہ ان تمام ذخیروں کو نظر انداز کر کے یہ دماغی داد و کاہش گوارا کریں کہ وہ از خود کلام امیرالمومنین کے نام سے کوئی چیز تصنیف کریں۔

چھٹا امر یہ ہے کہ ان تمام ذخیروں کے سابق سے موجود ہونے کے بعد ظاہر ہے کہ علامہ سیّد رضی

کے لیے یہ تو قطعی ممکن نہیں تھا کہ وہ ان تمام ذخائر کو تلف کرادیتے اور پھر اسی کی ترویج کرتے جو انہوں نے کلام امیرالمومنین قرار دیا تھا۔ یہ قطعی ناممکن تھا اگر وہ ذخیرہ کسی ایک مصنف کے پاس کسی ایک دوردوراز جگہ ہوتا، تو یہ امکان بھی تھا، جیسا کہ مشہور ہے کہ شیخ ابوعلی سینا نے فارابی کے تمام مصنفات کو کسی شخص سے حاصل کر کے انہیں تلف کردیا اور ان چیزوں کو اپنی طرف منسوب کرلیا۔ یہاں یہ صورت قطعاً ناممکن تھی جب کہ وہ کلام ادباء کے سینوں میں محفوظ تھا۔ اطراف واقطار عالم اسلامی میں منتشر تھا اور بہت سے مصنفین اس کی تدوین کر چکے تھے۔ پھر جب کہ سیّد رضی کی تصنیف کے ساتھ ان ذخائر کا موجود ہونا لازمی تھا تو اگر سیّد رضی کا جمع کردہ کلام اس ذخیرہ کو دیکھتے ہوئے، پڑھے ہوئے یا یاد کیے ہوئے تھے، صدائے احتجاج بلند کردیتے، ان میں تلاطم ہوجاتا اور سیّد رضی تمام دنیا میں اس کی وجہ سے بدنام ہوجاتے۔ کم ازکم کوئی ان کے ہم عصر ادباء میں سے اس کی تنقید ہی کرتا ہوا ایک کتاب ہی اس موضوع پر لکھ دیتا کہ امیرالمومنین کا جو کلام اب تک محفوظ رہا یہ سیّد رضی کے جمع کیے ہوئے ذخیرہ سے مختلف ہے۔ خصوصاً جب وہ وجہ جو بعد میں ایک طبقہ کو اس بات میں انکار یا تشکیک کی موجب ہوئی، جس کی تفصیل کسی حد تک آئندہ درج ہوگی۔ وہ ایک مذہبی بنیاد تھی۔ یعنی یہ کہ نہج البلاغہ میں ان افراد کے بارے میں جنہیں سوادِ اعظم قابلِ احترام سمجھتا ہے کچھ تعریضات یا انتقادی کلمات ہیں۔

ظاہر ہے کہ نہج البلاغہ سلطنتِ عباسیہ کے دارالسلطنت میں لکھی گئی جو اہلِ سنّت کا علمی مرکز تھا۔ اس وقت بڑے بڑے علماء، حفاظ، ادباء خطباء، اہلِ سیر اور محدثین اہلِ سنّت میں موجود تھے اور ان کا جمِ غفیر خاص بغداد میں موجود تھا۔ اگر امیرالمومنین کے وہ خطبات جو ابن المقفع، ابن نباتہ، عبدالحمید ابن یحییٰ، جاحظ اور دیگر مسلّم الثبوت ادباء کے دور میں موجود تھے، ان تعریضات سے خالی تھے اور اس قسم کے مضامین ان میں نہ تھے، بلکہ فطری طور پر اس صورت میں اس کے خلاف چیزوں پر انہیں مشتمل ہونا چاہیے تھا، تو اس وقت کے اہلِ سنّت کے علماء اس پر قیامت برپا کردیتے اور اس کو اپنے مذہب کے خلاف ایک عظیم حملہ تصور کر کے پورے طور سے اس کا مقابلہ کرتے اور اس کی دھجیاں اڑا دیتے۔ مگر ایسا کچھ نہیں ہوا، کوئی دھیمی سی آواز بھی اس کے خلاف بلند نہیں ہوئی۔ یہ اس کا قطعی ثبوت ہے کہ سیّد رضی کے جمع کردہ مجموعہ میں کوئی نئی چیز نہ تھی بلکہ وہ وہی تھا جو اس کے پہلے مضبوط ومدوّن، متداول ومحفوظ رہا تھا، علماء قطعاً اس سے اجنبیت نہ رکھتے تھے بلکہ اس سے مانوس اور اس کے سننے کے اور یاد کرنے کے عادی تھے وہ اس ادبی ذخیرہ کو اس کی ادبی افادیت کے اعتبار سے سرآنکھوں پر رکھتے تھے اور اس

تنگ نظری میں مبتلا نہ تھے کہ چونکہ اس میں کچھ چیزیں ہمارے مذہب کے خلاف ہیں، اس لیے اس کا انکار کیا جائے یا اس سے اجنبیت برتی جائے۔

ساتواں امر یہ ہے کہ بہت سی کتابیں علامہ سیدرضی کے قبل کی اس وقت بھی ایسی موجود ہیں، جن میں امیرالمومنین کے اکثر مواقع کے کلام یا خطبات کو کسی مناسبت سے ذکر کیا ہے، جیسے جاحظ متوفی ۲۵۵ھ کی البیان والتبیین، ابن قتیبہ دینوری متوفی ۲۷۶ھ کی عیون الاخبار وغریب الحدیث، ابن واضح یعقوبی متوفی ۲۷۸ھ کی مشہور تاریخ، ابوحنیفہ دینوری متوفی ۲۰۸ھ کی اخبار الطوال، ابو العباس المبرد متوفی ۲۸۶ھ کی کتاب المبرد مشہور مورخ ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ کی تاریخ کبیر، ابن درید متوفی ۳۲۱ھ کی کتاب المجتنی، ابن عبدربہ متوفی ۳۲۸ھ کی عقد الفرید، ثقۃ الاسلام کلینی متوفی ۳۲۹ھ کی مشہور کتاب کافی، مسعودی متوفی ۳۴۶ھ کی تاریخ مروج الذہب، ابوالفرج اصفہانی متوفی ۳۵۶ھ کی کتاب اغانی، ابوعلی قالی متوفی ۳۵۶ھ کی کتاب النوادر، شیخ صدوق متوفی ۳۸۱ھ کی کتاب التوحید اور ان کے دوسرے جوامع حدیث، شیخ مفید رحمہ اللہ، متوفی ۴۱۳ھ اگر چہ تاریخ وفات کے اعتبار سے جناب رضی سے موخر ہیں مگر ان کے استاد ہونے کی وجہ سے طبقۃً مقدم ہیں، ان کی کتاب الارشاد اور کتاب الجمل۔ ان تمام کتابوں میں جو حضرت کے خطبے درج ہیں، ان کا جب مقابلہ علامہ سیدرضی کے مندرجہ خطب اور اجزاء کلام سے کیا جاتا ہے تو اکثر تو وہ بالکل متحد ہوتے ہیں اور نہج البلاغہ میں ایسا درج شدہ کلام اگر کوئی ہے جو ان کتابوں میں درج نہیں ہے۔ یا ان کتابوں میں کوئی کلام ایسا ہے جو نہج البلاغہ میں مذکور نہیں ہے۔ تو اسلوب بیان اور اندازِ کلام، تسلسل وبلند آہنگی، جوش وحقائق نگاری کے لحاظ سے یقیناً متحد ہوتا ہے۔ جس میں کسی واقف عربیت کو شک نہیں ہوسکتا۔ امیرالمومنین کے اس کلام کا جو نہج البلاغہ میں درج ہے اس تمام کلام سے جو حضرت کی طرف نسبت دے کر اور دوسری کتابوں میں درج ہے۔ متحد الاسلوب ہونا پھر اس پہلو کے ضمیمہ کے ساتھ جس کا پہلے تذکرہ ہو چکا ہے کہ وہ خود سیّد رضی کے اس کلام سے جو نہج البلاغہ میں بطور مقدمہ یا بطور تبصرہ موجود ہے۔ بالکل مختلف ہونا ایک غیر جانب دار شخص کے لیے اس کا کافی ثبوت ہے کہ یہ واقعی امیرالمومنین ہی کا کلام ہے۔ جسے علامہ سیّد رضی نے صرف جمع کیا ہے۔

آٹھواں امر یہ ہے کہ خود علامہ سیّد رضی کے معاصرین یا ان سے قریب العہد متعدد لوگوں نے بطور خود بھی کلام امیرالمومنین کے جمع کرنے کی کوشش کی ہے اور بعض نے اپنی کتابوں کے ضمن میں

درج کیا ہے۔ جیسے ابن مسکویہ متوفی ۴۲۱ھ نے تجارب الامم میں، حافظ ابونعیم اصفہانی متوفی ۴۳۰ھ نے حلیۃ الاولیاء میں، شیخ الطائفہ ابوجعفر طوسی متوفی ۴۶۰ھ نے جو شیخ مفید رحمہ اللہ سے تلمذ کی حیثیت سے علامہ رضی کے ہم طبقہ اور علم الہدیٰ سید مرتضی کے شاگرد ہونے کی حیثیت سے اور نیز سال وفات کے اعتبار سے ان سے ذرا موخر ہیں۔ اپنی کتاب، تہذیب اور کتاب الامالی میں، نیز عبدالواحد ابن محمد ابن عبدالواحد آمدی جو اسی عصر کے تھے اپنی مستقل کتاب غررالحکم ودررالکلم جو امیرالمومنین کے مختصر کلمات پر مشتمل ہے اور مصر اور ہندوستان میں طبع ہوچکی ہے اور اس کا اردو میں ترجمہ بھی ہوچکا ہے۔ نیز ابوسعید منصور ابن حسین آبی وزیر متوفی ۴۲۲ھ اپنی کتاب نزہۃ الادب ونثر الدرر میں جس کا ذکر کشف الظنون باب النون میں ہے اور قاضی ابوعبداللہ محمد بن سلامہ قضاعی شافعی متوفی ۴۵۳ھ جن کی عظیم الشان کتاب اس مضوع پر دستور معالم الحکم کے نام سے ہے اور وہ مصر میں طبع ہوچکی ہے۔ یہ سب تقریباً سیّدرضی کے معاصرین ہی ہیں۔ ان سب کی کاوشیں ہمارے سامنے موجود ہیں۔ سوائے ابوسعید منصور کی کتاب کے جس کا کشف الظنون میں تذکرہ ہے۔ باقی یہ سب کتابیں مطبوع ومتداول ہیں۔ ان میں جو کلام مندرج ہے وہ بھی علامہ سیّد رضی کے درج کردہ کلام سے عیناً طریقہ کار یا اسلوب میں متفق ہی ہے۔ پھراگر سیّد رضی کی نسبت یہ تصور کیاجائے کہ انہوں نے خوداس کلام کو تصنیف کردیاہے توان تمام جامعین اور اپنی کتابوں کے ضمن میں درج کرنے والے دوسرے افراد کو کیا کہا جائے گا۔ پھران کی نسبت بھی یہی تصوّر کرنا چاہیے۔ جب کہ ان میں سے سب سے زیادہ افراد یقیناً جلالت شان اور ورع وتقویٰ وغیرہ میں علامہ سیّد رضی سے بالاتر نہیں معلوم ہوتے۔ اب اگر ان سب کی نسبت یہی خیال کیاجائے، توخیر علامہ سیّد رضی تو اشعرالطالبین تھے اور کتب سیر انہیں خود ادبیت اور فصاحت وبلاغت میں معراج کمال پرظاہر کرتے ہیں،مگران میں سے ہرشخص کی نسبت تو یہ تصوّر قطعی غلط ہے کہ وہ سب علامہ سیّدرضی ہی جیسی ادبی حیثیت کے حامل تھے پھر ایسے مختلف المرتبہ اشخاص کی ذہنی کاوشوں اور قلمی ثمرات میں اتنا ہی فرق کیوں نہیں ہے،جوخود ان اشخاص کے مبلغ علمی میں یقینی طور پر پایاجاتا ہے۔ اشخاص کہ جو کلام کے جمع کرنے والے ہیں۔ ان میں آپس میں زمین وآسمان کا فرق اور کلام جو انہوں نے جمع کیاہے،وہ سب ایک ہی مرتبہ،ایک ہی شان کا اسے دیکھتے ہوئے سوائے ایسے شخص کے جو جان بوجھ کرحقیقت کے انکارکرنے پرتلاہواہو اور کسی کو اس میں شک وشبہ بھی باقی نہیں رہ سکتا کہ ان اشخاص کا کارنامہ صرف جمع وتالیف ہی ہے۔ جس میں ان کے سلیقہ

اور ذوق کا اختلاف فقط شانِ ترتیب اور عنوان تالیف میں نمودار ہوتا ہے، لیکن اصل کلام میں ان کی ذاتی قابلیت، ذہانت اور مبلغ علمی اور معیارِ ادبی کو ذرہ برابر بھی دخل نہیں ہے۔

نواں امر یہ ہے کہ مذکورہ بالا افراد اگر چہ اپنے زمانۂ حیات کے کچھ حصوں میں علامہ سیّد رضی سے متحد ہیں، مگر ان سے متعدد افراد کے سال وفات کو دیکھتے ہوئے یہ یقین ہے کہ ان کا زمانہ جمع وتالیف نہج البلاغہ سے موخر ہے اور اس کے بعد ایک ایسا طبقہ ہے جو بالکل علامہ رضی سے موخر ہی ہے۔ جیسے ابن ابی الحدید متوفی ۶۵۵ھ، سبط ابن جوزی متوفی ۶۰۶ھ اور اس کے بعد بہت سے مصنفین۔ ظاہر ہے کہ علامہ رضی کی کتاب نہج البلاغہ گوشۂ گمنامی میں اور ان لوگوں سے مخفی نہ تھی۔ ان لوگوں کا محرک اس جمع وتالیف پر صرف یہ تھا کہ علامہ سیّد رضی نے انتخاب سے کام لیتے ہوئے یا ماخذوں کی کمی سے یا ان نسخوں کے کرم خوردہ یا ناقص ہونے کی وجہ سے جو ان کے پاس تھے، بہت سے اجزاء کلام امیرالمومنین کے نقل نہیں بھی کیے تھے۔ اس لیے مصنفین کو مستدرک اور مستدرک در مستدرک کی ضرورت پڑتی رہی، جس کا سلسلہ ماضی قریب میں علامہ شیخ ہادی آل کاشف الغطاء تک جاری رہا۔ جنہوں نے مستدرک نہج البلاغہ تحریر فرمایا۔ جو نجف اشرف میں طبع ہو چکا ہے۔ اگر علامہ سیّد رضی کے قریب العہدی ان کے بعد کے اہلِ قلم میں کسی کو بھی نہج البلاغہ کے مندرجہ کلمات وخطب میں یہ خیال ہوتا کہ یہ جناب رضی نے تصنیف کر کے اس میں شامل کر دیئے ہیں تو وہ سب بالخصوص معاصرین جو کسی رعایت کے لیے کبھی تیار نہیں ہوتے، اپنی کتابوں کی وجہ تالیف میں اس کا تذکرہ ضروری سمجھتے چونکہ اس کے قبل جو کتاب امیرالمومنین کے خطبوں پر مشتمل کہہ کر لکھی گئی ہے۔ اس میں آپ کا اصل کلام موجود نہیں ہے۔ بلکہ وہ ساختہ و پرداختہ اور وضعی ہے۔ اس لیے ہمیں ضرورت محسوس ہوئی کہ ہم آپ کا اصلی کلام منظرِ عام پر لائیں، جب کہ ایسا نہیں ہوا اور یہ بالکل مشاہدہ ہے کہ ایسا نہیں ہوا تو ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ ان سب کے نزدیک علامہ سیّد رضی نے جو کلام جمع کیا، وہ بلا شبہ کلام امیرالمومنین کی حیثیت سے اس کے پہلے سے مدون و متداول تھا اور ان کو سیّد رضی سے شکایت صرف بعض خطبوں کو چھوڑ دینے یا احاطہ و استغفار نہ کرنے یا شان ترتیب وعنوان تالیف میں کسی مناسب ترصورت کو اختیار کرنے ہی کی تھی، جس کے لیے انہوں نے بھی اس بارے میں کوشش ضروری سمجھی، جس کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے اور ممکن ہے کہ بعض مصنفین اب بھی کسی خاص ترتیب سے نہج البلاغہ کے مندرجہ خطب کے متمنی ہوں۔ یہ دوسری چیز ہے اور اصل کلام کے بارے میں کسی

شک وشبہ کا رکھنا دوسری چیز ہے۔

دسواں امر یہ ہے کہ تلاش کی جاتی ہے تو نہج البلاغہ کے مندرجہ خطب و اقوال کا پتہ۔ اب بعنوان الفاظہا نہج البلاغہ کے قبل تالیف شدہ کتابوں میں مل جاتا ہے اور جب کہ اکثر حصہ اس کا قبل کی کتابوں میں مندرج موجود ہے تو تھوڑا سا حصہ اگر دستیاب نہ بھی ہو تو ایک معتدل ذہن میں اس سے کوئی شک و شبہ پیدا نہیں ہوسکتا، جب کہ یہ معلوم ہے کہ دنیا میں مختلف حوادث کے ذیل میں کتابوں کے اتنے ذخیرے تلف ہوئے ہیں جو اگر موجود ہوتے تو یقیناً موجودہ ذخائر سے بدرجہا زیادہ ہوتے۔ خود تاریخ نے کلامِ امیرالمومنین کے جن جمع شدہ ذخیروں کا پتہ علامہ سید رضی کے قبل ہم تک پہنچادیا ہے۔ وہ سب اس وقت کہاں موجود ہیں؟ اس لیے اگر بعض مندرجات رائج الوقت کتابوں میں نہیں بھی ملتے تو ذہن یہی فیصلہ کرتا ہے کہ ان کتابوں میں موجود ہوں گے، جن تک ہماری اس وقت دسترس نہیں ہے۔ نہج البلاغہ کے مندرجات کے ان احوال کو پہلے علامہ شیخ ہادی کاشف الغطاء نے مستدرک نہج البلاغہ کے اثنائے تالیف ہی میں مدارِ نہج البلاغہ کے نام سے مرتب کیا تھا، جو غالباً مکمل شائع نہیں ہوا ہے اور ایک قابلِ قدر کوشش رامپور کے ایک سنی فاضل عرشی صاحب نے کی ہے، جو فاران کراچی میں مقالہ کی صورت میں شائع ہوئی ہے اور مزید تلاش کی جائے تو اس سلسلہ میں مزید کامیابی کا بھی امکان ہے۔

گیارہواں امر یہ ہے کہ محققین علمائے شیعہ کا رویہ دیکھا جائے تو وہ ہر اس کتاب یا مجموعہ کو جو معصومین میں سے کسی کی طرف منسوب ہو بلاچوں و چرا اس لیے تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوجاتے کہ وہ معصومین کی جانب منسوب ہے بلکہ وہ پوری فراخ حوصلگی کے ساتھ محققانہ فریضہ کو انجام دیتے ہوئے اگر وہ قابلِ انکار ہوتا ہے تو کھل کر اس کا انکار کردیتے ہیں اور اگر مشکوک ہوتا ہے تو شک وشبہ کا اظہار کردیا کرتے ہیں اور اس طرح بہت سے وہ ذخیرے جو کلامِ معصومین کے نام سے موجود ہیں۔ مقامِ اعتبار میں مختلف درجے اختیار کرچکے ہیں مثلاً دیوان امیرالمومنین بھی تو بطور علی ہی رائج ہے مگر علماء شیعہ بلا رو رعایت اسے غلط سمجھتے ہیں۔ اس سے ذرا بالاتر درجہ تفسیر امام حسن عسکری کا ہے۔ حالانکہ وہ شہرت میں تقریباً نہج البلاغہ سے کم نہیں ہے اور شیخ صدوق ایسے بلندمرتبہ قدیم محدث نے اس پر اعتماد کیا ہے مگر اکثر علمائے شیعہ اسے تسلیم نہیں کرتے، یہاں تک کہ ہمارے قریبی دور کے محقق علامہ محمد جواد بلاغی نے ایک پورا رسالہ اس کے غلط ہونے کے اثبات میں لکھ دیا ہے۔ فقہ الرضا

امام رضا علیہ السّلام کی طرف منسوب ہے مگر اس کے اعتبار اور عدم اعتبار کی بحث ایک مہتم بالشان علمی مسئلہ بن گئی ہے۔ جس پر مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں۔ اسی طرح جعفریات اور امام رضا علیہ السلام کا رسالہ ذہبیہ وغیرہ کوئی نقد و بحث سے نہیں بچا ہے۔ اس رویہ کے باوجود سیدرضی کے بعد سے اس وقت تک کسی دور میں بھی کسی شیعہ عالم کا نہج البلاغہ کے خلاف آواز بلند نہ کرنا اور اس میں ذرہ بھر بھی شک وشبہ کا اظہار نہ کرنا اس کا ثبوت قطعی ہے کہ ان سب کی نظر میں اس کی حیثیت ان تمام مجموعوں سے ممتاز اور جداگانہ ہے۔ نہج البلاغہ کے ہم پلہ اس حیثیت سے اگر کوئی کتاب ہے تو وہ صرف صحیفۂ کاملہ ہے جو اسی طرح مسلّم طور پر امام زین العابدین علیہ السّلام کے کلام کا مجموعہ ہے اور کوئی کتاب اس ذیل میں ان دونوں کے ہم مرتبہ نہیں ہے۔

مذکورہ بالا وجوہ کا نتیجہ یہ ہے کہ علامہ سیدرضی کے بعد تقریباً دوڈھائی سو برس تک نہج البلاغہ کے خلاف کوئی آواز اٹھتی ہوئی معلوم نہیں ہوتی بلکہ متعدد علمائے اہل سنت نے اس کی شرحیں لکھیں جیسے ابوالحسن علی ابن ابی القاسم بیہقی متوفی ۵۶۵ھ امام فخر الدین متوفی ۶۰۶ھ ابن ابی الحدید متوفی ۶۵۵ھ علامہ سعدالدین تفتازانی وغیرہ غالباً انہیں علمائے اہلِ سنت کے شروح وغیرہ لکھنے کا یہ نتیجہ تھا کہ عوام میں نہج البلاغہ کا چرچا پھیلا اور اس کے ان مضامین کے بارے میں جو خلفا ثلاثہ کے بارے میں ہیں۔ اہلِ سنت میں بے چینی پیدا ہوئی اور اب آپس میں بحثیں شروع ہوگئیں اور اس کی وجہ سے علماء کو اپنے اصول عقائد سنبھالنے کے لیے اور عوام کو تسلی دینے کے لیے نہج البلاغہ کے بارے میں شکوک وشبہات اور رفتہ رفتہ انکار کی ضرورت پڑی، چنانچہ سب سے پہلے ابن خلکان متوفی ۶۸۱ھ نے اس کو مشکوک بنانے کی کوشش کی اور علامہ سیدمرتضٰی کے حالات میں یہ لکھا کہ:

قداختلف الناس فی کتاب نهج البلاغة المجموعة من کلام علی ابن ابی طالب هل هو جمعه اواخره الرضی و قد قیل انه لیس من کلام علی ابن ابی طالب و انما الذی جمعه و نسبه الیه هو الذی رضعه واللّٰه اعلم.

لوگوں میں کتاب نہج البلاغہ کے بارے میں جو امیرالمومنین ابن ابی طالب کے کلام کا مجموعہ ہے اختلاف ہے کہ وہ انہی (سیدمرتضٰی) کا جمع کردہ ہے یا ان کے بھائی سیدرضی کا اور بعض کہتے ہیں کہ یہ جنابِ امیر کا کلام ہی نہیں ہے، بلکہ جسے جامع سمجھا جاتا ہے، اسی کی یہ تصنیف ہے۔ واللہ اعلم۔

یہ امر قابلِ لحاظ ہے کہ نہج البلاغہ کے بارے میں اختلافی آواز ڈھائی صدی کے بعد بھی نہج البلاغہ

کے تالیف کے مرکز یعنی بغداد یا ملک عراق کے کسی شہر سے بلند نہیں ہوئی، بلکہ مغربی مملکت جہاں بنی امیہ کی سلطنت تھی اور قیروان و قرطبہ میں جس سلطنت کے زیر اثر علماء کی پرورش ہو رہی تھی وہاں ابن خلکان مغربی کی زبان سے یہ آواز بلند ہو رہی یہ ظاہر ہے کہ یہ لوگ جنہیں اختلف الناس کہا جارہا ہے یہ مسلمان دارالخلافہ کے کوئی ذمہ دار افراد نہیں ہیں ورنہ اختلف العلماء، اختلف المحققون، اختلف الادباء ایسے کوئی وقیع الفاظ درج کئے جاتے بلکہ یہ الناس اموی سلطنت کے پروردہ کے پروردہ مملکت مغربیہ کے سنی عوام ہیں جنہیں یہ خبر تک نہیں ہے کہ یہ کتاب سیّد رضی کی جمع کردہ ہے یا سیّد مرتضیٰ کی اور یہ جناب ابن خلکان کا تقیہ ہے کہ وہ خود اپنی اطلاعات کو جو اس کتاب اور اس کے جامع کے بارے میں یقیناً ان کو تھی، پیش نہیں کرتے بلکہ عوام کے جذبات کی تسلی کے لیے خود انہیں عوام کے اختلافات کی ترجمانی کر دینا مناسب سمجھتے ہیں کہ بعض لوگ اسے سیّد مرتضیٰ کا جمع کردہ کہتے ہیں اور بعض سیّد رضی کا اور خود ان کے ضمیر کا فیصلہ پہلے آجاتا ہے کہ جمع کرنے والا کوئی بھی ہو لیکن ہے وہ کلام امیرالمومنین ہی کا اور پھر عوامی جذبات کو دھچکا پہنچنے کے اندیشے سے وہ بعض ان متعصب مجہول الاسم والرسم اشخاص کے اس عذر کو جو اس کے مضامین کے تسلیم کرنے سے گریز کے لیے وہ مقام مناظرہ میں پیش کرتے تھے کہ ہم اسے کلام علی ہی تسلیم نہیں کرتے وہ قیل کہہ کے ذکر کر دیتے ہیں کہ بعض ایسا کہتے ہیں کہ یہ امیرالمومنین کا کلام ہے ہی نہیں بلکہ جس نے جمع کیا ہے اسی نے اس کو تصنیف کر دیا ہے۔ یہ خود قیل اس قول کے ضعف کے لیے کافی تھا لیکن خود ان کا ضمیر اس قیل سے چونکہ مطمئن نہیں لہٰذا آخر میں واللہ اعلم کہہ کہ وہ اس میں مزید شک وشبہ کا اظہار کر دینا چاہتے ہیں۔ اس سے صرف یہ پتہ چلتا ہے کہ ابن خلکان اس بارے میں اپنے فیصلے کو ماحول کے دباؤ سے ظاہر کرنا نہیں چاہتے اور وہ صرف عوام کی باہمی چہ میگوئیوں کا تذکرہ کر کے اپنا دامن بچالے جانا چاہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کی تشکیک کا علمی دنیا میں کوئی وزن ہی نہیں مانا جاسکتا۔

خلفاء کے بارے میں نہج البلاغہ میں ہرگز کوئی ایسی سخت بات نہیں ہے جو دوسری کتابوں میں موجود نہ ہو اور جناب امیر علیہ السلام کے ان رجحانات کے مطابق نہ ہو، جو مسلّم الثبوت حیثیت سے دوسرے کتب اہلِ سنت میں بھی موجود ہیں۔ ایسی صورت میں اس قسم کے الفاظ کا حضرت کی زبان پر آنا تو اس کا ثبوت ہے کہ وہ آپ کا کلام ہے۔ ہاں اگر آپ کے واقعی رجحانات کے خلاف اس میں الفاظ ملتے تو اس پر تو غور کرنے کی بھی ضرورت ہوتی کہ وہ کس بنا پر ہیں یا انہیں کسی مجبوری کا نتیجہ

قرار دینا پڑتا جیسے بعض علماء کے خیال کے مطابق لله بلاء فلان والا خطبہ یہی نوعیت رکھتا ہے۔ مگر وہ کلام جو اپنے متکلم کے خیالات کا نمایاں طور پر آئینہ دار ہو اسے کسی حیثیت سے اس متکلم کی طرف نسبت صحیح ماننے میں تامل کا کوئی سبب ہی نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ باوجود ابن خلکان کے اس اظہارِ تذبذب اور ذہبی کے اس جسارت انکار کے پھر بھی منصف مزاج اور حقیقت پسند علماء و محققین بلاتفریق مذہب ملّت نہج البلاغہ کے مندرجات کو کلام امیرالمومنین مانتے رہے اور اس کا اظہار کرتے رہے جن میں سے کچھ افراد کا جو سرِ دست پیشِ نظر ہیں ذیل میں تذکرہ کیا جاتا ہے۔

۱- علامہ شیخ کمال الدین محمد ابن طلحہ قریشی شافعی متوفی ۶۵۲ھ اپنی کتاب مطالب السؤل فی مناقب آل الرّسول میں جو لکھنؤ میں بھی طبع ہو چکی ہے۔ علوم امیرالمومنین کے بیان میں لکھتے ہیں:

و رابعها علم البلاغة ج والفصاحة وكان فيها اماما لا يشق غباره ومقدما لا تلحق اثاره ومن وقف على كلام المرقوم الموسوم بنهج البلاغة صار الخبر عنده عن فصاحة عنده عنه فصاحته عيانا والظن بحلو مقامه فيه ايقانا.

چوتھے علم فصاحت و بلاغت آپ اس میں امام کا درجہ رکھتے تھے جن کے قدم تک بھی پہنچنا ناممکن ہے اور ایسے پیشرو تھے، جن کے نشانِ قدم کا مقابلہ نہیں ہوسکتا اور جو حضرت کے اس کلام پر مطلع ہو جو نہج البلاغہ کے نام سے موجود ہے اس کے لیے آپ کی فصاحت کی سماعی خبر مشاہدہ بن جاتی ہے اور آپ کی بلندی مرتبہ کا اس باب میں گمان یقین کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

النوع الخامس فى الخطب والمواعظ مما نقلته الرواة ورته الثقات عنه عليه السلام قداشتمل كتاب نهج البلاغة المنسوب اليه على انواع من خطبه ومواعظه الصادعة باوامراها ونواهيها المطلعة انوار الفصاحة والبلاغة مشرقة من الفاظها ومعانيها الجامعة حكم عيون علم المعانى والبيان على اختلاف اسالبها.

پانچویں قسم ان خطب اور مواعظ کی شکل میں ہے، جس کو راویوں نے بیان کیا ہے اور ثقات نے حضرت سے ان کو نقل کیا ہے اور نہج البلاغہ کتاب جس کی نسبت حضرت کی طرف دی جاتی ہے وہ آپ کے اپنے اوامر و نواہی کو مکمل طور پر ظاہر کرتے اور فصاحت و بلاغت کے انوار کو اپنے الفاظ و معانی کے اصول اور اسرار کو اپنے مختلف اندازِ بیان میں ہمہ گیر صورت سے ظاہر کرتے ہیں۔

اس میں مندرجات نہج البلاغہ کو معتبر و ثقہ راویوں کے بیانات کا حوالہ دیتے ہوئے یقینی طور پر کلام امیرالمومنین تسلیم کیا ہے۔ ایک جگہ جو منسوب کی لفظ ہے۔ اس سے کوئی غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے۔ وہ بحیثیت مجموعی کتاب بشکل کتاب سے متعلق ہے اور یہ ظاہر ہے کہ کتاب امیرالمومنین کی جمع کردہ نہیں ہے۔ کتاب تو حقیقتاً سیدرضی ہی کی ہے مگر عوام مجازی طور پر یا ناواقفیت کی بنا پر یونہی کہتے ہیں کہ یہ امیرالمومنین کی کتاب ہے۔ یہ نسبت اس کلام کے لحاظ سے دی جاتی ہے جو اس کتاب میں درج ہے اور اسی لیے اس محل پر علامہ ابن طلحہ نے منسوب کی لفظ صرف کی ہے جو بالکل درست ہے اس سے اصل کلام کے بارہ میں ان کے وثوق واطمینان کو کوئی دھچکا نہیں پہنچتا۔

۲- علامہ ابوحامد عبدالحمید ابن ہبۃ اللہ المعروف بابن ابی الحدید مدائنی بغدادی متوفی ۶۵۵ھ جنہوں نے اس کتاب کی مبسوط شرح لکھی ہے وہ حضرت امیرعلیہ السلام کے فضائلِ ذاتیہ میں فصاحت کے ذیل میں لکھتے ہیں۔

اما الفصاحة فهو امام الفصحاء و سيّد البلغاء و عن كلامه قيل دون كلام الخالق و فوق كلام المخلوقين ومنه تعلّم النّاس الخطابة و الكتابة.

آپ کی فصاحت کا یہ عالم ہے کہ آپ فصحاء کے امام اور اہلِ بلاغت کے سرگروہ ہیں، آپ ہی کے کلام کے متعلق یہ مقولہ ہے کہ وہ خالق کے کلام کے نیچے اور تمام مخلوق کے کلام سے بالاتر ہے اور آپ ہی سے دنیا نے خطابت و بلاغت کے فن کو سیکھا۔

اس کے بعد عبدالحمید بن یحییٰ اور ابن نباتہ کے وہ اقوال درج کئے گئے ہیں، جن کا تذکرہ ہم پہلے کر چکے ہیں پھر لکھا ہے:

و لما قال محقن ابن ابی محقن لمعاوية جئتك من عند اعمي الناس قال له ويحك كيف يكو ن اعمي الناس فو الله ما سنّ الفصاحة لقريش غيره و يكفى هذا الكتاب الذى نحن شارحوه دلالة على انه لايجارى فى الفصاحة و لايبارى فى البلاغة.

اور جب محقن بن ابی محقن (خوشامدیں) نے معاویہ سے کہا کہ میں سب سے زیادہ گنگ شخص کے پاس سے آیا ہوں معاویہ نے کہا کہ وائے ہو تم پر وہ گنگ کیونکر کہے جاسکتے ہیں حالانکہ خدا کی قسم فصاحت کا راستہ قریش کو سوا ان کے کسی اور نے نہیں دکھایا ہے اور یہی کتاب جس کی ہم شرح لکھ رہے ہیں اس امر کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ حضرت فصاحت میں وہ بلند درجہ رکھتے ہیں کہ کو

ئی آپ کے ساتھ نہیں چل سکتا اور بلاغت میں آپ کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔

علامہ مذکور دوسرے موقعہ پر لکھتے ہیں:

ان کثیرا من فصوله داخل فی باب المعجزات المحمدیة لاشتمالها علی الاخبار الغیبیة وخروجها من وسع الطبیعة البشرة.

اس کتاب کے اکثر مقامات حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا معجزہ کہے جاسکتے ہیں۔ اس لیے کہ وہ غیبی خبروں پر مشتمل ہیں اور انسانی طاقت کے حدود سے باہر ہیں۔

حالانکہ علامہ ابن ابی الحدید اپنے معتقدات میں جو شیعیت کے خلاف ہیں پورے راسخ ہیں اور اس لیے نہج البلاغہ میں جہاں جہاں ان کے معتقدات کے خلاف چیزیں ہیں ان کو کافی زحمت درپیش ہوئی ہے، مگر اس کے باوجود کسی ایک مقام پر بھی وہ اس شک و شبہ کا اظہار نہیں کرتے کہ یہ شاید امیرالمومنین کا کلام نہ ہو۔ بلکہ خطبہ شقشقیہ تک جو سب سے زیادہ ان کے جذبات کے خلاف مضامین پر مشتمل ہے وہ اس امر کو بقوت تسلیم کرتے ہیں کہ یہ علی بن ابی طالب علیہ السلام کا کلام ضرور ہے اور وہ اس کے خلاف ہر تصور کو دلائل کے ساتھ رد کردیتے ہیں، انہوں نے خطبہ ہی میں قدم المفضول علی الفاضل خدا نے (معاذ اللہ) کسی مصلحت سے غیر افضل کو افضل پر مقدم کردیا اور اسی طرح خطبہ شقشقیہ وغیرہ کے تشریحات میں انہوں نے اپنے معتقدات کا اظہار کردیا ہے اور امیرالمومنین کے الفاظ کو معاذ اللہ آپ کے بشری جذبات کا تقاضہ قرار دیا ہے۔ یہ امور اس تصور کو ختم کردیتے ہیں کہ انہوں نے اس کتاب میں اس شیعہ رئیس کی خوشامد مدِ نظر رکھی ہے جس کے نام پر انہوں نے یہ شرح معنون کی تھی۔ ابن العلقمی شیعہ ضرور تھے، مگر وہ سلطنت بنی عباس کے وزیر تھے اور یہ کتاب دولتِ عباسیہ کے سقوط سے پہلے ان کے دور وزارت میں لکھی گئی ہے۔ اوّل تو اگر خوشامد مدِ نظر ہوتی تو وزیر کے بجائے خود خلیفہ وقت کے جذبات کا لحاظ کرنا زیادہ ضروری ہوتا۔ دوسرے ظاہر ہے کہ سلطنتِ عباسیہ کے وزیر ہونے کے بناپر خود ابن العلقمی بھی کھل کر ایسے شخص کے خلاف کوئی اقدام نہیں کرسکتے تھے جو حکومتِ وقت کے مذہب کے موافق کوئی بات کہے نہ وہ خود ہی ایسے جذبات کا اعلانیہ اظہار کرتے تھے۔ پھر اگر ان کی خوشامد ہی پیش نظر ہوتی تو ابن ابی الحدید اسی کتاب میں شیعیت کا رد کیوں کرتے اور خلافت ثلاثہ کو شروع سے لے کر آخر تک بقدر امکان مضبوط کرنے کی کوشش کس لیے کرتے۔ ان کا یہ طرزِ عمل صاف بتا رہا ہے کہ انہوں نے اس کتاب میں اپنے حقیقی خیالات اور جذبات کو برابر

پیش نظر رکھا ہے۔ وہ اگر نہج البلاغہ کی صحت میں ذرا سا شک و شبہ کا بھی اظہار کر دیتے تو وہ اس سے زیادہ ابن العلقمی کے لیے تکلیف دہ نہیں ہوسکتا تھا۔ جتنا خدا کی طرف اس غلط کلام کو منسوب کرنا کہ وہ مفضول کو فاضل پر ترجیح دے دیتا ہے یا امیر المومنین کے اقوال کو معاذ اللہ نفسانیت پر محمول کرنا جو خطبہ شقشقیہ وغیرہ کی شروع میں انہوں نے لکھ ڈالا ہے بلکہ ایک شیعہ کے لیے ان الفاظ کے کلام امیر المومنین ہونے سے انکار کر دینا اتنا صدمہ نہیں پہنچا سکتا اور حضرت علی ابن ابی طالب کی اتنی بڑی توہین نہیں ہے جتنا یہ تصور کرنا کہ حضرت نے معاذ اللہ حقیقت کے خلاف صرف اپنی ذاتی رنجش کی بنا پر یہ الفاظ فرما دیئے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہرگز ابن ابی الحدید کو ابن العلقمی کی کوئی خاطر داری اظہار خیالات میں پیش نظر نہ تھی اور اس کتاب پر ابن العلقمی نے اگر کوئی انعام دیا ہو تو یہ صرف ان کے وسعتِ صدر اور وسعتِ نظر اور تحمل کا ثبوت ہے کہ انہوں نے ایک مخالفِ مذہب کے ایک علمی کارنامے کی صرف علمی کارنامہ ہونے کی بنا پر قدر کی جو کہ ان کے خود عقائد و خیالات سے متضاد مضامین پر بھی مشتمل تھا۔

۳- ابو السعادات مبارکہ مجد الدین ابن اثیر جزری متوفی ۶۰۶ھ نے اپنی مشہور کتاب نہایہ میں جو احادیث و آثار کے لغات کی شرح کے موضوع پر ہے۔ کثیر التعداد مقامات پر نہج البلاغہ کے الفاظ کو حل کیا ہے۔ ابن کثیر کی حیثیت فقط ایک عام لغوی کی نہیں ہے بلکہ وہ محدث بھی ہیں۔ اگر صرف ادبی اہمیت کے لحاظ سے ان کو ان الفاظ کا حل کرنا ہی ضروری تھا تو اس کو نہج البلاغہ کا نام لکھ کر درج کرتے پھر واقعہ تو یہ ہے کہ اگر اس کو وہ کلامِ امیر المومنین سمجھتے ہی نہ، تو انہیں اس کتاب میں جو صرف احادیث اور آثار کے حل کے لیے لکھی گئی ہے، ان لغات کو جگہ ہی نہ دینا چاہیے تھی، کیوں کہ اصطلاحی طور پر اثر صرف صحابہ اور ممتاز تابعین کی زبان سے نکلے ہوئے اقوال کو کہتے ہیں۔ کسی متاخر عالم کی کتاب کے الفاظ نہ حدیث میں داخل ہیں اور نہ اثر میں۔ ان کا ان الفاظ کو جگہ دینا ہی اس کا ثبوت ہے کہ وہ اس کو سید رضی کا کلام نہیں سمجھتے بلکہ کلامِ امیر المومنین قرار دیتے ہیں۔ پھر یہ کہ ان لغات کو درج کرنے میں ہر مقام پر تصریحاً وہ حدیثِ علی لفظ کا استعمال کرتے ہیں، جیسے لغت جوئی میں منه حديث علي يوئي فقت الاجراء وشق الارجاء میں زیادہ تر ان الفاظ کا تذکرہ حدیث علی کی لفظوں کے ساتھ ہے اور کہیں پر خطبۂ علی ہے، جیسے لغت لوط میں في خطبة علي ولاطها بالبلة حتي لزبت ایک جگہ لغت میں یہ الفاظ ہیں:كلام علي مات قيتها و طال تيمها۔ اسی طرح لغت

اصل میں فی کلام علی کے الفاظ ہیں اور ایسے ہی دو ایک جگہ اور باقی تمام مقامات پر حدیث علی لکھا ہے اور جو مکاتیب کے الفاظ ہیں، انہیں کتاب علی کہہ کر درج کیا ہے۔ ان تمام مقامات کو استقصا کے ساتھ ہم نے اپنی کتاب "نہج البلاغہ کے استناد" میں درج کیا ہے جو امامیہ مشن لکھنؤ سے شائع ہوئی ہے۔

۴- علامہ علاء الدین قوشجی متوفی ۸۷۵ھ شرح تجرید میں قولِ محقق طوسی افصحھم لسانا کی شرح میں لکھتے ہیں علی مایشھد بہ کتاب نھج البلاغۃ و قال البلغاء ان کلامہ دون کلام الخالق و فوق کلام المخلوق جس کی شاہد ہے۔ آپ کی کتاب نہج البلاغہ اور اہلِ بلاغت کا قول ہے کہ آپ کا کلام خالق کے نیچے اور تمام مخلوق کے کلام سے بالاتر ہے۔

۷- محمد بن علی بن طباطبائی معروف بہ ابن طقطقی اپنی کتاب تاریخ الفخری فی آداب السلطانیہ والدول الاسلامیہ، مطبوعہ مصر۹ میں لکھتے ہیں:

عدل ناس الی نھج البلاغۃ من کلام امیرالمومنین علی ابن ابی طالب فانّہ الکتاب الّذی یتعلّم منہ الحکم و المواعظ و الخطب و التوحید و الشجاعۃ و الزھد وعلوّ الھمّۃ و ادنیٰ فوائدہ الفصاحۃ و البلاغۃ۔

حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کا کلام ہے۔ کیوں کہ یہ وہ کتاب ہے کہ جس سے حکم اور مواعظ اور توحید اور زہد اور علوہمت، ان تمام باتوں کی تعلیم حاصل ہوتی ہے اور اس کا سب سے ادنیٰ فیض فصاحت و بلاغت ہے۔

۸- علامہ محدث ملا طاہر فتنی گجراتی، انہو نے بھی مجمع الانوار، نہایہ کی طرح احادیث و آثار کے لغات ہی کی شرح میں لکھی ہے اور انہوں نے بھی الفاظ نہج البلاغہ کو کلامِ امیرالمومنین تسلیم کرتے ہوئے ان کی شرح کی ہے۔

۹- علامہ احمد بن منصور کازرونی اپنی کتاب مفتاح الفتوح میں امیرالمومنین کے حالات میں لکھتے ہیں:

و من تامل فی کلامہ وکتبہ وخطبہ ورسلاتہ علم ان علمہ لایوازی علم احد و فضائلہ لاتشاکل فضائل احدبعد محمدصلی اللّٰہ علیہ وسلّم ومن جملتھا کتاب نھج البلاغہ۔

جو حضرت کے کلام اور خطوط اور خطبوں اور تحریروں پر غور کی نگاہ ڈالے اسے معلوم ہوگا کہ حضرت

کا علم کسی دوسرے کے علم کی طرح اور حضرت کے فضائل پیغمبرؐ کے بعد کسی دوسرے کے فضائل کے قبیل سے نہیں تھے۔ (یعنی بدرجہا زیادہ تھے) اور انہیں میں سے کتاب نہج البلاغہ ہے (اس کے معنی یہ ہیں کہ مصنف کے پیش نظر یہ حقیقت تھی کہ حضرت کے کلام کا ذخیرہ نہج البلاغہ کے علاوہ بھی کثرت کے ساتھ موجود ہے اور یہ صرف اس کا ایک جز ہے۔

و ایم اللّٰہ لقد وقف دونہ فصاحۃ الفصحأ و بلاغۃ البلغاء و حکمۃ الحکماء

اور خدا کی قسم آپ کی فصاحت کے سامنے تمام فصحاء کی فصاحت اور بلیغوں کی بلاغت اور حکماء روزگار کی حکمت مغلوج و معطل ہوکر رہ جاتی ہے۔

۱۰- علامہ یعقوب لاہوری شرح تہذیب الکلام میں افصح کی شرح میں لکھتے ہیں:

و من ازاد مشاھدۃ و مسامعۃ فصاحتہ فلینظرالی نھج البلاغۃ ولاینبغی ان ینسب ھذا الکلام البلیغ الی رجل شیعی.

جو شخص آپ کی فصاحت کو دیکھنا اور آپ کی بلاغت کو سننا چاہتا ہو وہ نہج البلاغہ پر نظر کرے اور ایسے فصیح و بلیغ کلام کو کسی شیعہ عالم کی طرف منسوب کرنا بالکل غلط ہے۔

۱۱- علامہ شیخ احمد ابن مصطفیٰ معروف بہ طاشکیری زادہ اپنی کتاب شقائق نعمانیہ فی علماء دولۃ عثمانیہ قاضی قوام الدین یوسف کی تصانیف کی فہرست میں لکھتے ہیں۔ و شرح نھج البلاغۃ للامام الھمام علی بن ابی طالب کرم اللہ تعالیٰ وجھہ.

۱۲- مفتی دیار مصریہ علامہ شیخ محمد عبدہ متوفی ۱۳۲۳ھ جن کی اس سعی جمیل کے مشکور ہونے سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ انہوں نے مصر اور بیروت وغیرہ اہل سنت کے علمی مرکزوں کو نہج البلاغہ کے فیوض سے بہرہ مند بنانے کا سامان کیا اور وہاں کے باشندوں کو ان کے سبب سے اس جلیل القدر کتاب کا تعارف ہوسکا۔ انہوں نے نہج البلاغہ کو اپنی تفسیر حواشی کے ساتھ مصر میں چھپوادیا۔ جس کے بہت سے ایڈیشن اب تک شائع ہوچکے ہیں وہ اپنے اس مقدمہ میں جو شروع کتابت میں درج کیا ہے، اپنی اس دہشت و حیرت کا اظہار کرتے ہوئے جو نہج البلاغہ کے حقائق آئیں عبارات سے ان پر طاری ہوئی ہے، تحریر کرتے ہیں:

الغالب امیرالمومنین علی بن ابی طالب والباطل منکسر و مرج الشک فی خمود و ھرج الریب فی رکود و ان مدبر تلک الدولۃ و باعث تلک الصولۃ ھو حام طالب بل

كنت كلّما انتقلت من موضع الىٰ موضع احسن بتغير المشاهد و تحمل المعاهد فتارة كنت اجدني في عالم يعمره من المعاني ارواح عالية النفوس الزاكية وتدفون القلوب الصافية توحي اليها رشادها و تقوم منها منادها و تنفربها عن مداحض المزال الىٰ جواد الفضل و الكمال و طورا كانت تنكشف لي الجمل عن وجوه باسره و انياب كاشره و ارواح في اشباح النمور ومخالب النسور قدتحفزّت للوثاب ثم انتضت لاختلاف فخلبت القلوب عن هواها و اخذت الخواطر دون مرماها واغتالت فاسد الاهواء و باطل الاراء و احيانا كنت اشهدا بن عقلا نورانيا لا يشبه خلقا جسدانيا فصل عن الموكب الالٰهي واتصل بالروح انساني مخلعه عن غاشيات الطبيعة سمابه الى الملكو ت الاعلىٰ و نمابه الىٰ مشهد النور الاجلىٰ و سكن به و يشرب بهم على حسن المصير. و يهديهم طرق الكياسة و يرتفع بهم الىٰ منضات الرياسة و يصعدهم شرف التدبير الىٰ عمار جانب التقديس بعد استخلاصه من شوائب التلبيس و أنات كاني اسمع خطيب الحكمة ينادى باعلىٰآء الكلمة واولياء امرالامة يعرفهم مواقع الصواب و يبصرهم مواضع الارتياب و يحذرهم مزلق الاضطراب و يرشدهم الىٰ دقائق السياسية الانتظام تنافح بالصفيح الابلج و القويم الاملبح و تمثلج المهج بروائح الحجج فتقل من دعارة الوساوس و تصيب مقاتل الخوانس فما انا الا و الحق منتصر لوائها كان يخيل الىٰ في كل مقام ان حروبا شبت و غارات شنت و ان للبلاغة دولة و للفصاحة صولة و ان الاوها عرامة و للريب دعارة جوان حجا فالخطابة و كتائب الذرابة في عقود النظام وصفون.

ہر مقام پر (اس کے اثنائے مطالعہ میں) مجھے ایسا تصور ہوجاتا تھا کہ جیسے لڑائیاں چھڑی ہوئی ہیں۔ بنرد آزمائیاں ہورہی ہیں۔ بلاغت کا زور ہے اور فصاحت پوری قوت سے حملہ آور ہے۔ توہمات شکست کھا رہے ہیں۔ شکوک وشبہات پیچھے ہٹ رہے ہیں۔ خطابت کے لشکر صف بستہ ہیں۔ طلاقتِ لسان کی فوجیں شمشیر زنی اور نیزہ بازی میں مصروف ہیں، وسوسوں کا خون بہایا جارہا ہے اور توہمات کی لاشیں گررہی ہیں اور ایک دفعہ یہ محسوس ہوتا ہے کہ بس حق غالب آ گیا اور باطل کی شکست ہوگئی اور فتح ونصرت کا سہرا اس کے علمبردار اسداللہ الغالب علی ابنِ ابی طالب کے سر ہے۔

بلکہ اس کتاب کے مطالعہ میں جتنا جتنا میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوا۔ میں نے مناظرہ کی تبدیلی اور مواقف کے تغیر کو محسوس کیا۔ کبھی میں اپنے کو ایسے عالم میں پاتا تھا جہاں معانی کی بلند روحیں خوشنما عبارتوں کا جامہ پہنے ہوئے پاکیزہ نفوس کے گرد چکر لگاتی اور صاف دلوں کے نزدیک آ کر انہیں سیدھے راستے پر چلنے کا اشارہ کرتی اور نفسیاتی خواہشوں کا قلع قمع کرتی اور لغزش مقامات سے متنفر بنا کر فضیلت و کمال کے راستوں کا سالک بناتی ہیں اور کبھی ایسے جملے سامنے آ جاتے ہیں جو معلوم ہوتا ہے کہ تیوریاں چڑھائے ہوئے اور دانت نکالے ہوئے ہولناک شکلوں میں آگے بڑھ رہے ہیں اور ایسی روحیں ہیں جو چیتوں کے پیکروں میں اور شکاری پرندوں کے پنجوں کے ساتھ حملہ پر آمادہ ہیں اور ایک دم شکار پر ٹوٹ پڑتے ہیں اور دلوں کو ان کے ہوا و ہوس کے مرکزوں سے جھپٹ کر لے جاتے ہیں اور ضمیروں کو پست جذبات سے زبردستی علیحدہ اور غلط خواہشوں اور باطل عقیدوں کا قلع قمع کر دیتے ہیں اور بعض اوقات میں میں یہ مشاہدہ کرتا تھا کہ ایک نورانی عقل، جو جسمانی مخلوق سے کسی حیثیت سے بھی مشابہ نہیں ہے، خداوندی بارگاہ سے الگ ہوئی اور انسانی روح سے متصل ہو کر اسے طبیعت کے پردوں سے اور مادیت کے حجابوں سے نکال لیا اور اسے عالم ملکوت تک پہنچا دیا اور تجلیات ربانی کے مرکز تک بلند کر دیا اور لے جا کر عالم قدس میں اس کو ساکن بنا دیا اور بعض لمحات میں معلوم ہوتا تھا کہ حکمت کا خطیب صاحبانِ اقتدار اور قوم کے اہل حل وعقد کو للکار رہا ہے اور انہیں صحیح راستے پر چلنے کی دعوت دے رہا ہے اور ان کی غلطیوں پر متنبہ کر رہا ہے اور انہیں سیاست کی باریکیاں اور تدبر وحکمت کے دقیق نکتے سمجھا رہا ہے اور ان کی صلاحیتوں کو حکومت کے منصب اور تدبر وسیاست کی اہلیت پیدا کر کے مکمل بنا رہا ہے۔

اس میں علامہ محمد عبدہ نے جس طرح یقینی طور پر اس کو کلام امیر المومنین تسلیم کیا ہے۔ اسی طرح اس کے مضامین کی حقانیت اور اس کے مندرجات کی سچائی کا بھی اعتراف کیا ہے وہ کہہ رہے ہیں کہ اس کتاب کے مضامین حق کی فتح اور باطل کی شکست اور شکوک و اوہام کی فنا اور توہمات و وساوس کی بیخ کنی کا سبب ہیں اور وہ شروع سے آخر تک انسانی روح کے لیے روحانیت و طہارت اور جلال و کمال کی تعلیمات کے حامل ہیں۔

علامہ محمد عبدہ کو نہج البلاغہ سے اتنی عقیدت تھی کہ وہ اسے قرآن مجید کے بعد ہر کتاب کے مقابلہ میں ترجیح کا مستحق سمجھتے تھے اور انہوں نے اپنا یہ اعتقاد بتایا ہے کہ جامعۂ اسلامیہ میں اس کتاب کی

زیادہ سے زیادہ اشاعت ہونا اسلام کی ایک صحیح خدمت ہے اور یہ صرف اس لیے کہ وہ امیرالمومنین ایسے بلند مرتبہ مصلح عالم کا کلام ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

لیس فی اهل هذه اللغة القائل بان کلام الامام علی بن ابی طالب هو اشرف الکلام وابلغه. بعد کلام الله تعالی و کلام نبیه و اغزره مادة و ارفعه اسلوبا و اجمعه لجلائل المعانی فاجدر بالطالبین لنفائس اللغة و الطامعین فی التدرج لمراقیها ان یجعلوا هذا الکتاب اهم محفوظهم و افضل مأثورهم مع تفهم معانیة فی الاغراض التی جائت لاجلها و تامل الفاظه فی المعانی التی صیغت للدلالة علیها لیصیبوا بذلک افضل غایة و ینتهوا الی خیر نهایة.

اس عربی زبان والوں میں کوئی ایسا نہیں جو اس کا قائل نہ ہو کہ امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ السّلام کا کلام کلامِ خدا و کلامِ رسول کے بعد ہر کلام سے بلند تر، زیادہ پرمعانی اور زیادہ فوائد کا حامل ہے لہٰذا زبانِ عربی کے نفیس ذخیروں کے طلاب کے لیے یہ کتاب سب سے زیادہ مستحق ہے کہ وہ اسے اپنے محفوظات اور منقولات میں اہم درجہ پر رکھیں اور اس کے ساتھ ان معانی و مقاصد کے سمجھنے کی کوشش کریں، جو اس کتاب کے الفاظ میں مضمر ہیں۔

یہ واقعہ ہے کہ علامہ محمد عبدہ کی یہ کوشش پورے طور پر بارآور بھی ہوئی۔ ایسے تنگ نظری کے ماحول میں جب کہ علمی دنیا کا یہ افسوسناک رویہ ہے کہ خود اہلِ سنت کی وہ کتابیں جو اہلِ بیت معصومین سے یا حضرت علی ابن ابی طالب سے متعلق ہیں۔ انہیں زیادہ تر ایران کے شیعی مطبعوں نے شائع کیا ہے۔ مگر مصر، بیروت وغیرہ کے علمی مرکزوں نے انہیں کبھی قابلِ اشاعت نہ سمجھا۔ مثلاً سبط ابن جوزی کتب سیر میں پوری علمی جلالت سے یاد کیے گئے ہیں مگر ان کی کتاب تذکرہ صرف اس لیے سوادِ اعظم کی بارگاہ میں درخورِ اعتنا نہیں سمجھی گئی کہ اس میں اہلِ بیت رسول کے حالات زیادہ ہیں اسی طرح حافظ نسائی کی خصائص وغیرہ مگر نہج البلاغہ اپنے تمام مندرجات کے باوجود جن سے سوادِ اعظم کو اختلاف ہوسکتا ہے۔ پھر بھی مصر اور بیروت کے علمی حلقوں میں پوری پوری مقبولیت اور مرکزیت رکھتی ہے۔ اس کے مسلسل ایڈیشن شائع ہوتے ہیں اور مدارس اور یونیورسٹیوں کے نصابوں میں داخل ہے۔ یہ صرف ہندوستان یا پاکستان کی مناظرانہ ذہنیت اور اس کی مسموم فضا ہے کہ یہاں کے مدارس میں اکثر اس کے ساتھ وہ سلوک کیا جاتا ہے جو خالص شیعی کتاب سے ہونا چاہیے۔ علامہ شیخ محمد عبدہ نے

نہ صرف اس کتاب پر حواشی لکھ دیئے اور اسے طبع کردیا بلکہ وہ اپنی گفتگوؤں میں برابر اس کی تبلیغ کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ مجلّہ الہلال مصر نے اپنی جلد نمبر ۳۵ کے شمارۂ اوّل بابت نومبر ۱۹۲۶ء کے صفحہ ۸۷ پر چار سوالات علمی طبقہ کی توجہ کے لیے شائع کیے تھے۔ جن میں پہلا سوال یہ تھا کہ:

ما هو الكتاب اول كتب التي طالعتموها في شبابكم فافادتكم وكان لها في حياتكم.

وہ کونسی کتاب یا کتابیں ہیں، جن کا آپ نے دورِ شباب میں مطالعہ کیا تو انہوں نے آپ کو فائدہ پہنچایا اور ان کا آپ کی زندگی پر اثر پڑا۔

اس سوال کا جواب جو استاد شیخ مصطفےٰ عبدالرزّاق نے دیا ہے، وہ شمارۂ دوم بابت دسمبر ۱۹۲۶ء کے صفحہ ۱۵۰ پر شائع ہوا ہے، اس میں وہ لکھتے ہیں:

طالعت بارشاد الاستاذ المرحوم الشيخ محمدعبده ديوان الحماسة و نهج البلاغة.

میں نے استاد مرحوم شیخ محمد عبدہ کی ہدایت سے دیوان حماسہ اور نہج البلاغہ کا مطالعہ کیا۔

عبدالمسیح انطا کی نے بھی جن کی رائے اس کے بعد آئے گی، اس کا ذکر کیا ہے کہ علامہ محمد عبدہ نے مجھ سے فرمایا کہ تم چاہتے ہو کہ انشاء پردازی کا درجہ حاصل کرلو تو امیرالمومنین حضرت علی کو اپنا استاد بناؤ اور ان کے کلام کو اپنے لیے چراغ قرار دو۔

موصوف کا یہ عقیدہ نہج البلاغہ کے متعلق کہ وہ تمام وکمال کا کلام ہے، اتنا نمایاں تھا کہ ان کے تمام شاگرد جو ان کے بعد سے اب تک مصر کے بلند پایہ اساتذہ میں رہے، اس حقیقت سے واقف تھے۔ چنانچہ استاد محمد محی الدین عبدالحمید مدرس کلیۂ لغتِ عربیہ، جامعہ ازہر جن کے خیالات خود ان کی عبارت میں اس کے بعد پیش ہوں گے، اپنے شائع کردہ ایڈیشن کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

عسيت ان تسأل رأى الاستاذ الامام الشيخ محمدعبده في ذلك وهوالذى بعث الكتاب من مرقده و لم يكن احد اوسع منه اطلاعاً و لا ادق تفكير اورد الجواب على هذا تساؤل انا نعتقد انه رحمه الله كان مقتنعاً بان الكتاب كله للامام على رحمه الله.

ممکن ہے تم اس بارے میں استاد امام شیخ محمد عبدہ کی رائے دریافت کرنا چاہتے ہو جنہوں نے اس کتاب کو خوابِ گمنامی سے بیدار کیا اور ان سے بڑھ کر کوئی وسعتِ اطلاع اور باریکی نگاہ میں مانا بھی نہیں جاسکتا تو اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ وہ اس کتاب کو تمام

وکمال امیرالمومنین کا کلام سمجھتے تھے۔

علامہ محمد عبدہ کا یہ مقدمہ جس کے اقتباسات ہم نے درج کئے ہیں، خود دنیائے ادبیت میں کافی اہمیت رکھتا ہے۔ چنانچہ سید احمد ہاشمی نے اپنی کتاب جواہرالادب حصہ اوّل میں صفحہ ۳۱۷، ۳۱۸ پر اسے تمام و کمال درج کردیا ہے اور اس پر عنوان قائم کیا ہے وصف نہج البلاغۃ للامام المرحوم الشیخ محمد عبدہ المتوفی ۱۳۲۲ھ۔

۱۳- ملک عرب کے مشہور مصنف، خطیب اور انشاء پرداز شیخ مصطفیٰ غلائینی استاذ التفسیر و الفقہ و الادب العربیہ فی الکلیۃ الاسلامیہ، بیروت، اپنی کتاب اریج الزھر میں زیرِ عنوان نھج البلاغۃ واسالیب الکلام العربی ایک مبسوط مقالہ کے تحت میں تحریر کرتے ہیں:

من احسن ماینبغی مطالعته لمن یتطلب الاسلوب العالی کتاب نهج البلاغة للامام علی رضی الله عنه و هوالکتاب الذی انشأت هذا المقال لاجله فان فیه من بلیغ الکلام و الاسالیب المدهشة وَ المعانی الرائقة و مناحی الموضوعات الجلیلة مایجعل مطالعه اذا زاوله مزاولة صحیحة بلیغا فی کتابته وخطابته ومعانیه.

بہترین چیز جس کا مطالعہ بلندمعیار ادب کے طلب گاروں کو لازم ہے وہ امیرالمومنین علی علیہ السلام کی کتاب نہج البلاغہ ہے اور یہی وہ کتاب ہے جس کے لیے خاص طور پر یہ مقدمہ لکھا گیا ہے۔ اس کتاب میں بلیغ کلام اور ششدر کردینے والے طرزِ بیان اور خوش نما مضامین اور مختلف عظیم الشان مطالب اپنی انشاپردازی اپنی خطابت اور اپنی گفتگو میں بلاغت کے معیار پر پورے اتر سکتے ہیں۔

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ اس کتاب سے کثیرالتعداد افراد بلکہ اقوام نے استفادہ کیا ہے جن میں سے ایک کاتب الحروف بھی ہے۔ میں ان تمام افراد کو جو عربی کے بلند اسلوبِ تحریر کے طالب اور کلامِ بلیغ کے جویاں ہوں، اس کتاب کے حاصل کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔

۱۴- استاذ محمد کرد علی رئیس مجمع علمی دمشق نے الہلال کے چار سوالات کے جواب میں جن میں سے تیسرا سوال یہ تھا کہ ماهی الکتب التی تنصحون الشبان الیوم بقرأتها. وہ کونسی کتابیں ہیں جن کے پڑھنے کی موجودہ زمانہ کے نوجوانوں کو آپ ہدایت کرتے ہیں۔ اس سوال کے جواب میں لکھا ہے:

اذا طلب البلاغة فی اتم مظاهرها و الفصاحة التی لم تشبها عجمة فعلیک بنهج

البلاغة ديوان خطب اميرالمومنين على بن ابى طالب و رسائله الىٰ عماله يرجع الىٰ فصل الانشاء والمنشئين فى كتابى. "القديم والحديث" طبع بمصر ۱۹۵۰ء

اگر بلاغت کا اس کے مکمل ترین مظاہرات کے ساتھ مشاہدہ مطلوب ہو اور اس فصاحت کو جس میں ذرہ برابر بھی زبان کی کوتاہی شامل نہیں ہے۔ دیکھنا ہو تو تم کو نہج البلاغہ کا مطالعہ کرنا چاہیے، جو امیرالمومنین علی ابن ابی طالب کے خطب ومکاتیب کا مجموعہ ہے۔ تفصیل کے لیے ہماری کتاب "القدیم الحدیث"۔ مطبوعہ مصر ۱۹۲۵ء فصل الانشاء والمنشؤن دیکھنا چاہئے۔

یہ جواب الہلال کی جلد نمبر ۳۵ کے شمارہ نمبر ۵ بابت ۱۵ مارچ ۱۹۲۷ء میں صفحہ ۵۷۲ پر شائع ہوا ہے۔

۱۵- استاذ محمد محی الدین المدرس فی کلیة العربیة بالجامع الازهر جنہوں نے نہج البلاغہ پر تعلیقات تحریر کئے ہیں اور علامہ شیخ محمد عبدہ کے حواشی برقرار رکھتے ہوئے بہت سے تحقیقات وشرح کا اضافہ کیا ہے اور ان حواشی کے ساتھ یہ کتاب مطبع استقامۃ مصر میں طبع ہوئی ہے۔ انہوں نے اس اڈیشن کے شروع میں اپنی جانب سے ایک مقدمہ بھی تحریر کیا ہے، جس میں نہج البلاغہ کے استناد اور اعتبار پر ایک سیر حاصل بحث کی ہے۔ اس کے ضروری اجزاء یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

و بعد فهذا كتاب نهج البلاغة و هو ما اختاره الشريف الرضى ابوالحسن محمد بن الحسين الموسوى من كلام اميرالمومنين على بن ابى طالب الذى جمع بين دفتيه عيون البلاغة و فنونها و تهيأت به للناظر فيه اسباب الفصاحة و دنا منه قطافها اذ كان من كلام افصح الخلق بعد الرسول صلى الله عليه وسلم منطيقا و اشدهم اقتدار او ابرعهم حجة و املكهم لغة يديرها كيف شاء الحكيم الذى تصدر الحكمة عن بيانه و الخطيب الذى يملاء القلب سحرا لسانه العالم الذى تهيّا له من خلاط الرّسول و كتابة الوحى و الكفاح عن الدين يسيفه و لسانه منذ حداثته ما لم يتهيّا لاحد سواه هذا كتاب نهج البلاغة و انا به حفى منذ طرائة السن و ميعة الشباب فلقد كنت اجد و الذى كثير القرأة فيه و كنت اجد عمى الاكبر يقضى معه طويل الساعات يردد عباراته و يستخرج معانيها و يتقبل اساويه و كان لهما من عظيم التاثير علىٰ نفسى ماجعلنى اتفوا اثرهما فاحله من قلبى المحلّ الاوّل و اجعله سيرى الذى لا يمل و اينسى الذى اخلوا اليه اذا عزّ الاينس.

یہ کتاب نہج البلاغہ امیرالمومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کے کلام کا وہ انتخاب ہے جو شریف رضی ابوالحسن محمد بن حسن موسوی نے کیا ہے۔ یہ وہ کتاب ہے، جو اپنے دامن میں بلاغت کے نمایاں جوہر اور فصاحت کے بہترین مُرقعے رکھتی ہے اور ایسا ہونا ہی چاہیے۔ کیوں کہ وہ ایسے شخص کا کلام ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعد تمام خلق میں سب سے زیادہ فصیح البیان سب سے زیادہ قدرتِ کلام کا مالک اور قوتِ استدلال میں زیادہ اور الفاظِ لغت عربی پر سب سے زیادہ قابو رکھنے والا تھا۔ کہ جس صورت سے چاہتا تھا، انہیں گردش دے دیتا تھا اور وہ بلند مرتبہ حکیم جس کے بیان سے حکمت کے سوتے پھوٹتے ہیں اور وہ خطیب جس کی جادو بیانی دلوں کو بھر دیتی ہے۔ وہ عالم جس کے لیے پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم خدا کے ساتھ انتہائی روابط اور وحی کی کتابت اور دین کی نصرت میں شمشیر و زبان دونوں سے جہاد کے ابتدائی عمر سے وہ مواقع حاصل ہوئے جو کسی دوسرے کو ان کے سوا حاصل نہیں ہوئے یہ ہے کتاب نہج البلاغہ، اور میں اپنے عنفوانِ شباب اور ابتدائے عمر ہی سے اس کا گرویدہ رہا ہوں، کیوں کہ میں اپنے والد کو دیکھتا تھا کہ وہ اکثر اس کتاب کو پڑھتے تھے اور اپنے بڑے چچا کو بھی دیکھتا تھا کہ وہ گھنٹوں پڑھتے رہتے اس کے معانی کو سمجھتے رہتے اور اس کے اندازِ بیان پر غور کرتے رہتے اور ان دونوں بزرگواروں کا میرے دل پر اتنا بڑا اثر تھا، جس نے مجھے بھی ان کے نقشِ قدم پر چلنے کے لیے مجبور قرار دیا جو ہمیشہ میرے لیے دلبستگی کا باعث ہے۔

اس کے بعد علامۂ مذکور نے ان اشخاص کا ذکر کیا ہے، جن کا رجحان یہ ہے کہ وہ اسے خود شریف رضیؒ کا کلام قرار دیتے ہیں ان کے خیالات کا جائزہ لیتے ہوئے موصوف رقم الطراز ہیں، کہتے ہیں کہ سب سے اہم اسباب جو اس کتاب کے کلامِ امیرالمومنین نہ ہونے سے متعلق پیش کیے جاتے ہیں، صرف چار ہیں۔ پہلے یہ کہ اس میں اصحابِ رسول کی نسبت ایسے تعریضات ہیں جن کا حضرت علی علیہ السلام سے صادر ہونا تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ خصوصاً معاویہ، طلحہ، زبیر، عمرو بن عاص اور ان کے اتباع کے بارے میں سب و شتم تک موجود ہے۔ دوسرے اس میں لفظی آرائش اور عبارات میں صنعت گری اس حد پر ہے، جو حضرت علی علیہ السلام کے زمانے میں مفقود تھی۔ تیسرے اس میں تشبیہات واستعارات اور واقعات و مناظر کی صورت کشی اتنی مکمل ہے جس کا پتہ صدرِ اسلام میں اور کہیں نہیں ملتا۔ اس کے ساتھ حکمت و فلسفہ کی اصطلاحیں اور مسائل کے بیان میں اعداد کا پیش کرنا، یہ باتیں اس زمانہ میں رائج نہ تھیں۔ چوتھے اس کتاب کی اکثر عبارتوں سے علمِ غیب کے ادّعا کا پتہ چلتا ہے، جو

حضرت علی ایسے پاکباز انسان کی شان سے بعید ہے۔

موصوف ان خیالات کو رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

خدا گواہ ہے کہ ہمیں ان اسباب میں سے کسی ایک میں اور ان سب میں مجموعی طور پر بھی کوئی واقعی دلیل، بلکہ دلیل نما شکل بھی اس دعوے کے ثبوت میں نظر نہیں آتی جو ان لوگوں کا مدعا ہے، بلکہ انہیں تو ایسے شکوک و شبہات کا درجہ بھی نہیں دیا جاسکتا جو کسی حقیقت کے ماننے میں تھوڑا سا دغدغہ بھی پیدا کرسکتے ہوں اور جن کے رفع کرنے کی ضرورت ہو۔ پھر انہوں نے ایک ایک کرکے ہر بات کو رد بھی کیا ہے۔ پہلی بات کے متعلق جو کچھ انہوں نے کہا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول کے بعد مسئلہ خلافت میں طرز عمل ہی ایسا اختیار کیا گیا، جس سے فطرتاً حضرت علی علیہ السلام کو شکایت ہونا ہی چاہیے تھی اور آپ کی خلافت کے دور میں اہل شام نے آپ کے خلاف جو بغاوت کی، اس سے آپ کو تکلیف ہونا ہی چاہیے۔ ہر دور کے متعلق آپ کے جس طرح کے الفاظ ہیں وہ بالکل تاریخی حالات کے مطابق ہیں، اس لیے اس میں شک وشبہ کا کیا محل ہے۔

دوسری اور تیسری دلیل کا یہ جواب ہے کہ حضرت علی ابن ابی طالب کا سا مرتبہ فصاحت اور حکمت دونوں میں کسی اور شخص کو حاصل نہیں تھا، تو پھر آپ کے کلام کی خصوصیتیں اس دور میں کسی اور کے یہاں مل ہی کیونکر سکتی ہیں، رہ گیا سجع و قافیہ کا التزام، وہ آپ کے یہاں اس طرح نہیں جس سے آورد ظاہر ہو یا معانی پر اس کا اثر پڑے اور اس حد تک قافیہ وغیرہ کا التزام اس دور میں عموماً رائج تھا۔

چوتھی دلیل کے جواب میں علامۂ مذکور نے جو کہا ہے، وہ ہمارے مذہبی عقائد کے بے شک مطابق نہیں ہے، مگر وہ خود ان کے نقطۂ نظر کا حامل ہے، وہ کہتے ہیں کہ جسے علم غیب سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اسے ہم فراست اور زمانہ کی نبض شناسی کا نتیجہ سمجھتے ہیں جو علی ایسے حکیم انسان سے بعید نہیں ہے۔ جیسا کہ ہم نے کہا، یہ جواب انہوں نے مادی ذہنیت کے مطابق دیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اگر خدا کے دیئے ہوئے علم غیب کا مظاہرہ باعث انکار قرار دیا جائے، تو اکثر احادیث نبویہ بھی اس زد میں آجائیں گی اور خدا کی طرف سے علم غیب کا مظاہرہ تو اکثر قرآن کی آیات سے نمودار ہی ہے۔ پھر قرآن کی آیتوں کا بھی انکار کرنا چاہیے اور اگر علم الٰہی کی بنا پر ان آیات کو تسلیم کیا جائے تو اس کے عطا کردہ علم سے علیؑ جیسے عالم ربانی کے کلام میں اس طرح کی باتوں کے تذکرہ پر بھی کسی حرف گیری کا موقع نہیں ہے۔

۱۶- استاد شیخ محمد حسن نائل المرصفی نے بھی نہج البلاغہ کی ایک شرح لکھی ہے، جو دارالکتب العربیہ سے شائع ہوئی ہے: اس کے مقدمہ میں کلمة فی اللغة العربیه کا عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں:

و لقد کان المجلّی فی هذه الحلیة علیٰ صلوات الله علیه و ما حسبنی احتاج فی اثبات هذا الیٰ دلیل اکثر من نهج البلاغة ذلک الکتاب الذی اقامه الله حجة واضحة علی ان علیاً رضی الله عنه قد کان احسن مثال حی لنور القرآن و حکمتا و علم و هدایت و اعجاز و فصاحته اجتمع لعلیٰ فی هذا الکتاب مالم یجتمع لکبار الحکماء و افذاذ الفلاسفة و نوابغ الربانین من آیات الحکمة السامیة و قواعد السیاسیة المستقیمة و من کل موعظة باهرة و حجة بالغة تشهدله بالفضل و حسن الاثر خاض علی فی هذ الکتاب لجّة العلم و السیاسة و الدین فکان فی کل هذه المسائل نابغة مبرزاً.

اس میدان میں سب سے آگے حضرت علی ابنِ ابی طالب تھے اور اس دعویٰ کا سب سے بڑا ثبوت نہج البلاغہ ہے، جسے اللہ نے ایک واضح حجت اس کی بنایا ہے کہ علی ابنِ ابی طالب قرآن کے نور اور حکمت اور علم اور ہدایت اور اعجاز اور فصاحت کی بہترین زندہ مثال تھے ان میں حضرت علی کی زبان اور اتنی چیزیں یکجا ہیں، جو بڑے علماء اور یکتائے زمانہ فلاسفہ اور شہرۂ آفاق علمائے ربانیین ان سب کی زبان ملا کر بھی یکجا نہیں ملتیں، حکمت کی بلند نشانیاں اور صحیح سیاست کے قواعد حیرت خیز موعظہ اور موثر استدلال اس کتاب میں علی ابنِ ابی طالب نے علمِ سیاست اور دین کے ہر دریا کی غواصی کی ہے اور یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ ان میں سے ہر شعبہ میں یکتائے روزگار تھے۔

۱۷- استاذ محمد الزہری الغمراوی جنہوں نے مرصفی کی مذکورہ بالا شرح پر ایک مقدمہ تحریر کیا ہے۔ اس میں طبقات الفصحاء کے عنوان کے تحت وہ لکھتے ہیں:

و لم ینقل عن احد من اهل هذه الطبقات مانقل عن امیرالمومنین علی ابن طالب کرم الله وجهه فقداشتملت مقالاته علی المواعظ الزهدیة و المناهج السیاسیة و الزواجر الدینیة و الحکم النفسیة و الاداب الخلقیة و الدرر التوحیدیة و الاشارات الغیبیة الردود علی الخصوم و الحصائح علیٰ وجه العموم و قد احتوی علی غرر کلامه کرام الله وجهه کتاب نهج البلاغة الذی جمعه و هذبه ابوالحسن محمد بن طاهر المشهور بالشریف الرضی رحمه الله و اثابه و ارضاه.

ان تمام طبقات کے لوگوں میں سے کسی ایک سے بھی وہ کارنامہ نقل ہوکر ہم تک نہیں پہنچا، امیرالمومنین علی ابنِ ابی طالب کرم اللہ وجہہ کی زبانی پہنچا ہے۔ آپ کے مقالات، زاہدانہ مواعظ، سیاسی مسلک اور دینی ہدایات، نفیس فلسفی بیانات، اخلاقی تعلیمات، توحید کے جواہر، غیبی اشارات، مخالفین کی ردوقدح اور عمومی نصائح پر مشتمل ہے جو آپ کے کلام کے روشن اقتباسات پر مشتمل کتاب نہج البلاغہ ہے۔ جسے ابوالحسن محمد ابن طاہر مشہور بہ شریف رضی رحمہ اللہ نے جمع کیا ہے۔

۱۸- الاستاذ عبدالوهاب حموده استاذ الادب والحديث بكلية الاداب جامعه فوادالاول مصر نے اپنے مقالہ الآراء الاجتماعيه فی نهج البلاغة. میں جو رسالۃ الاسلام، قاہرہ کے جلد ۳، عدد ۳ بابت ماہ رمضان ۱۳۷۰ھ مطابق جولائی ۱۹۵۱ء میں شائع ہوا ہے، لکھا ہے کہ: وقد اجتمع له رضی الله عنه فی كتاب نهج البلاغة مايجتمع لكبار الحكماء و افذاذ الفلاسفة و نوابغ الربانيين من ايات الحكمة السامية، قواعد السياسية المستقيمة و من كل موعظة باهرة، و حجة بالغة و آراء اجتماعية، و اسس حربية، مما يشهد للامام بالفضل و حسن الاثر.

حضرت علی ابنِ ابی طالب السلام کی زبان سے کتاب نہج البلاغہ میں تن تنہا وہ تمام چیزیں اکٹھا ہوگئی ہیں جو اکابر علماء اور یکتائے روزگار فلاسفہ اور سربرآوردہ علمائے ربانیین سے مجموعی طور پر یکجا کی جاسکتی ہیں، بلند حکمت کی نشانیاں اور صحیح سیاست کے قواعد اور ہر طرح کا حیرت خیز موعظ اور موثر استدلال اور اجتماعی تصورات یہ سب امیرالمومنین کی فضیلت اور بہترین کارگزاری کا بیّن گواہ ہیں۔

۱۹- علامہ ابونصر پروفیسر بیروت یونیورسٹی نے اپنی کتاب علی ابن ابی طالب کی فصل ۳۱ میں امیرالمومنین کے آثار عربی میں نہج البلاغہ کا ذکر کیا ہے اور اس ذیل میں لکھا ہے کہ یہ کتاب علی ابن ابی طالب کی عظیم شخصیت کی مظہر ہے۔

۲۰- قاضی علی ابن محمد شوانی صاحب نیل الاوطار نے اپنی کتاب "اتحاف الاكابر باسانيد الدفاتر". طبع حیدرآباد (باب النون) میں نہج البلاغہ کے لیے اپنی سند متصل درج کرتے ہوئے لکھا ہے نهج البلاغه من كلام علی رضی الله۔ یہ وہ حقیقت ہے، جس کا متعدد عیسائی محققین نے بھی اعتراف کیا ہے۔

۱- عبدالمسیح انطا کی صاحب جریدۂ "العمران" مصر، جنہوں نے امیرالمومنین کی سیرت میں اپنی

مشہور کتاب'' شرح قصیدۂ علویہ'' تحریر کی ہے اور وہ مطبع رعمسیس فجالہ، مصر میں شائع ہوئی ہے وہ اس کے ص ۵۳ پر تحریر کرتے ہیں:

لاجدال ان سیدنا علیاً امیرالمومنین هو امام الفصحآء و استاذ البلغاء و اعظم من خطب و کتب فی حرف اهل هذه الصناعة الالبآء و هذا لامام قد قیل فیه بحق انه فوق کلام الخلق و تحت کلام الخالق قال هذا کل من عرف فنون الکتاب و اشتغل فی صناعة التحییر و التحریر بل هو استاذ کتاب العرب و معلمهم بال مرآء فما من ادیب لبیب حاول اتقان صناعة التحریر الاوّلین یدیه القرآن و نهج البلاغة ذالک کلام الخالق وهذا کلام اشرف المخلوقین و علیهما یعوّل فی التحریر و التحییراذا اراد ان یکو ن فی معاشر الکتبة المجیدین و لعل افضل من خدم لغة قریش الشریف الرضی الذی جمع خطب و اقوال و حکم و رسائل سیدنا امیرالمومنین و اصاب کل الاصابة باطلاقه علیه اسم"نهج البلاغة" و ما هذا الکتاب الا صراط المستقیم لمن یحاول الوصول من معاشر المتادبین۔

اس میں کوئی کلام نہیں ہوسکتا کہ سیّدنا حضرت علی امیرالمومنین فصیحوں کے امام اور بلیغوں کے استاد اور عربی زبان میں خطابت اور کتابت کرنے والوں میں سب سے زیادہ عظیم المرتبت ہیں اور یہ وہ کلام ہے، جس کے بارے میں بالکل صحیح کہا گیا ہے کہ یہ کلامِ مخلوق سے بالاتر اور کلام خالق سے نیچے ہے۔ یہ ہر اس شخص کا قول ہوگا جس نے انشاء پردازی کے فنون سے واقفیت حاصل کی ہو اور تحریر کا مشغلہ رکھا ہو، بلکہ آپ بلاشبہ تمام عرب انشاء پردازوں کے استاد اور معلم ہیں۔ کوئی ادیب ایسا نہیں ہے جو تحریر کے فن میں کمال حاصل کرنا چاہے، مگر یہ کہ اس کے سامنے قرآن ہوگا۔ اور نہج البلاغہ کہ ایک خالق کا کلام ہے اور دوسرا اشرف المخلوقین کا اور انہیں پر اعتماد کرے گا ہر وہ شخص جو چاہے گا کہ اچھے لکھنے والوں میں اس کا شمار ہو، غالباً زبانِ عربی کی خدمت کرنے والوں میں سب سے بڑا درجہ شریف رضیؒ کا ہے جنہوں نے امیرالمومنین کے یہ خطبے اور اقوال اور حکیمانہ ارشادات اور خطوط لوگوں کے لئے محفوظات اور مخطوطات سے یکجا کیے ہیں، اور انہوں نے اس کا نام'' نہج البلاغہ'' بھی بہت ٹھیک رکھا۔ بلاشبہ یہ بلاغت کا صراط مستقیم ہے ہر اس شخص کے لیے جو اس منزل تک پہنچنا چاہے۔

اس کے بعد انہوں نے شیخ محمد عبدہ کی رائے بیان کی ہے اور اس کے بعد لکھا ہے کہ ایک مرتبہ شیخ

ابراہیم یازجی نے جو اس آخری دور میں متفقہ طور پر عربی کے کامل انشاء پرداز اور امام اساتذہ لغت مانے گئے ہیں، مجھ سے فرمایا کہ مجھے اس فن میں جو مہارت حاصل ہوئی ہے، وہ صرف قرآن مجید اور نہج البلاغہ کے مطالعہ سے یہ دونوں عربی زبان کے وہ خزانہ عامرہ ہیں جو کبھی ختم نہیں ہو سکتے۔

۲- فاوء افرام البستانی، استاذ الآداب العربیة فی کلیة التالیس یوسف (بیروت)

انہوں نے ایک سلسلہ تعلیمی کتابوں کا روائع کے نام سے شروع کیا ہے، جس میں مختلف جلیل المرتبہ مصنفین کے آثار قلمی اور تصانیف سے مختصر انتخابات، مصنف کے حالات، کمالات، کتاب کی تاریخی تحقیقات وغیرہ کے ساتھ چھوٹے مجموعوں کی صورت میں ترتیب دیئے ہیں اور وہ کیتھلک عیسائی پریس (بیروت) میں شائع ہوئی ہیں۔ اس سلسلہ کا پہلا مجموعہ امیرالمومنین اور نہج البلاغہ سے متعلق ہے جس کے بارے میں مولف نے اپنے مقدمہ میں تحریر کیا ہے:

اننا نبدأ الیوم بنشر منتخبات من نهج البلاغة للامام علی ابنِ ابی طالب اول مفکری الاسلام.

ہم سب سے پہلے اس سلسلہ کی ابتدا کرتے ہیں نہج البلاغہ کے انتخابات کے ساتھ جو اسلام کے سب سے پہلے مفکر امام علی ابن علی طالب کی کتاب ہے۔

اس کے بعد وہ سلسلہ شروع ہوا ہے جو سلسلۂ روائع کی پہلی قسط ہے۔ اس کا پہلا عنوان ہے۔ ''علی ابن ابی طالب'' جس کے مختلف عناوین کے تحت میں امیرالمومنین کی سیرت اور ان کی خصوصیات زندگی پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ جو ایک عیسائی کی تحریر ہوتے ہوئے پورے طور سے شیعی نقطۂ نظر کے موافق نہ سہی، لیکن پھر بھی حقیقت وانصاف کے بہت سے جوہر اپنے دامن میں رکھتی ہے۔ دوسرا عنوان ہے ''نہج البلاغہ'' اور اس کے ذیلی عناوین میں ایک عنوان ہے ''جمعہ'' دوسرا عنوان ہے۔ ''صحة نسبته''۔ اس کے تحت میں لکھا ہے۔ ''نہج البلاغہ'' کے جمع وتالیف کو بہت زمانہ نہیں گزرا تھا کہ بعض اہل نظر اور مؤرخین نے اس کی صحت میں شک کرنا شروع کیا، جن کا پیشرو ابن خلکان ہے، جس نے اپنی کتاب کو اس کے جامع کی طرف منسوب کیا ہے اور پھر صفدی وغیرہ نے اس کی پیروی کی اور پھر شریف رضی کے بسا اوقات اپنے دادا مرتضیٰ کے لقب سے یاد کئے جانے کی وجہ سے بعض لوگوں کو دھوکا ہو گیا۔ اور وہ ان میں اور ان کے بھائی علی بن طاہر معروف بہ سیّد مرتضیٰ متولد ۹۶۶ء متوفی ۱۰۴۴ء میں تفرقہ نہ سمجھ سکے اور انہوں نے نہج البلاغہ کے جمع کو ثانی الذکر کی طرف منسوب کر دیا۔ جیسا

کہ جرجی زیدان نے کیا ہے اور بعض لوگوں نے جیسے مستشرق کلیان نے یہ طرہ کیا کہ اصل مصنف کتاب کا سید مرتضیٰ ہی کو قرار دے دیا ہم جب اس شک کے وجوہ واسباب پر غور کرتے ہیں تو وہ ہر پھر کے پانچ امر ہوتے ہیں۔

اس کے بعد انہوں نے شک کے تقریباً وہی اسباب تحریر کئے ہیں جو ان کے پہلے محی الدین عبدالحمید شارح نہج البلاغہ کے بیان میں گزر چکے ہیں اور پھر انہوں نے ان وجوہ کو رد کیا ہے۔

۳- بیروت کے شہرۂ آفاق مسیحی ادیب اور شاعر پولس سلامہ اپنی کتاب "اول ملحمہ عربیہ عیدالغدیر" میں جو مطبعۃ النصر بیروت میں شائع ہوئی ہے۔ صفحہ ۷۱، ۷۲ پر لکھتے ہیں۔

"نہج البلاغہ" مشہور ترین کتاب ہے، جس سے امام علی علیہ السلام کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور اس کتاب سے بالاتر سوا قرآن کے اور کسی کتاب کی بلاغت نظر نہیں آتی۔ اس کے بعد حسب ذیل اشعار نہج البلاغہ کی مدح میں درج کئے گئے ہیں:

هذه الكهف للمعارف باب	مشرع من مدينه الاسرا
تنثرالدر في كتاب مبين	سفر نهج البلاغة المختار
هوروض من كل زهرجنى	اطلعته السماء فى نوّار
فيه من نضرةالورد العذارى	والخزامى و الفذ و الجلنار
فى صفاء الينبوع يجرى زلالا	كو ثر ارائقا بعيد القرار
تلمع الشط والضفاف ولكن	بالعجز العيون فى الاغرار

یہ معارف وعلوم کا مرکز اور اسرار و رموز کا کھلا ہوا دروازہ ہے۔ یہ نہج البلاغہ کیا ہے، ایک روشن کتاب میں بکھرے ہوئے موتی ہیں۔ یہ چنے ہوئے پھولوں کا ایک باغ ہے، جس میں پھولوں کی لطافت چشموں کی صفائی اور آب کوثر کی شیرینی جس نہر کی وسعت اور کنارے تو آنکھوں سے نظر آتے ہیں مگر تہ تک نظریں پہنچنے سے قاصر ہیں۔

مولائے متقیان حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کا فرمان
مصر کے گورنر مالک بن اشتر کے نام

مترجم: مفتی جعفر حسین

اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ مغربی ممالک اور ان کی ظاہری تڑک بھڑک اور لحاظی رعنائیوں کے دلدادہ افراد کی جماعت یہ دعوی کرتی ہے کہ صلاحیت کی بنیاد پر عہدوں کی فراہمی، انسانی حقوق کی حفاظت و پاسداری، مفلس و نادار افراد کی کفالت و سرپرستی، عوامی حقوق کی نگہداری، اظہار خیال کی آزادی، علم و عالم کی لازمی حمایت و سرپرستی اور اقلیتوں کے حقوق کی فراہمی وغیرہ مغربی دانشوروں کی ایجاد ہے حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ مصر کے نامزد گورنر مالک اشتر کے نام حضرت علی علیہ السلام کے مندرجہ ذیل فرمان کے مطالبہ کے بعد یہ حقیقت بخوبی واضح ہوجائے گی کہ تقریباً چودہ سو برس قبل انہوں نے جو ہدایات جاری فرمائی تھیں اگر موجودہ زمانہ میں بھی ان کی پیروی کی جائے تو اس دنیا کو صلح و سلامتی اور انسان دوستی کے گہوارہ میں تبدیل کیا جاسکتا ہے جس کے لئے انسان شناسی، خودشناسی اور خداشناسی جیسی منزلوں سے گزرنا لازمی ہے۔ ان مراحل سے گزرنے کے بعد انسان کو اطمینان و اعتماد کی دولت حاصل ہوجاتی ہے اور دولت اطمینان کے سامنے دنیوی مال و دولت کے انبار کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہ جاتی۔ ادارہ

یہ وہ فرمان ہے جو بندۂ خدا، امیر المومنین حضرت علیؑ نے مالک بن حارث اشتر نخعی کے نام لکھا ہے جب انہیں خراج جمع کرنے، دشمن سے جہاد کرنے، حالات کی اصلاح کرنے اور شہروں کی تعمیر و ترقی اور آبادکاری کے لئے مصر کا حاکم (گورنر) بنا کر روانہ کیا تھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سب سے پہلا امر یہ ہے کہ اللہ سے ڈرو، اس کی اطاعت کو اختیار کرو اور جن فرائض و سنن کا اپنی کتاب میں حکم دیا ہے ان کا اتباع کرو کیونکہ کوئی شخص ان کے اتباع کے بغیر نیک بخت نہیں ہوسکتا ہے اور کوئی شخص ان کے انکار اور بربادی کے بغیر بدبخت نہیں قرار دیا جاسکتا۔ اپنے دل، ہاتھ اور زبان سے دین خدا کی مدد کرتے رہنا کیونکہ خدائے ''عزّ اسمہٗ'' نے یہ ذمہ داری لی ہے کہ اپنے مددگاروں کی مدد کرے گا اور اپنے دین کی حمایت کرنے والوں کو عزت و شرف عنایت کرے گا۔

دوسرا حکم یہ ہے کہ اپنے نفس کی خواہشات کو کچل دو اور اسے منہ زوریوں سے روکے رہو کیونکہ نفس برائیوں کا حکم دینے والا ہے۔ تاوقتیکہ پروردگار کا رحم شامل نہ ہو جائے۔ اس کے بعد اے مالک! یہ یاد رکھنا کہ میں نے تم کو ایسے علاقہ کی طرف بھیجا ہے جہاں عدل وظلم پر مبنی مختلف حکومتیں گذر چکی ہیں۔لوگ تمہارے معاملات کو اسی نظر سے دیکھ رہے ہیں جس نظر سے تم ان کے اعمال کو دیکھ رہے تھے۔ پس ایسا نہ ہو کہ لوگ تمہارے بارے میں وہی کہیں جو تم دوسروں کے بارے میں کہہ رہے تھے۔ نیک کردار بندوں کی شناخت اس ذکر خیر سے ہوتی ہے جو ان کے لئے لوگوں کی زبان پر جاری ہوتا ہے لہذا تمہارا محبوب ترین ذخیرہ عمل صالح کو ہونا چاہئے۔ خواہشات کو روک کر رکھو اور جو چیز حلال نہ ہو اس کے بارے میں نفس کو صرف کرنے سے بخل کرو کیونکہ یہی بخل اس کے حق میں انصاف ہے چاہے اسے اچھا لگے یا برا۔ رعایا کے ساتھ مہربانی اور محبت و رحمت کو اپنے دل کا شعار بنا لو اور خبردار ان کے حق میں پھاڑ کھانے والے درندہ کے مثل نہ ہو جانا کہ انہیں کھا جانے ہی کو غنیمت سمجھنے لگو۔ دیکھو! مخلوقات خدا کی دو قسمیں ہیں۔ بعض تمہارے دینی بھائی ہیں اور بعض خلقت میں تمہارے جیسے بشر ہیں جن سے لغزشیں بھی ہو جاتی ہیں اور انہیں خطاؤں کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے اور جان بوجھ کر یا دھوکے سے اس سے غلطیاں بھی ہو جاتی ہیں۔ لہذا انہیں ویسے ہی معاف کر دینا جس طرح تم چاہتے ہو کہ پروردگار تمہاری غلطیوں سے درگذر کرے کیوں کہ تم ان سے بالاتر ہو اور تمہارا ولی امر تم سے بالا تر ہے اور پروردگار تمہارے ولی سے بھی بالاتر ہے اور اس نے تم سے ان کے معاملات کی انجام دہی کا مطالبہ کیا ہے اور اسے تمہارے لئے ذریعہ آزمائش بنا دیا ہے۔ خبردار! اپنے نفس کو اللہ کے مقابلہ پر نہ اتار دینا کیونکہ تمہارے پاس اس کے عذاب سے بچنے کی طاقت نہیں ہے اور تم اس کے عفو اور رحم سے بے نیاز بھی نہیں ہو۔ خبردار! کسی کو معاف کر دینے پر نادم نہ ہونا اور کسی کو سزا دے کر اکڑ نہ جانا۔ غیظ وغضب کے اظہار میں جلدی نہ کرنا اگر اس کے ٹال دینے کی گنجائش پائی جاتی ہو۔ اور خبردار یہ نہ کہنا کہ مجھے حاکم بنایا گیا ہے لہذا میری شان یہ ہے کہ میں حکم دوں اور میری اطاعت کی جائے کیونکہ اس خیال کیوجہ سے دل میں فساد داخل ہو جائے گا، دین کمزور پڑ جائے گا اور انسان تغیرات زمانہ سے قریب تر ہو جائے گا۔ اگر کبھی سلطنت وحکومت کو دیکھ کر تمہارے دل میں عظمت و کبریائی اور غرور پیدا ہونے لگے تو پروردگار کے عظیم ترین ملک پر غور کرنا اور یہ دیکھنا کہ وہ تمہارے اوپر تم سے زیادہ قدرت رکھتا ہے پس اس طرح تمہاری سرکشی دب جائے گی۔ تمہاری طغیانی

رک جائے گی اور تمہاری گئی ہوئی عقل واپس آ جائے گی۔

دیکھو خبردار! اللہ سے اس کی عظمت میں مقابلہ اور اس کے جبروت سے تشابہ کی کوشش نہ کرنا کیونکہ وہ ہر جبار کو ذلیل کر دیتا ہے اور ہر مغرور کو پست بنا دیتا ہے۔اپنی ذات، اپنے اہل و عیال اور رعایا میں جن سے تمہیں تعلق خاطر ہے سب کے سلسلہ میں اپنے نفس اور اپنے پروردگار سے انصاف کرنا اگر ایسا نہ کرو گے تو ظالم بن جاؤ گے اور جو اللہ کے بندوں پر ظلم کرے گا اس کے دشمن بندے نہیں خود پروردگار ہوگا اور جس کا دشمن پروردگار ہو جائے اس کی ہر دلیل باطل ہو جائے گی اور پروردگار کا مد مقابل شمار کیا جائے گا۔ جب تک اپنے ظلم سے باز نہ آ جائے یا توبہ نہ کر لے۔ اللہ کی نعمتوں کی بربادی اور اس کے عذاب میں عجلت کا کوئی سبب ظلم پر قائم رہنے سے بڑا نہیں ہے۔ اس لئے کہ وہ مظلومین کی فریاد کا سننے والا ہے اور ظالموں کے لئے موقع کا انتظار کر رہا ہے۔

تمہارے لئے پسندیدہ کام وہ ہونا چاہئے جو حق کے اعتبار سے بہترین، انصاف کے اعتبار سے سب کو شامل اور رعایا کی مرضی سے اکثریت کے لئے پسندیدہ ہو کیونکہ عام افراد کی ناراضگی خواص کی رضامندی کو بھی بے اثر بنا دیتی ہے اور خاص لوگوں کی ناراضگی عام افراد کی رضامندی کے سبب قابل معافی ہو جاتی ہے۔ رعایا میں خواص سے زیادہ حاکم پر خوشحالی میں بوجھ بننے والا اور بلاؤں میں کم سے کم مدد کرنے والا، انصاف کو ناپسند کرنے والا اور اصرار کے ساتھ مطالبہ کرنے والا، عطاؤں پر کم سے کم شکریہ ادا کرنے والا اور نہ دینے کے موقع پر بمشکل عذر قبول کرنے والا اور زمانے کے مصائب میں کم سے کم صبر کرنے والا کوئی نہیں ہوتا ہے۔

مسلمانوں کی اجتماعی طاقت ہی دین کا ستون ہے۔ دشمنوں کے مقابلے میں سامان حرب عوام الناس ہی ہوتے ہیں لہذا تمہارا جھکاؤ انہیں کی طرف ہونا چاہئے اور تمہارا رجحان انہیں کی طرف ضروری ہے۔ رعایا میں سب سے زیادہ دور اور تمہارے نزدیک مبغوض اس شخص کو ہونا چاہئے جو سب سے زیادہ لوگوں کے عیوب کا تلاش کرنے والا ہو۔

اس لئے کہ لوگوں میں بہر حال کمزوریاں پائی جاتی ہیں اور ان کی پردہ پوشی کی سب سے زیادہ ذمہ داری حاکم پر ہے لہذا خبردار جو عیب تمہارے سامنے نہیں ہے اس کا انکشاف نہ کرنا۔ تمہاری ذمہ داری صرف عیوب کی اصلاح کر دینا ہے اور غائبات کا فیصلہ کرنے والا پروردگار ہے۔ جہاں تک ممکن ہو لوگوں کے ان تمام عیوب کی پردہ پوشی کرتے رہو بالکل اسی طرح جیسے اپنے عیوب کی پردہ پوشی کی

پروردگار سے تمنا کرتے ہو۔ لوگوں کی طرف سے کینہ کی ہر گرہ کو کھول دو اور دشمنی کی ہر رسی کو کاٹ دو اور جو بات تمہارے لئے واضح نہ ہو اس سے انجان بن جاؤ اور ہر چغل خور کی تصدیق میں عجلت سے کام نہ لو کیونکہ چغل خور ہمیشہ خیانت کار ہوتا ہے چاہے وہ مخلصین ہی کے بھیس میں کیوں نہ آئے۔

مشاورت

دیکھو اپنے مشورہ میں کسی بخیل کو شامل نہ کرنا کہ وہ تم کو فضل و کرم کے راستہ سے ہٹا دے گا اور فقر و فاقہ کا خوف دلاتا رہے گا اور اسی طرح بزدل سے مشورہ نہ کرنا کیونکہ وہ ہر معاملہ میں کمزور بنا دے گا۔ اور حریص سے بھی مشورہ نہ کرنا کیونکہ وہ ظالمانہ طریقہ سے مال جمع کرنے کو بھی تمہاری نگاہوں میں آراستہ کر دے گا۔ یہ بخل، بزدلی اور طمع اگرچہ الگ الگ جذبات و خصائل ہیں لیکن ان سب کا قدر مشترک پروردگار سے سوء ظن ہے جس کے بعد ان خصلتوں کا ظہور ہوتا ہے۔

وزارات و معاونت

دیکھو! تمہارے وزراء میں سب سے زیادہ بدتر وہ ہے جو تم سے پہلے اشرار کا وزیر رہ چکا ہے اور ان کے گناہوں میں شریک رہ چکا ہے۔ لہٰذا خبردار! ایسے افراد کو اپنے خواص میں شامل نہ کرنا کیونکہ یہ ظالموں کے مددگار اور خیانت کاروں کے بھائی بند ہیں اور تمہیں ان کے بدلے بہترین افراد مل سکتے ہیں جن کے پاس ان لوگوں جیسی عقل اور کارکردگی ہو لیکن ان کے جیسے گناہوں کے بوجھ اور خطاؤں کے انبار نہ ہوں۔ نہ انہوں نے کسی ظالم کی اس کے ظلم میں مدد کی ہو اور نہ کسی گناہگار کا اس کے گناہ میں ساتھ دیا ہو۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا بوجھ تمہارے لئے ہلکا ہوگا اور یہ تمہارے بہترین مددگار ہوں گے۔ یہ لوگ تمہاری طرف محبت کا جھکاؤ اور اغیار سے انس و الفت بھی نہ رکھتے ہوں گے۔ انہیں لوگوں کو اپنے مخصوص اجتماعات میں اپنا مصاحب قرار دینا اور پھر ان میں بھی سب سے زیادہ حیثیت اسے دینا جو حق کے حرف تلخ کو کہنے کی زیادہ ہمت رکھتا ہو اور تمہارے کسی عمل میں تمہارا ساتھ نہ دے جسے پروردگار اپنے اولیاء کے لئے ناپسند کرتا ہو چاہے وہ تمہاری خواہشات سے کتنی زیادہ میل کیوں نہ کھاتی ہوں۔

مصاحبت

اپنا قریبی رابطہ اہل تقویٰ اور اہل صداقت سے رکھنا اور انہیں بھی اس امر کی تربیت دینا کہ بلا سبب

تمہاری تعریف نہ کریں اور کسی ایسے بے بنیاد عمل کا غرور نہ پیدا کرائیں جو تم نے انجام نہ دیا ہو کیونکہ زیادہ تعریف سے غرور پیدا ہوتا ہے اور غرور انسان کو سرکشی سے قریب تر بنا دیتا ہے۔

دیکھو خبردار! نیک کردار اور بدکردار تمہارے نزدیک یکساں نہ ہونے پائیں کیونکہ اس طرح نیک کرداروں میں نیکی سے بددلی پیدا ہوگی اور بدکرداروں میں بدکرداری کا حوصلہ پیدا ہوگا۔ ہر شخص کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرنا جس کے قابل اس نے اپنے کو بنایا ہے اور یاد رکھنا کہ حاکم کو رعایا سے حسن ظن کی اس قدر توقع کرنی چاہیے جس قدر ان کے ساتھ احسان کیا ہے اور ان کے بوجھ کو ہلکا بنایا ہے اور ان کو کسی ایسے کام پر مجبور نہیں کیا ہے جو ان کے امکان میں نہ ہو۔ لہٰذا تمہارا برتاؤ اس سلسلہ میں ایسا ہی ہونا چاہئے جس سے تم رعایا سے زیادہ سے زیادہ حسن ظن پیدا کر سکو کیونکہ یہ حسن ظن بہت سی اندرونی زحمتوں کو قطع کر دیتا ہے اور تمہارے حسن ظن کا بھی سب سے زیادہ حقدار وہ ہے جس کے ساتھ تم نے بہترین سلوک کیا ہے۔

سب سے زیادہ بدظنی کا حقدار وہ ہے جس کا برتاؤ تمہارے ساتھ خراب رہا ہو۔ دیکھو کسی ایسی نیک سنت کو مت توڑ دینا جس پر اس امت کے بزرگوں نے عمل کیا ہے کیونکہ اسی سنت کے ذریعہ سماج میں الفت قائم ہوتی ہے اور رعایا کے حالات کی اصلاح بھی ہوتی ہے۔ دیکھو کسی ایسی سنت کو رائج نہ کر دینا جو گذشتہ سنتوں کے حق میں نقصان دہ ہو کیونکہ اگر تم نے ایسا کیا تو اس کا اجر اس کے لئے ہوگا جس نے سنت کو ایجاد کیا ہے اور گناہ تمہاری گردن پر ہوگا کہ تم نے اسے توڑ دیا ہے۔

ان مسائل کے بارے میں علماء کے ساتھ علمی مباحثہ اور حکماء کے ساتھ سنجیدہ بحث جاری رکھنا جن سے علاقہ کے امور کی اصلاح ہوتی ہے اور وہ امور قائم ہیں جن سے گذشتہ افراد کے حالات کی اصلاح ہوئی ہے۔

عوام کے مختلف طبقات

یاد رکھو کہ رعایا کے بہت سے طبقات ہوتے ہیں جن میں کسی ایک کی اصلاح دوسرے کے بغیر نہیں ہو سکتی ہے اور کوئی ایک دوسرے سے مستغنی نہیں ہو سکتا ہے۔ انہیں میں اللہ کے لشکر کے سپاہی ہیں اور انہیں میں عام اور خاص امور کے کاتب بھی۔ انہیں میں عدالت سے فیصلہ کرنے والے ہیں اور انہیں میں انصاف اور نرمی قائم کرنے والے افسران و عمال بھی۔ انہیں میں مسلمان اہل خراج اور کافر اہل

ذمہ ہیں اور انہیں میں تجارت اور صنعت وحرفت والے افراد ہیں اور پھر انہیں میں فقراء و مساکین کا پست ترین طبقہ بھی شامل ہے اور سب کے لئے پروردگار نے ایک حصہ معین کر دیا ہے اور اپنی کتاب میں فرائض یا اپنے پیغمبرؐ کی سنت میں اس کی حدیں قائم کر دی ہیں اور یہ وہ عہد ہے جو ہمارے پاس محفوظ ہے۔

فوجی دستے حکم خدا سے رعایا کے محافظ اور والیوں یعنی حاکموں کی زینت ہیں۔ انہیں سے دین کی عزت ہے اور وہی امن و امان کے وسائل ہیں۔ رعایا کے امور کا قیام ان کے بغیر نہیں ہو سکتا ہے اور یہ دستے بھی قائم نہیں رہ سکتے ہیں جب تک وہ خراج نہ نکال دیا جائے جس کے ذریعہ دشمن سے جہاد کی طاقت فراہم ہوتی ہے اور جس پر حالات کی اصلاح میں اعتماد کیا جاتا ہے اور وہی ان کے حالات کے درست کرنے کا ذریعہ ہے۔

اس کے بعد ان دونوں صنفوں کا قیام قاضیوں۔ عاملوں کے طبقہ کے بغیر نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ یہ سب عہد و پیمان کو مستحکم بناتے ہیں۔ منافع کو جمع کرتے ہیں اور معمولی اور غیر معمولی معاملات میں ان پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ ان کے بعد ان سب کا قیام تجار اور صنعت کاروں کے بغیر ممکن نہیں ہے کیونکہ وہ وسائل حیات کو فراہم کرتے ہیں، بازاروں کو قائم رکھتے ہیں اور لوگوں کی ضرورت کا سامان ان کی زحمت کے بغیر فراہم کر دیتے ہیں۔

اس کے بعد فقراء و مساکین کا پست طبقہ ہے جو اعانت و امداد کا حقدار ہے اور اللہ کے یہاں ہر ایک کے لئے سامانِ حیات مقرر ہے اور ہر ایک کا والی پر اتنی مقدار میں حق ہے جس سے اس کے امر کی اصلاح ہو سکے اور والی اس فریضہ سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا جب تک ان مسائل کے حل کا اہتمام نہ کرے اور اللہ سے مدد طلب نہ کرے اور اپنے نفس کو حقوق کی ادائیگی اور اس راہ کے خفیف و ثقیل پر صبر کرنے کے لئے آمادہ نہ کرے لہذا لشکر کا سردار اسے قرار دینا جو اللہ، رسول اور امام کا سب سے زیادہ مخلص، سب سے زیادہ پاکدامن اور سب سے زیادہ برداشت کرنے والا ہو۔ غصہ کے موقع پر جلد بازی نہ کرتا ہو، عذر کو قبول کر لیتا ہو، کمزوروں پر مہربانی کرتا ہو، طاقتور افراد کے سامنے اکڑ جاتا ہو، بدخوئی اسے جوش میں نہ لے آتی ہو اور کمزوری اسے بٹھا نہ دیتی ہو۔

تعلقاتِ عامہ

پھر اس کے بعد اپنا رابطہ بلند خاندان، نیک گھرانے، عمدہ روایات والے اور صاحبانِ ہمت و شجاعت و سخاوت کرم سے مضبوط رکھو کیونکہ یہ لوگ کرم کا سرمایہ اور نیکیوں کا سرچشمہ ہیں۔ ان کی حالت کی اس طرح دیکھ بھال رکھنا جس طرح ماں باپ اپنی اولاد کے حالات پر نظر رکھتے ہیں۔ دیکھو ان کے ساتھ وہی سلوک کرنا جو انہیں اخلاص کی دعوت دے اور ان میں حسن ظن پیدا کرے اور خبردار بڑے بڑے کاموں پر اعتبار کر کے چھوٹی چھوٹی ضروریات کی نگرانی کو نظرانداز نہ کر دینا کیونکہ معمولی مہربانی کا بھی ایک اثر ہے جس سے لوگوں کو فائدہ ہوتا ہے اور بڑے کام کا بھی ایک مقام ہے جس سے لوگ مستغنی نہیں ہو سکتے ہیں۔

دفاع

اور دیکھو تمام سردارانِ لشکر میں تمہارے نزدیک سب سے زیادہ افضل اسے ہونا چاہئے جو فوجیوں کی امداد میں ہاتھ بٹاتا ہو اور اپنے اضافی مال سے ان پر اس قدر کرم کرتا ہو کہ ان کے پسماندگان اور متعلقین کے لئے بھی کافی ہو جائے تا کہ سب کا ایک ہی مقصد رہ جائے اور وہ ہے دشمن سے جہاد۔ اس لئے کہ ان سے تمہاری مہربانی ان کے دلوں کو تمہاری طرف موڑ دے گی۔ اور والیوں کے حق میں بہترین خنکی چشم کا سامان یہ ہے کہ ملک بھر میں عدل و انصاف قائم ہو جائے اور رعایا میں محبت و الفت ظاہر ہو جائے اور یہ کام اس وقت تک ممکن نہیں ہے۔ جب تک سینہ سلامت نہ ہو اور ان کی خیرخواہی مکمل نہیں ہو سکتی۔ تا کہ وہ لوگ اپنے حاکموں کے گرد گھیرا ڈال کر ان کی حفاظت کریں اور پھر ان کے اقتدار کو سر کا بوجھ نہ سمجھیں اور ان کی حکومت کے خاتمہ کا انتظار نہ کریں لہٰذا ان کی امیدوں میں وسعت دینا اور ان کے کارناموں کی برابر تعریف کرتے رہنا بلکہ عظیم لوگوں کے کارناموں کو شمار کرتے رہنا کیونکہ ایسے تذکروں کی کثرت بہادروں کو جوش دلاتی ہے اور پیچھے ہٹ جانے والوں کو ابھار دیا کرتی ہے۔ انشاء اللہ اس کے بعد ہر شخص کے کارنامہ کو پہچانتے رہنا اور کسی کے کارنامہ کو دوسرے کے نامۂ اعمال میں نہ درج کر دینا اور ان کا مکمل بدلہ دینے میں کوتاہی نہ کرنا اور کسی شخص کی سماجی حیثیت تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کر دے کہ تم اس کے معمولی کام کو بڑا قرار دے دو یا کسی چھوٹے آدمی کے بڑے کارنامہ کو معمولی بنا دو جو امور مشکل دکھائی دیں اور تمہارے لئے مشتبہ ہو

جائیں انہیں اللہ اور رسول کی طرف پلٹا دو کیونکہ پروردگار نے جس قوم کو ہدایت دینا چاہی ہے اس سے فرمایا ہے کہ ''ایمان والو! اللہ، رسول اور صاحبانِ امر کی اطاعت کرو۔ اس کے بعد کسی شے میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پلٹا دو''۔ تو اللہ کی طرف پلٹانے کا مطلب اس کی کتاب محکم کی طرف پلٹانا ہے اور رسولؐ کی طرف پلٹانے کا مقصد اس سنت کی طرف پلٹانا ہے جو امت کو جمع کرنے والی ہو، تفرقہ ڈالنے والی نہ ہو۔

قضاوت و عدالت

اس کے بعد لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے ان افراد کا انتخاب کرنا جو رعایا میں تمہارے نزدیک سب سے زیادہ بہتر ہوں۔ اس اعتبار سے کہ نہ معاملات میں تنگی کا شکار ہوتے ہوں اور نہ جھگڑا کرنے والوں پر غصہ کرتے ہوں۔ نہ غلطی پر اڑ جاتے ہوں اور نہ حق کے واضح ہو جانے کے بعد اس کی طرف پلٹ کر آنے میں تکلف کرتے ہوں۔ نہ ان کا نفس لالچ کی طرف جھکتا ہو اور نہ معاملات کی تحقیق میں ادنیٰ فہم پر اکتفا کر کے مکمل تحقیق نہ کرتے ہوں۔ وہ شبہات میں توقف کرنے والے اور دلیلوں کو سب سے زیادہ اختیار کرنے والے ہوں۔ فریقین کی بحثوں سے اُکتا نہ جاتے ہوں۔ اور نہ کسی کی تعریف سے مغرور ہوتے ہوں اور نہ کسی کے اُبھارنے پر اونچے ہو جاتے ہوں۔ ایسے افراد یقیناً کم ہیں لیکن ہیں۔

اس کے بعد تم خود بھی ان کے فیصلوں کی نگرانی کرتے رہنا اور ان کے عطایا یعنی تنخواہ اور دیگر مفادات میں اتنی وسعت پیدا کر دینا کہ ان کی ضرورت پوری ہو جائے اور وہ لوگوں کے محتاج نہ رہ جائیں انہیں اپنے پاس ایسا مرتبہ اور مقام عطا کرنا جس کی تمہارے خواص بھی طمع نہ کرتے ہوں کیونکہ اس طرح وہ لوگوں کو ضرر پہنچانے سے محفوظ ہو جائیں گے مگر اس معاملہ پر بھی گہری نگاہ رکھنا کیونکہ یہ دین بہت دنوں اشرار کے ہاتھوں میں قیدی رہ چکا ہے جہاں خواہشات کی بنیاد پر کام ہوتا تھا اور مقصد صرف دنیا طلبی تھا۔

عُمّال

اس کے بعد اپنے عاملوں کے معاملات پر بھی نگاہ رکھنا اور انہیں امتحان کے بعد کام سپرد کرنا اور خبردار تعلقات یا جانبداری کی بنا پر عہدہ نہ دے دینا کیونکہ یہ باتیں ظلم اور خیانت کے اثرات میں شامل

ہیں۔ اور دیکھو ان میں جو بھی مخلص اور غیرتمند ہوں ان کو تلاش کرنا جو اچھے گھرانے کے افراد ہوں اور وہ اسلام میں پہلے خدمات کر چکے ہوں کیونکہ ایسے لوگ خوش اخلاق، بے داغ اور عزت والے ہوتے ہیں۔ ان کے اندر فضول خرچی کی لالچ کم ہوتی ہے اور یہ انجام کار پر زیادہ نظر رکھتے ہیں۔ اس کے بعد ان کے بھی تمام اخراجات کا انتظام کر دینا کیونکہ اس سے انہیں اپنے نفس کی اصلاح کا بھی موقع ملتا ہے اور وہ دوسروں کے اموال پر قبضہ کرنے سے بھی بے نیاز ہو جاتے ہیں اور پھر تمہارے امر کی مخالفت کریں یا امانت میں رخنہ پیدا کریں تو ان پر حجت بھی تمام ہو جاتی ہے۔

اس کے بعد ان عمال کی بھی تفتیش کرتے رہنا اور نہایت معتبر قسم کے اہل صدق و صفا کو ان پر جاسوسی کے لئے مقرر کر دینا کیونکہ یہ طرز عمل انہیں امانتداری کے استعمال پر اور رعایا کے ساتھ نرمی کے برتاؤ پر آمادہ کرے گا۔ اور اپنے مددگاروں سے بھی اپنے کو بچا کر رکھنا کیونکہ اگر ان میں کوئی ایک بھی خیانت کی طرف ہاتھ بڑھائے اور تمہارے جاسوس متفقہ طور پر یہ خبر دیں تو اس شہادت کو کافی سمجھ لینا اور اسے جسمانی اعتبار سے بھی سزا دینا اور جو مال حاصل کیا ہے اسے بھی چھین لینا اور سماج میں ذلت کے مقام پر رکھ کر خیانت کاری کے مجرم کی حیثیت سے روشناس کرانا اور ننگ و رسوائی کا طوق اس کے گلے میں ڈال دینا۔

خراج

خراج اور مال گذاری کے بارے میں وہ طریقہ اختیار کرنا جو مالگذاروں کے حق میں زیادہ مناسب ہو کیونکہ اہل خراج کی ترقی و خوشحالی ہی میں سارے معاشرہ کی اصلاح ہے اور کسی کے حالات کی اصلاح خراج کی اصلاح کے بغیر نہیں ہو سکتی، لوگ سب کے سب اسی خراج کے بھروسے زندگی گذارتے ہیں۔ خراج میں تمہاری نظر مال جمع کرنے سے زیادہ زمین کی آبادکاری پر ہونی چاہئے کیونکہ مال کی جمع آوری زمین کی آبادکاری کے بغیر ممکن نہیں ہے اور جس نے آبادکاری کے بغیر مالگذاری کا مطالبہ کیا اس نے شہروں کو برباد اور بندوں کو تباہ کر دیا اور اس کی حکومت چند دنوں سے زیادہ قائم نہیں رہ سکتی ہے۔ اس کے بعد اگر لوگ گرانباری، آفات ناگہانی، نہروں کی خشکی، بارش کی کمی، زمین کی غرقابی کی بنا پر تباہی اور خشکی کی بنا پر بربادی کی کوئی فریاد کریں تو ان کے خراج میں اس قدر تخفیف کر دینا کہ ان کے امور کی اصلاح ہو سکے اور خبردار یہ تخفیف تمہارے نفس پر گراں نہ

گذرے اس لئے کہ یہ تخفیف اور سہولت ایک ذخیرہ ہے جس کا اثر شہروں کی آبادی اور حکام کی زیب و زینت کی شکل میں تمہاری ہی طرف واپس آئے گا اور اس کے علاوہ تمہیں بہترین تعریف بھی حاصل ہوگی اور عدل و انصاف پھیل جانے سے مسرت بھی حاصل ہوگی، پھر ان کی راحت اور رفاہیت اور عدل و انصاف، نرمی و سہولت کی بنا پر جو اعتماد حاصل کیا ہے اس سے ایک اضافی طاقت بھی حاصل ہوگی جو بوقت ضرورت کام آسکتی ہے۔ اس لئے کہ بسا اوقات ایسے حالات پیش آجاتے ہیں کہ جن میں اعتماد و حسن ظن کے بعد ان پر اعتماد کرو تو نہایت خوشی سے مصیبت کو برداشت کر لیتے ہیں اور اس کا سبب زمینوں کی آبادکاری ہی ہوتا ہے۔ زمینوں کی بربادی اہل زمین کی تنگدستی سے پیدا ہوتی ہے اور تنگدستی کا سبب حکام کے نفس کا ذخیرہ اندوزی کی طرف رجحان ہوتا ہے اور ان کی یہ بدظنی ہوتی ہے کہ حکومت باقی رہنے والی نہیں ہے اور وہ دوسرے لوگوں کے حالات سے عبرت حاصل نہیں کرتے ہیں۔

منشی و کاتب کا انتخاب

اس کے بعد اپنے منشیوں کے حالات پر نظر رکھنا اور اپنے امور کو بہترین افراد کے حوالے کرنا اور پھر وہ خطوط جن میں رموز سلطنت اور اسرار مملکت ہوں ان افراد کے حوالے کرنا جو بہترین اخلاق و کردار کے مالک ہوں اور عزت پا کر اکڑ نہ جاتے ہوں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ایک دن وہ لوگوں کے سامنے تمہاری مخالفت کی جرأت پیدا کرلیں اور غفلت کی بنا پر لین دین کے معاملات میں تمہارے عمال کے خطوط کے پیش کرنے اور ان کے جوابات دینے میں کوتاہی سے کام لینے لگیں اور تمہارے لئے جو عہد و پیمان باندھیں اسے کمزور کردیں اور تمہارے خلاف اپنی ساز باز کے توڑنے میں عاجزی کا مظاہرہ کرنے لگیں۔ دیکھو یہ لوگ معاملات میں اپنے صحیح مقام سے ناواقف نہ ہوں کیونکہ اپنی قدر و منزلت کا نہ پہچاننے والا دوسرے کے مقام و مرتبہ سے یقیناً زیادہ ناواقف ہوگا۔

اس کے بعد ان کا تقرر بھی صرف ذاتی ہوشیاری، خوش اعتمادی اور حسن ظن کی بنا پر نہ کرنا کیونکہ اکثر لوگ حکام کے سامنے بناوٹی کردار اور بہترین خدمات کے ذریعہ اپنے کو بہترین بنا کر پیش کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں جب کہ اس کے پس پشت نہ کوئی اخلاص ہوتا ہے اور نہ امانتداری۔ پہلے ان کا امتحان لینا کہ تم سے پہلے والے نیک کردار حکام کے ساتھ ان کا برتاؤ کیا رہا ہے پھر جو عوام میں اچھے اثرات رکھتے ہوں اور امانتداری کی بنیاد پر پہچانے جاتے ہوں انہیں کا تقرر کر دینا کیونکہ یہ اس امر

کی دلیل ہوگی کہ تم اپنے پروردگار کے بندۂ مخلص اور اپنے امام کے وفادار ہو۔ اپنے جملہ شعبوں کے لئے ایک ایک افسر مقرر کر دینا جو بڑے سے بڑے کام سے مقہور نہ ہوتا ہو اور کاموں کی زیادتی پر پراگندہ حواس نہ ہو جاتا ہو۔ اور یہ یاد رکھنا کہ ان منشیوں میں جو بھی عیب ہوگا، اگر تم اس سے چشم پوشی کرو گے تو اس کا مواخذہ تمہیں سے کیا جائے گا۔

اس کے بعد تاجروں اور صنعت کاروں کے بارے میں نصیحت حاصل کرو اور دوسروں کو ان کے ساتھ نیک برتاؤ کی نصیحت کرو چاہے وہ ایک مقام پر کام کرنے والے ہوں یا جا بجا گردش اور جسمانی محنت کے ذریعہ روزی کمانے والے ہوں۔ اس لئے کہ یہی افراد منافع کا مرکز اور ضروریات زندگی کے مہیا کرنے کا وسیلہ ہوتے ہیں۔ یہی دور دراز مقامات، بر و بحر، کوہ و میدان ہر جگہ سے ان ضروریات کے فراہم کرنے والے ہوتے ہیں جہاں لوگوں کی رسائی نہیں ہوتی ہے اور جہاں تک جانے کی لوگ ہمت نہیں کرتے ہیں۔ یہ وہ امن پسند لوگ ہیں جن سے فساد کا خطرہ نہیں ہوتا ہے اور ایسے صلح و آشتی والے ہوتے ہیں جن سے کسی شورش کا اندیشہ نہیں ہوتا ہے۔

اپنے سامنے اور دوسرے شہروں میں پھیلے ہوئے ان کے معاملات کی نگرانی کرتے رہنا اور یہ خیال رکھنا کہ ان میں بہت سے لوگوں میں انتہائی تنگ نظری اور بدترین قسم کی کنجوسی پائی جاتی ہے۔ یہ منافع کی ذخیرہ اندوزی کرتے ہیں اور اونچے اونچے دام خود ہی معین کر دیتے ہیں، جس سے عوام الناس کا نقصان اور حکام کی بدنامی ہوتی ہے۔ لوگوں کو ذخیرہ اندوزی سے منع کرو کہ رسول اکرمؐ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ خرید و فروخت میں سہولت ضروری ہے جہاں عادلانہ میزان کے بموجب وہی قیمت معین ہو جس سے خریدار یا بیچنے والے کسی فریق پر ظلم نہ ہو۔ اس کے بعد تمہارے منع کرنے کے باوجود اگر کوئی شخص ذخیرہ اندوزی کرے تو اسے سزا دو لیکن اس میں بھی حد سے تجاوز نہ ہونے پائے۔

اس کے بعد اللہ سے ڈرو اس پسماندہ طبقہ کے بارے میں جو ایسے مساکین، محتاج فقراء اور معذور افراد کا طبقہ ہے جن کا کوئی سہارا نہیں ہے۔ اس طبقہ میں مانگنے والے بھی ہیں اور غیرت دار بھی جن کی صورت بذات خود ایک سوال ہے۔ ان کے جس حق کا اللہ نے تمہیں محافظ بنایا ہے اس کی حفاظت کرو اور ان کے لئے بیت المال اور ارض غنیمت کے غلات میں سے ایک حصہ مخصوص کر دو کیونکہ ان کے دور افتادہ کا بھی وہی حق ہے جو قریب والوں کا ہے اور تمہیں سب کا نگراں بنایا گیا ہے لہٰذا خبردار کہیں غرور و تکبر تمہیں ان کی طرف سے غافل نہ بنا دے کیونکہ تمہیں بڑے کاموں کے مستحکم

کر دینے کیوجہ سے چھوٹے کاموں کی بربادی سے معاف نہ کیا جائے گا۔ لہذا نہ اپنی توجہ کو ان کی طرف سے ہٹانا اور نہ غرور کی بنا پر ان کی طرف سے اپنا منہ موڑنا۔ جن لوگوں کی رسائی تم تک نہیں ہے اور انہیں نگاہوں نے گرادیا ہے اور شخصیتوں نے حقیر بنا دیا ہے ان کے حالات کی دیکھ بھال بھی تمہارا ہی فریضہ ہے لہذا ان کے لئے متواضع اور خوف خدا رکھنے والے معتبر افراد کو مخصوص و مقرر کر دو جو تم تک ان کے معاملات کو پہنچاتے رہیں اور تم ایسے اعمال انجام دیتے رہو جن کی بنا پر روز قیامت پیش پروردگار معذور کہے جا سکو کیونکہ یہی لوگ سب سے زیادہ انصاف کے محتاج ہیں اور پھر ہر ایک کے حقوق کو ادا کرنے میں پیش پروردگار اپنے کو معذور ثابت کرو۔

یتیموں اور ضعیف العمر یعنی بوڑھوں کے حالات کی بھی نگرانی کرتے رہنا کیونکہ ان کا کوئی وسیلہ نہیں ہے اور یہ سوال کرنے کے لئے کھڑے بھی نہیں ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کا خیال رکھنا حکام کے لئے بڑا سنگین مسئلہ ہوتا ہے لیکن کیا کیا جائے حق تو سب کا سب ثقیل ہی ہے۔ البتہ کبھی کبھی پروردگار اسے ہلکا قرار دے دیتا ہے ان اقوام کے لئے جو عاقبت کی طلبگار ہوتی ہیں اور اس راہ میں اپنے نفس کو صبر کا خوگر بناتی ہیں اور خدا کے وعدہ پر اعتماد کا مظاہرہ کرتی ہیں۔

اور دیکھو صاحبان ضرورت کے لئے ایک وقت معین کر دو جس میں اپنے کو ان کے لئے خالی کر لو اور ایک عمومی مجلس میں بیٹھو۔ اس خدا کے سامنے متواضع رہو جس نے پیدا کیا ہے اور اپنے تمام نگہبان، پولیس، فوج، اعوان و صاحبان عدل و انصاف سب کو دور بٹھادو تا کہ بولنے والا آزادی سے بول سکے اور کسی طرح کی لکنت کا شکار نہ ہو کیونکہ میں نے رسول اکرمؐ سے خود سنا ہے کہ آپ نے بار بار فرمایا ہے کہ ''وہ امت پاکیزہ کردار نہیں ہو سکتی جس میں کمزور کو آزادی کے ساتھ طاقتور سے اپنا حق لینے کا موقع نہ دیا جائے''۔

اس کے بعد ان کی طرف سے بدکلامی یا عاجزی کلام کا مظاہرہ ہو تو اسے برداشت کرو اور دل تنگی اور غرور کو دور رکھو تا کہ خدا تمہارے لئے رحمت کے ابواب کشادہ کر دے اور اطاعت کے ثواب کو لازم قرار دے دے۔ جسے جو کچھ دو خوشگواری کے ساتھ دو اور جسے منع کرو اسے خوبصورتی کے ساتھ ٹال دو۔

اس کے بعد تمہارے معاملات میں بعض ایسے معاملات بھی ہیں جنھیں تمہیں خود براہ راست انجام دینا ہے۔ جیسے حکام کے ان مسائل کے جوابات جن کے جوابات محرر حضرات نہ دے سکیں یا لوگوں کی

ان ضروریات کو پورا کرنا جن کے پورا کرنے سے تمہارے مددگار افراد جی چُراتے ہوں۔ دیکھو ہر کام کو اسی دن مکمل کر دینا کہ ہر دن کا اپنا ایک کام ہوتا ہے۔ اس کے بعد اپنے اور پروردگار کے روابط کے لئے بہترین وقت کا انتخاب کرنا جو تمام اوقات سے افضل اور بہتر ہو۔ اگر چہ تمام ہی اوقات اللہ کے لئے شمار ہو سکتے ہیں اگر انسان کی نیت سالم رہے اور رعایا اس کے طفیل خوشحال ہو جائے۔

اور تمہارے وہ اعمال جنہیں تم صرف اللہ کے لئے انجام دیتے ہو ان میں سے سب سے اہم کام ان فرائض کا قیام ہو جو صرف پروردگار کے لئے ہوتے ہیں۔ اپنی جسمانی طاقت میں سے رات اور دن دونوں وقت ایک حصہ اللہ کے لئے قرار دینا اور جس کام کے ذریعہ اس کی قربت چاہتے ہو اسے مکمل طور سے انجام دینا اس میں نہ کوئی رخنہ پڑنے پائے اور نہ کوئی نقص پیدا ہو، چاہے بدن کو کسی قدر زحمت کیوں نہ ہو جائے۔ جب لوگوں کے ساتھ جماعت کی نماز ادا کرو تو نہ اس طرح پڑھو کہ لوگ بیزار ہو جائیں اور نہ اس طرح کہ نماز برباد ہو جائے اس لئے کہ لوگوں میں بیمار ضرورتمند افراد بھی ہوتے ہیں اور میں نے یمن کی مہم پر جاتے ہوئے حضور اکرمؐ سے دریافت کیا تھا کہ نماز جماعت کا انداز کیا ہونا چاہئے تو آپ نے فرمایا تھا کہ کمزور ترین آدمی کے اعتبار سے نماز ادا کرنا اور مومنین کے حال پر مہربان رہنا۔

اس کے بعد یہ بھی خیال رہے کہ اپنی رعایا سے دیر تک الگ نہ رہنا کیونکہ حکام کا رعایا سے پس پردہ رہنا ایک طرح کی تنگ دلی پیدا کرتا ہے اور ان کے معاملات کی اطلاع نہیں ہو پاتی ہے اور یہ پردہ داری انہیں بھی ان چیزوں کے جاننے سے روک دیتی ہے جن کے سامنے یہ حجابات قائم ہو گئے ہیں اور اس طرح بڑی چیز چھوٹی ہو جاتی ہے اور چھوٹی چیز بڑی ہو جاتی ہے۔ اچھا بُرا بن جاتا ہے اور بُرا اچھا ہو جاتا ہے اور حق باطل سے مخلوط ہو جاتا ہے۔ اور حاکم بھی بالآخر ایک بشر ہے وہ پس پردہ امور کی اطلاع نہیں رکھتا ہے اور نہ حق کی پیشانی پر ایسے نشانات ہوتے ہیں جن کے ذریعہ صداقت کے اقسام کو غلط بیانی سے الگ کر کے پہچانا جا سکے۔

اور پھر تم دو میں سے ایک قسم کے ضرور ہو گے۔ یا ایسے شخص کی طرح ہو گے جس کا نفس حق کی راہ میں بذل و عطا پر مائل ہے تو پھر تمہیں واجب حق عطا کرنے کی راہ میں پردہ حائل کرنے کی کیا ضرورت ہے اور کریموں جیسا عمل کیوں نہیں انجام دیتے ہو۔ اگر تم بخل کی بیماری میں مبتلا ہو گے تو بہت جلدی لوگ تم سے مایوس ہو کر خود ہی اپنے ہاتھ کھینچ لیں گے اور تمہیں پردہ ڈالنے کی ضرورت ہی

نہ پڑے گی حالانکہ لوگوں کی اکثر ضروریات وہ ہیں جن میں تمہیں کسی طرح کی زحمت نہیں ہے جیسے کہ کسی مظلوم کی فریاد یا کسی معاملہ میں انصاف کا مطالبہ۔

اس کے بعد یہ بھی خیال رہے کہ ہر ولی و حاکم کے کچھ مخصوص اور رازدار قسم کے افراد ہوتے ہیں جن میں خودغرضی، دست درازی اور معاملات میں بے انصافی پائی جاتی ہے لہٰذا خبردار ایسے افراد کے فساد کا علاج ان اسباب کے خاتمہ سے کرنا جن سے یہ حالات پیدا ہوتے ہیں۔ اپنے کسی بھی حاشیہ نشین اور قرابت دار کو کوئی جاگیر مت بخش دینا اور اسے تم سے کوئی ایسی توقع نہ ہونی چاہئے کہ تم کسی ایسی زمین پر قبضہ دے دو جس کے سبب آبپاشی یا کسی مشترک معاملہ میں شرکت رکھنے والے افراد کو نقصان پہنچ جائے کیونکہ اپنے مصارف بھی دوسرے کے سر ڈال دے اور اس طرح اس معاملہ کا مزہ اس کے حصہ میں آئے اور اس کی ذمہ داری دنیا اور آخرت میں تمہارے ذمہ رہے۔

اور جس پر کوئی حق عائد ہو اس پر اس کے نافذ کرنے کی ذمہ داری ڈالو چاہے وہ تم سے نزدیک ہو یا دور اور اس مسئلہ میں اللہ کی راہ میں صبر و تحمل سے کام لینا چاہیے اس کی زد تمہارے قرابتداروں اور خاص افراد ہی پر کیوں نہ پڑتی ہو اور اس سلسلہ میں تمہارے مزاج پر جو بار ہو اسے آخرت کی امید میں برداشت کر لینا کیونکہ اس کا انجام بہتر ہوگا۔

اور اگر کبھی رعایہ کو یہ خیال ہو جائے کہ تم نے ان پر ظلم کیا ہے تو ان کے سامنے اپنے عذر کا اظہار کرو اور اسی ذریعہ سے ان کی بدگمانی کا علاج کرو کیونکہ اس میں تمہارے نفس کی تربیت بھی ہے اور رعایا پر نرمی کا اظہار بھی۔ نیز اس میں وہ عذرخواہی بھی ہے جس کے ذریعہ تم رعایا کو راہ حق پر چلانے کا مقصد بھی حاصل کر سکتے ہو۔

دیکھو خبردار! کسی ایسی دعوت صلح کا انکار نہ کرنا جس کی تحریک دشمن کی طرف سے ہو اور جس میں مالک کی رضامندی پائی جاتی ہو کیونکہ صلح کے ذریعہ فوجوں کو قدرے سکون مل جاتا ہے اور تمہارے نفس کو بھی گوناگوں افکار سے نجات مل جائے گی اور شہروں میں بھی امن و امان کی فضا قائم ہو جائے گی۔ البتہ صلح کے بعد دشمن کی طرف سے مکمل طور پر ہوشیار رہنا کیونکہ کبھی کبھی وہ تمہیں غافل بنانے کے لئے تم سے قربت اختیار کرنا چاہتا ہے لہٰذا اس سلسلہ میں مکمل ہوشیاری سے کام لینا اور کسی حسن ظن میں نہ رہنا اور اگر اپنے اور اس کے درمیان کوئی معاہدہ کرنا یا اسے کسی طرح کی پناہ دینا تو اپنے عہد کی پاسداری و وفاداری کے ذریعہ کرنا اور اپنے ذمہ کو امانتداری کے ذریعہ محفوظ بنانا اور اپنے قول

وقرار کی راہ میں اپنے نفس کو سپر بنادینا کیونکہ اللہ کے فرائض میں ایفائے عہد جیسا کوئی فریضہ نہیں ہے جس پر تمام لوگ خواہشات کے اختلاف اور افکار کے تضاد کے باوجود متحد ہیں اور اس کا مشرکین نے بھی اپنے معاملات میں لحاظ رکھا ہے کیونکہ عہد شکنی کے نتیجہ میں تباہیوں کا اندازہ کرلیا ہے۔ تو خبردار تم اپنے عہد و پیمان سے غداری نہ کرنا اور اپنے قول وقرار میں خیانت سے کام نہ لینا اور اپنے دشمن پر اچانک حملہ نہ کردینا۔

اس لئے کہ اللہ کے کے مقابلہ میں جاہل و بدبخت کے علاوہ کوئی جرأت نہیں کرتا ہے اور اللہ نے عہد و پیمان کو امن و امان کا وسیلہ قرار دیا ہے جسے اپنی رحمت سے تمام بندوں کے درمیان عام کردیا ہے اور ایسی پناہ گاہ بنادیا ہے جس کے دامن حفاظت میں پناہ لینے والے پناہ لیتے ہیں اور اس کے جوار میں منزل کرنے کے لئے تیزی سے قدم آگے بڑھاتے ہیں۔ لہٰذا اس میں کوئی جعل سازی، فریب کاری اور مکاری نہ ہونی چاہئے اور کوئی ایسا معاہدہ نہ کرنا جس میں تاویل کی ضرورت پڑے اور معاہدہ کے پختہ ہوجانے کے بعد اس کے کسی مبہم لفظ سے فائدہ اٹھانے کی کوشش نہ کرنا اور عہد الٰہی میں تنگی کا احساس غیر حق کے ساتھ وسعت کی جستجو پر آمادہ نہ کردے کیونکہ کسی امر کی تنگی پر صبر کرلینا اور گشائش حال اور بہترین عاقبت کا انتظار کرنا اس غداری سے بہتر ہے جس کے اثرات خطرناک ہوں اور تمہیں اللہ کی طرف سے جواب دہی کی مصیبت گھیر لے ورد نیا و آخرت دونوں تباہ ہوجائیں۔

دیکھو خبردار! ناحق خون بہانے سے پرہیز کرنا اس سے زیادہ عذاب الٰہی سے قریب تر اور پاداش کے اعتبار سے شدید تر اور نعمتوں کے زوال و زندگی کے خاتمہ کے لئے مناسب تر کوئی سبب نہیں ہے اور پروردگار روز قیامت اپنے فیصلہ کا آغاز خونریزیوں کے معاملہ سے کرے گا۔ لہٰذا خبردار اپنی حکومت کا استحکام ناحق خونریزی کے ذریعہ نہ کرنا کیونکہ یہ بات حکومت کو کمزور اور بے جان بنادیتی ہے بلکہ اسے تباہ کرکے دوسروں کی طرف منتقل کردیتی ہے اور تمہارے پاس نہ خدا کے سامنے اور نہ میرے سامنے عمداً قتل کرنے کا کوئی عذر نہیں ہے اور اس میں زندگی کا قصاص بھی ثابت ہے۔ البتہ اگر دھوکے سے اس غلطی میں مبتلا ہوجاؤ اور تمہارے تازیانہ وتلوار یا ہاتھ سزا دینے میں اپنی حد سے آگے بڑھ جائیں کیونکہ کبھی کبھی گھونسہ وغیرہ بھی قتل کا سبب بن جاتا ہے۔ تو خبردار تمہیں سلطنت کا غرور اتنا اونچا نہ بنادے کہ تم مقتول کے وارثوں کو ان کا حق خون بہا بھی ادا نہ کرو۔ اور دیکھو اپنے نفس کی خودپسندی پر بھروسہ بھی نہ کرنا اور تمہیں زیادہ تعریف کا شوق نہ پیدا ہوجائے کیونکہ یہ سب کچھ شیطان

کو موقع فراہم کرنے کے بہترین وسائل ہیں جن کے ذریعہ وہ نیک کرداروں کے عمل کو ضائع اور برباد کردیا کرتا ہے۔

اور خبردار رعایا پر احسان نہ جتانا اور جو سلوک کیا ہے اسے زیادہ سمجھنے کی کوشش بھی نہ کرنا یا ان سے کوئی وعدہ کرکے اس کے بعد وعدہ خلافی بھی نہ کرنا کیونکہ یہ طرزِ عمل احسان کو برباد کردیتا ہے اور زیادتی عمل کا غرور حق کی نورانیت کو فنا کردیتا ہے اور وعدہ خلافی خدا اور بندگان خدا دونوں کے نزدیک ناراضگی کا باعث ہوتی ہے جیسا کہ اس نے ارشاد فرمایا ہے کہ ''اللہ کے نزدیک یہ بڑی ناراضگی کی بات ہے کہ تم کوئی بات کہو اور پھر اس کے مطابق عمل نہ کرو''۔

اور خبردار وقت سے پہلے کاموں میں جلدی نہ کرنا اور وقت آجانے کے بعد سستی کا مظاہرہ نہ کرنا اور بات سمجھ میں نہ آئے تو جھگڑا نہ کرنا اور واضح ہوجائے تو کمزوری کا اظہار نہ کرنا۔ ہر بات کو اس کی جگہ رکھو اور ہر امر کو اس سے معینہ وقت پر انجام دو۔

دیکھو جس چیز میں تمام لوگ برابر کے شریک ہیں اسے اپنے ساتھ مخصوص نہ کرلینا اور جو حق نگاہوں کے سامنے واضح ہوجائے اس سے غفلت نہ برتنا کیونکہ دوسروں کے لئے یہی تمہاری ذمہ داری ہے اور عنقریب تمام امور سے پردے اٹھ جائیں گے اور تم سے مظلوم کا بدلہ لے لیا جائے گا۔ اپنے غضب کی تیزی، اپنی سرکشی کے جوش، اپنے ہاتھ کی جنبش اور اپنی زبان کی کاٹ پر قابو رکھنا اور ان تمام چیزوں سے اپنے کو اس طرح محفوظ رکھنا کہ جلد بازی سے کام نہ لینا اور سزا دینے میں جلدی نہ کرنا یہاں تک کہ غصہ ٹھہر جائے اور اپنے اوپر قابو حاصل ہوجائے اور اس امر پر بھی اختیار اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتا ہے جب تک پروردگار کی بارگاہ میں واپسی کا خیال زیادہ سے زیادہ نہ ہوجائے۔

تمہارا فریضہ ہے کہ ماضی میں گذر جانے والی عادلانہ حکومت اور فاضلانہ سیرت کو یاد رکھو، رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے آثار اور کتاب خدا کے احکام کو نگاہ میں رکھو اور جس طرح ہمیں کرتے دیکھا ہے اسی طرح ہمارے نقش قدم پر چلو اور جو کچھ اس عہد نامہ میں ہم نے بتایا ہے اس پر عمل کرنے کی کوشش کرو کیونکہ میں نے تمہارے اوپر اپنی حجت کو مستحکم کردیا ہے تاکہ جب تمہارا نفس خواہشات کی طرف تیزی سے بڑھے تو تمہارے پاس کوئی عذر نہ رہے اور میں پروردگار کی وسیع رحمت اور ہر مقصد کے عطا کرنے کی عظیم قدرت کے وسیلہ سے یہ سوال والتماس کرتا ہوں کہ مجھے اور تمہیں

ان کاموں کی توفیق دے جن میں اس کی مرضی ہو اور ہم دونوں اس کی بارگاہ میں اور بندوں کے سامنے عذر پیش کرنے کے قابل ہو جائیں۔ ہم لوگ بندوں کی بہترین تعریف کے حقدار ہوں اور علاقوں میں بہترین آثار چھوڑ کر جائیں۔ نعمت کی فراوانی اور عزت کے روز افزوں اضافہ کو برقرار رکھ سکیں اور ہم دونوں کا خاتمہ سعادت اور شہادت پر ہو کہ ہم سب اللہ کے لئے ہیں اور اسی کی بارگاہ میں پلٹ کر جانے والے ہیں۔ سلام ہو رسول خدا پر اور ان کی طیب و طاہر آل پر۔ اور سب پر سلام بے حساب۔

مولود کعبہ

از: مولانا شاہ عین الحیدر علوی

ہمارے حضورؐ انور پر خالق کائنات نے انعام الٰہی کی بارش فرمادی۔ علوم و معرفت کا مخزن اور جود و عطا کا سرچشمہ آپ کی ذات مقدسہ کو بنا دیا، اب ضرورت ہے اس علم باطنی میں وراثت کی جو اس علم سینہ، اس علم لدنی اور لوح محفوظ کے اس علم کو تاقیام قیامت قائم و دائم رکھے کیونکہ پروردگار عالم نے اس کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے: **انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون** یعنی بے شک ہم نے ہی ذکر نازل کیا اور بے شک ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

حضورؐ انور علم کا شہر ہیں علم کے دروازہ تک رسائی کیونکر ہو؟ شہر علم کے در تک پہنچنے کی کیا صورت ہے:

محمدؐ عربی کابروے ہر دوسراست　　کسی کہ خاک درش نیست خاک بر سر او
شنیدہ ام کہ تکلم نمود ہمچو مسیح　　خوشا کلام لب لعل روح پرور او
کہ من مدینہ علم علیؑ درست مرا　　عجب خجستہ حدیثیست من سگ در او

یعنی محمد عربی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جو دونوں جہاں کی آبرو ہیں جو شخص حضورؐ کے در کی خاک نہیں اس کے سر پر خاک، میں نے سنا کہ آپ نے حضرت مسیحؑ کی طرح فرمایا آپ کے لبہائے روح پرور کا نکلا ہوا کلام! کیا کہنا! فرمایا میں علم کا شہر ہوں علیؑ اس کا دروازہ۔ سبحان اللہ! کیسی مبارک و پیاری حدیث ہے، میں ان کے در کا کتا ہوں۔

یہ حضورؐ انور کی رسالت سے تقریباً دس سال پیشتر کا واقعہ ہے۔ حضورؐ کی چچی حضرت فاطمہ بنت اسد حضورؐ کے ساتھ خانہ کعبہ کا طواف کر رہی ہیں یہ وہی کعبہ ہے جس کے لئے ارشاد ہوا: **انّ اوّل بیت وضع للناس للّذی ببکّۃ مبارکا و ھدیً للعالمین** یعنی بے شک یہ پہلا گھر ہے جو مکہ مکرمہ میں مقرر کیا گیا ہے لوگوں کے لیے جو سارے عالم والوں کے لئے ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ یہ وہی کعبہ ہے جو ابراہیم کے مقدس ہاتھوں کی یادگار ہے یہ وہی کعبہ ہے جو حبیب خدا کی ولادت

باسعادت پر خود سجدہ میں گر کر گویا ہوا تھا الله اکبر الله اکبر الآن قد طهرني ربي عن انجاس المشرکین یعنی اللہ سب سے عظیم ہے، اب میرے پروردگار نے مجھ کو مشرکوں کی نجاست سے پاک کر دیا۔ یہ وہی کعبہ ہے جس کے سارے بت محمدؐ کے اس عالم میں تشریف لاتے ہی منھ کے بل گر پڑے تھے۔ اللہ کے اس گھر کو بتوں کی آلودگی سے پاک ہونا ہے۔ابراہیم کا یہ معبد منتظر ہے کہ اولاد ابراہیمی میں سے کوئی قدسی صفت آئے اور تا ابد الآباد کا سر اصنام کعبہ (مولائے کائنات کا لقب یعنی بت شکن کعبہ) کی خلعت فاخرہ پہن لے۔ دوشہای مبارک رسالت منتظر ہیں کہ رسالت و امامت کی یکجائی ہو تا کہ دوش رسالت پر امامت کا عروج ساری کائنات دیکھ لے۔فاطمہ بنت اسد طواف میں مشغول ہیں۔ ہمراہ کون ہے؟ وہ نور مجسم جو واشرقت الارض بنور ربها کی تفسیر ہے جو الله نور السموات والارض کی تعبیر ہے جس کی رسالت کی گواہی، کائنات کا ذرہ ذرہ دینے والا ہے۔

چون محمدؐ پاک بود از ناردود — ہر کجا رو کرد وجہ اللہ بود
چون محمدؐ حامد و محمود شد — چون محمدؐ عابد و معبود شد

(مولانا روم)

چونکہ محمدؐ نور تمام تھے اور آگ و دھواں، عناصر رسالت میں شامل ہی نہ تھا جس سمت بھی حضور کا روئے انور مڑا، وجہ اللہ نظر آیا محمدؐ حامد بھی تھے اور محمود بھی، عابد بھی تھے اور معبود بھی۔

فنا کیسی بقا کیسی جب اس کے آشنا ٹھہرے
کبھی اس گھر میں جا بیٹھے کبھی اس گھر میں آ ٹھہرے
محمد مصطفیٰ سے حضرت یوسف کو کیا نسبت
وہ مطلوب زلیخا تھے یہ محبوب خدا ٹھہرے

حالت طواف میں ہیں اور آپ کے شکم مبارک میں وہ بچہ ہے جو سردار دنیا و آخرت ہے جس کے سر پر انا و علي من نور واحد. میں اور علیؑ ایک ہی نور سے ہیں، کا تاج ہے۔ فاطمہ بنت اسد کو کیا معلوم کہ ان کے بطن میں جو بچہ سانسیں لے رہا ہے وہ باعث تطہیر کعبہ ہے:

گوہر چو پاک بود صدف نیز پاک بود — آمد میانہ حرم کعبہ در وجود
کعبش ز فیض کعبہ صفا داشت لاجرم — بر دوش سید دوجہاں جلوہ می نمود

عین حالت طواف میں حضرت فاطمہ بنت اسد کو درد زہ ہوتا ہے اور حضورؐ انور حکم دیتے ہیں کہ

کعبہ کے اندر جاؤ، خدا مشکل آسان کرے گا ختمی مرتبت کو علم ہے کہ والدہ بھی پاک مولد بھی پاک اور مولود بھی طیب و طاہر:

مطلع دیں پر ہوا ماہ امامت جب عیاں — جگمگا اٹھا فضائے نور سے سارا جہاں
اے زمیں کعبہ تجھ کو فخر یہ حاصل ہوا — سب سے پہلے گود میں آیا تری فخر جہاں

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں یہ خبریں حد تواتر کو پہنچ چکی ہیں کہ فاطمہ بنت اسد نے حضرت علیؑ کو جوف کعبہ میں جنم دیا:

ولدت امه فی الحرم المعظم — فطابت فطاب ولیدها والمولد

یعنی آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کو حرم محترم میں جنا آپ خود بھی پاک ہیں تو مولودؑ بھی پاک اور مولد بھی پاک۔

سلمائے روزگار کو زریں قبا ملی — انسانیت کو دولت صد ارتقا ملی
جیسے ہی نصف نور ملا نصف نور سے — اپنے کو کردگار نے دیکھا غرور سے
شب ہائے این و آن میں ہوئی صبح مجلی — باد مراد ناز سے مچلی گلی گلی
عرفان کائنات کی چٹکی کلی کلی — اور روح ارتقا نے پکارا کہ اے علیؑ
لے یہ کلید علم یہ گیتی کا باب ہے — اس خاک کو ابھار کہ تو بو تراب ہے

(جوش ملیح آبادی)

وہ چاند ماہ رجب کا نکلا وہ رند کعبہ کی سمت دوڑے
مئے ولائے علیؑ جو چھلکی وہ دیکھو گردش میں جام آیا

(خمار بارہ بنکوی)

مہینہ رجب کا ہے جو فرحت و سرور اور نوید شادمانی لے کر آیا ہے، اس مبارک ماہ میں مولائے کائنات سلطان بحر و بر ساقی حوض کوثر نے اپنے وجود سراپا جود سے تمام عالم کو منور کیا، رشد و ہدایت کا یہ آفتاب ۱۳ ررجب کو اپنی تمامتر جلوہ سامانیوں کے ساتھ جلوہ گر ہوتا ہے:

نور ولایت توئی شاہ سلام علیک — شمع ہدایت توئی شاہ سلامٌ علیک
معدن عرفان توئی مخزن احسان توئی — کاشف قران توئی شاہ سلامٌ علیک
لحمک لحمی نبیؐ گفت ترج جہ وئج — سرور مردان علیؑ شاہ سلامٌ علیک

باہمہ انبیا آمدہ ای در خفا ظاہر و یا مصطفیٰ شاہ سلام علیک
پشت و پناہ امم از ہمہ رو محترم در ہمہ عالم علم شاہ سلام علیک
اسم مسکین تو بر رہ و بر دین تو بندۂ حسکین تو شاہ سلام علیک

تیرہویں رجب کی شب ہے جمعہ کا دن ہے عرش سے فرش تک بارش انوار ہے۔ کعبۃ اللہ کے در و دیوار رنگ و نور میں ڈوبے ہیں۔ حجر اسود سے نور کی کرنیں پھوٹ رہی ہیں۔ فضائے دہر پر کیف و سرور کا عالم طاری ہے۔ کائنات کا ذرہ ذرہ رقص کناں ہے:

غلطیدہ آسماں پہ خمستاں کی روشنی اور حمکدہ پہ عترت و قرآن کی روشنی
قرآن پر رسولؐ کے داماں کی روشنی اور چہرۂ رسولؐ پہ یزداں کی روشنی
یزداں کی روشنی کا تموج قلوب میں اک سیل رنگ و نور شمال و جنوب میں
(جوش ملیح آبادی)

رنگ و نور کا سیلاب، فضائے دہر کی یہ عطر بیزی، زمین و آسمان کی سرمستی یہ سب کسی قدسی صفت کی آمد آمد کا ظہور ہے، کیا یہ سب اسی نور کی ضیا پاشیاں تو نہیں جس سے مخاطب ہو کر حسن ازل نے جھوم کر کہا تھا نور محمدی عین نور ایزدی ہے اور نور مرتضوی عین نور محمدی ہے:

پیمبر گفتہ است اے نور دیدہ زیک نوریم ہر دو آفریدہ
علیؑ چوں با نبی آمد زیک نور یکی باشند ہر دو از دوئی دور

پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہے میری آنکھوں کے نور، ہم دونوں ایک ہی نور سے پیدا ہوئے، علیؑ جب نبی کے ساتھ ایک ہی نور سے پیدا ہوئے تو دونوں میں دوئی کا تصور بھی نہیں:

اسے کون دیکھ سکتا کہ یگانہ ہے وہ یکتا کہ دوئی کی بو بھی آتی جو کہیں دو چار ہوتا

آج کعبہ اپنی قسمت پر نازاں ہے کہ اس کے جوف میں وہ آفتاب عالمتاب جلوہ گر ہوا ہے جس کے دیدار کے مشتاق تمام ملائکہ و انبیاء ہیں۔ خانۂ خدا جو فرط مسرت سے جھوم رہا ہے کیونکہ جو مولود اس کے آغوش میں سانسیں لے رہا ہے وہ اللہ کے مقدس گھر کو بتوں کی آلودگی سے پاک کرے گا۔ کعبہ جانتا ہے کہ یہ وہ مولود ہے جو فخر انبیاءؑ کے دوش مبارک پر راکب ہونے کا فخر حاصل کرے گا۔ اسے یہ معلوم ہے کہ یہ نفس رسول ہے، کعبہ یہ بھی جانتا ہے کہ یہ قسیم النار والجنت ہے۔ یہ قرآن ناطق ہے۔ یہ باعث تنزیل آیات قرآن ہے۔ کعبۃ اللہ اپنی قسمت پر رشک کرتا ہے کہ یہ

نومولود جس نے اس کے جوف میں جنم لیا ہے اسی نور کا ایک جز ہے جس سے مخاطب ہو کر رب کعبہ نے فرمایا تھا لولاک لما خلقت الافلاک اللہ کا گھر بارش انوار سے جگمگا رہا ہے اور اس کی ضیاپاشیاں کائنات کے ذرہ ذرہ کو منور کئے ہوئے ہیں۔

وقتی کہ بہ کعبہ مرتضی پیدا شد　　در ارض و سما جلوہ نما پیدا شد
جبرئیل ز آسماں فرود آمد گفت　　در خانۂ لم یلد، ولد پیدا شد

جس وقت کعبۃ اللہ میں جناب مرتضی پیدا ہوئے تو آسمان و زمین میں جلوہ نما پیدا ہوا، جبرئیل نے آسماں سے آکر بشارت دی لم یلد کے گھر میں ولد پیدا ہوا۔

آج کائنات محو رقص ہے کیونکہ مولائے کائنات کا ظہور ہوا ہے۔ اے کعبہ! تجھے مبارک ہو کہ تیرا محافظ آپہنچا۔ اے بیت اللہ! وفور شوق و مسرت سے جھوم کہ تیرے رب کے محبوب کی آواز پر سب سے پہلے لبیک کہنے والا جلوہ گر ہوا۔ اے کعبہ! تو رب کعبہ کی عظمت و رفعت اور جاہ و جلال کا مرکز تھا، آج سے تو اس کی شان جمالی کا مظہر ہو گیا۔ اے کعبہ! آج سے تیرے حسن میں چار چاند لگ گئے کہ جو نومولد تیری آغوش میں سانسیں لے رہا ہے وہ فخر نور و فخر آدم ہے:

بہ بحر کون و مکاں گوہر خوش آب علی است　　بہ دفتر دو جہاں فرد انتخاب علی است
در اصل و فرع مبین و تمیز مرتبہ کن　　ابوالبشر بود آدم ابو تراب علی است

کون و مکاں کے سمندر میں گوہر آبدار علیؑ ہے۔ دو جہاں کے دفتر میں فرد انتخاب علی ہے۔ اصل پر نظر ڈالو اور فرع پر نظر کرو، ابوالبشر حضرت آدم ہیں اور ابو تراب حضرت علی ہیں۔

حضورؐ انور تشریف لاتے ہیں۔ حسین نومولود کو اپنے مقدس ہاتھوں سے غسل دیتے ہیں اس کے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈالتے ہیں اور نومولود حضورؐ انور کی مبارک زبان چوستے ہوئے سو جاتا ہے۔

تغذیۂ روحانی عالم شیر خوارگی میں ہی ہو جاتا ہے۔ دنیا میں آنے کے بعد سب سے پہلے جب آنکھ کھلتی ہے تو جمال محمدیؐ کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ منازل شہود آنکھ کھلتے ہی طے ہو جاتے ہیں، نومولود کی پہلی سانس نفوس رسالت میں گم ہو جاتی ہے اور ہستی موہوم جمال یار کی آماجگاہ بن جاتی ہے:

باشیر خدا کسے چہ محرم باشد　　ذاتش بہ نبی قریب و ہمدم باشد
سریست درین کہ کعبہ اش مولد شد　　یعنی کہ علی امام عالم باشد

شیر خدا کا کون منکر ہو سکتا ہے آپ کی ذات گرامی تو نبی کریم کے انتہائی قریب اور حضورؐ کی ہمدم

ہے کعبۂ مشرفہ میں آپ کی ولادت باسعادت میں یہ راز پوشیدہ ہے کہ علیؑ پورے عالم کے امام ہیں۔

فخر الاسلام نجم الدین ابو بکر فرماتے ہیں کہ جب حضرت علیؑ پیدا ہوئے تو حضرت ابو طالب نے کعبہ کا پردہ پکڑ کر کہنا شروع کیا۔ اے اندھیری رات اور روز روشن کے مالک، اس لڑکے کا جو نام مناسب ہو رکھ۔ انہیں غیب سے آواز سنائی دی کہ اس کا نام آسمان کی بلندیوں میں علیؑ ہے اور وہ مشتق ہے علا سے جو اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔ آنحضرتؐ کو بھی ہاتف غیب نے اطلاع دی تھی کہ اس پاک مہذب اور ستودہ لڑکے کا نام علی رکھو:

علیؑ کا اسم ہے از اسمہائے رب مجید　　علیؑ یگانۂ دوراں علیؑ ہے فرد فرید

(شاہ نیاز احمد بریلوی)

نجم الدین ابو بکر، مناقب صحابہ میں لکھتے ہیں کی زمانہ شیر خوارگی میں ایک بار حضرت علیؑ گھر پر تنہا تھے والدہ کسی کام سے گھر سے باہر گئی ہوئی تھیں، ان کا گھر مکہ میں ایک پہاڑ کے پہلو میں تھا، ایک سانپ پہاڑ سے اترا اور اس نے حضرت علیؑ کو کاٹنا چاہا آپ نے اسے مضبوطی سے پکڑ لیا اور وہ سانپ آپ کے ہاتھ میں مر گیا۔ اتنے میں والدہ باہر سے تشریف لائیں اور سانپ کو مرا ہوا دیکھ کر کہنے لگیں حیاک اللہ یا حیدر اے میرے شیر، خدا تجھے زندہ رکھے اسی لئے آپ کا نام حیدر ہو گیا:

زہے عزّ وجلالی بو ترابی فخر انسانی　　علیؑ مرتضیٰ مشکل کشای شیر یزدانی

انوار نبوی کا آئینہ جس میں نبی اکرمؐ کے حسن جہاں تاب کے جلوے خالق کائنات نے سمودئے تھے، وہ علیؑ جس کی قد وسیت کے گواہ قرآن کے صفحات ہیں اس علیؑ کی جبیں کرامت آگیں تمام عمر کبھی غیر خدا کے آگے نہ جھکی۔ یہی سبب ہے کہ مولائے کائنات کے نام نامی کے ساتھ لفظ کرم اللہ وجہہ مخصوص ہے یہ اعزاز نہ تو کسی نبی مرسل کو حاصل ہوا اور نہ کسی بھی مقرب صحابی کو۔

یکتائی و پاکی بہ خدا می زیبد　　سلطانی عالم بقا می زیبد

شاہی جہان بہ مرتضیٰ می زیبد　　محبوبی او بہ مصطفیٰ می زیبد

یکتائی اور پاکی خداوند تعالیٰ کو سزاوار ہے۔ عالم بقا کی سلطانی بھی اسے ہی زیب دیتی ہے، دنیا کی شہنشاہی علی مرتضیٰ کے لیے سزاوار ہے چونکہ آپ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محبوب ہیں۔

محمد عربی کی آغوش تمنا میں پروان چڑھنے والا، سفر و حضر میں ہمہ دم حضورؐ انور کی رفاقت سے مشرف ہونے والا، محمدؐ کے رخ روشن سے تابانیاں کسب کرنے والا بچہ جس کی تمام تر تربیت ظاہری و

باطنی حضورؐ انور نے بہ نفس نفیس فرمائی۔ علیؑ جو شکم مادر ہی میں لبریز از ایمان تھے، جن کی ولادت باسعادت سے کعبۃ اللہ کے اندر رکھے ہوئے بت لرز رہے تھے، ایمان جن کے روئیں روئیں میں سرایت کئے ہوئے تھا، جن کا سینہ ازل سے معرفت وحکمت الٰہی کا خزینہ تھا۔ یہ انہیں علیؑ کا ذکر ہے، ۶۰۹ء کا واقعہ ہے دوشنبہ کے روز حضورؐ انور کی بعثت ہوئی۔ سرور کائنات اشهد ان لا اله الا الله کی صدائے توحید بلند فرماتے ہیں اور مولائے کائنات و اشهد انّ محمد عبدہٗ و رسوله کی ندا سے تصدیق رسالت فرماتے ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ افمن شرح الله صدره للاسلام بس اس کے سینہ کو اللہ نے اسلام کے لئے کھول دیا ہے کی خلعت فاخرہ سے اپنے حبیب کو مزین فرماتا ہے۔ مالک دوجہاں، سرور کائناتؐ کے سر پر و رفعنا لک ذکرک اور ہم نے آپ کے ذکر کو بلند کیا، کا تاج رکھ دیتا ہے اور سرور کائناتؐ اپنے حبیب، اپنے وصی اور اپنے ولی کے دامن و اذا ذُکرتُ ذُکرتَ جب میں یاد کیا جاؤں تو تم بھی یاد کئے جاؤ، کے انمول موتیوں سے بھر دیتے ہیں:

گر پرسدت کسی کہ علیؑ رانظیر است — با او بگو کہ آب بہ بوی گلاب نیست
در نزد کبریا بجز از ختم انبیا — کس را مقام و منزلت بوتراب نیست

اگر تم سے کوئی پوچھے کہ کیا علیؑ کی کوئی نظیر ہے تو جواب دو کیا پانی میں گلاب کی خوشبو ہوتی ہے؟ اور اللہ کے نزدیک انبیاء علیہم السلام کے بعد کسی کو وہ مقام یا وہ رتبہ حاصل نہیں جو علیؑ کو ہے۔

مسند امام احمد بن حنبل میں خلیفۂ دوم کا یہ قول درج ہے اے علیؑ تم اسلام لانے میں سب سے مقدم اور اللہ کے نزدیک بڑے مرتبہ والے ہو۔ امام ثعلبی اپنی تفسیر میں آیہ کریمہ والسابقون الاوّلون کے تحت حضرت عبد اللہ بن عباس سے سبقت اسلام، جناب علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے قائل ہیں، مناقب خوارزمی میں حضرت عبد اللہ بن عباس سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ فرماتے تھے کہ بجز میرے اور علیؑ کے آسمان کی طرف کسی کے لا اله الا الله پر شہادت دینے کی آواز بلند نہیں ہوئی تھی۔ تمام احادیث سے ثابت ہے کہ حضرت علیؑ ہی اور من صلی پہلے شخص جنہوں نے نماز پڑھی کے پورے پورے مصداق ہوئے۔

مسلم اول شہ مردان علیؑ — عشق را سرمایۂ ایمان علی
از ولائے دودمانش زندہ ام — در جہاں مثل گہر تابندہ ام
از روی او فال پیغمبر گرفت — ملت حق از شکوہش فر گرفت

مسلم اول شہ مرداں علیؑ ہیں۔ عشق کی راہ میں ایماں کا سرمایہ علیؑ ہیں۔ حضورؐ کی آل و اولاد مقدس کے تولد کی بدولت میں زندہ ہوں اور اس دنیا میں مثل گہر کے میں چمک رہا ہوں، پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے آپ کے روئے انور سے فال لی ہے، آپ کے رعب و دبدبہ سے ملت حق کی آبرو قائم ہے۔

نبی کریمؐ کی صدائے توحید پر سب سے پہلے لبیک کہنے والا علیؑ جو اس امت کے موحدین کا امام، مومنین کا امام، متقین کا امام، صادقین کا امام، راکعین و ساجدین کا امام، اصفیاء کا امام، اولیاء کا امام، طاہرین و طیبین کا امام، عابدین و زاہدین کا امام، محبوبین و مقربین کا امام، شہدا و صدیقین کا امام، علما و صلحا کا امام جو من کنت مولاہ فعلی مولاہ کی روشنی میں مولائے کائنات:

زمشرق تا بہ مغرب گر امام است　　علیؑ و آل و اولادش تمام است

مشرق سے مغرب تک اگر کوئی امام ہے تو وہ علیؑ اور آپ کی مقدس آل و اولاد گرامی ہے۔ آپ حضورؐ انور کے قریب سے قریب تر ہوتے گئے ایسا کہ محمدؐ عربی کو اپنی سانس سے علیؑ کی بو محسوس ہونے لگی اور علمی شمامہ انوار نبی ہو گئے۔ زبان رسالت سے بے ساختہ یہ الفاظ جاری ہوئے انت منی و انا منک تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے۔

حضرت مولانا رومؒ فرماتے ہیں:

اے شہ مردان و سرداران علیؑ　　اے وصی مصطفیٰ مولی علیؑ
انت منی وانا منک اے فتی　　لافتی الا علی المرتضی
یار خاصی سر قدسی گوش دار　　لایق این سر توی اے ہوشیار
کرم اللہ وجہہ در شان تو　　تو ازان ما و ہم از آن تو

اے جوانمردوں اور سرداروں کے شہنشاہ علیؑ! اے محمد مصطفیٰؐ کے وصی و جانشیں مولی علیؑ، تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے، اے جوانمرد علیؑ مرتضی کے سوا کوئی جوانمرد نہیں آپ حضورؐ انور کے مخصوص صحابی ہیں اور عالم قدس کے اسرار میں سے ایک اہم راز کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یاد رکھئے کہ اس راز سربستہ کے محرم حقیقی آپ ہی ہیں۔

نبوت کی خلعت فاخرہ زیب تن فرمانے کے تین سال بعد حضورؐ انور کو خالق کائنات کا حکم ہوتا ہے کہ اب اعلانیہ اسلام کی تبلیغ کیجئے اور انذر عشیرتک الاقربین اور آپ اپنے قریبی رشتہ داروں

کو اللہ سے ڈرایئے۔ آیت نازل ہوتی ہے۔ آنحضرتؐ کوہ صفا پر چڑھ کر اپنے تمام خاندان کو جمع فرماتے ہیں اور اسلام کی دعوت دیتے ہیں اور فرماتے ہیں اے بنی عبدالمطلب خدا کی قسم میں تمہارے سامنے دنیا و آخرت کی بہترین نعمتیں پیش کرتا ہوں، بولو تم میں سے کون اس شرط پر میرا ساتھ دیتا ہے کہ میرا معاون و مددگار بنے، سارا مجمع چپ رہتا ہے، سناٹا طاری ہو جاتا ہے، اچانک سناٹے کے سینہ کو چیرتی ہوئی ایک آواز آتی ہے اگرچہ میں عمر میں سب سے چھوٹا ہوں مجھے آشوب چشم کا عارضہ ہے میری ٹانگیں پتلی ہیں پھر بھی میں آپ کا معاون اور مددگار بنوں گا۔ نبی کریم دوبارہ اس بارِ گراں کو اٹھانے کی دعوت دیتے ہیں۔ دوبارہ وہی آواز پہلے سے بھی زیادہ عزم و استقلال کے ساتھ بلند ہوتی ہے۔ تیسری بار پھر ختمی مرتبتؐ کی زبان مبارک دعوت ایمان کا نعرہ بلند کرتی ہے اور اپنا وصی ایک خلیفہ اور وزیر تلاش کرتی ہے، تیسری بار پھر وہی کمسن لیکن ایمان و ایقان اور عزم بالجزم میں ڈوبی ہوئی آواز ابھرتی ہے اگرچہ میں اس مجمع میں سب سے کمسن ہوں، سب سے زیادہ کمزور ہوں لیکن اس بار گراں کو اٹھانے کے لئے پوری طرح سے تیار ہوں:

آسمان بار امانت نتوانست کشید　　قرعۂ فال بہ نام من دیوانہ زدند

وہ جو سارے مجمع میں سب سے چھوٹا تھا۔ خالق کائنات کی نظروں میں اتنا عظیم ہو گیا کہ اس کی عظمت کے آگے ایوان قیصر و کسریٰ سربسجود ہو گئے۔ آشوب چشم کی ستائی ہوئی آنکھیں عین الیقین کی تفسیر بن گئیں۔ کمزور اور پتلی ٹانگیں بنیان مرصوص ہو گئیں اور علیؑ کی بنیادی زندگی اس حدیث قدسی کی شرح ہو کر رہ گئی کہ بی ینطق و بی یبطش و بی یسمع و بی یبصر وہ میری زبان سے بولتا ہے اور مجھ سے قوت پاتا ہے، مجھ سے ہی سنتا اور مجھ سے ہی دیکھتا ہے۔

علیؑ مرتضیٰ نے اپنے کو ہمہ تن آنحضرتؐ کی مرضیات کا تابع کر دیا اور آپ کی نظر کیمیا اثر نے اس سونے کو کندن کر دیا۔ رسول کی محبت شیفتگی میں بدلی اور شیفتگی اس حد تک بڑھی کہ حضورؐ کو بغیر اپنے چہیتے علیؑ کے دیکھے چین ہی نہ آتا، ایک بار آپ کو کسی جگہ بھیجا تو یہ دعا فرمائی: **اللھم لا تمتنی حتی ترینی علیا** اے اللہ مجھے موت نہ دے جب تک کہ مجھے علیؑ کو دکھا نہ دے۔

آئینہ ساز کے رخسار کی تب و تاب سے یہ آئینہ دن بدن مجلّی اور مصفّی ہوتا گیا اور علیؑ نے اپنے کو وجود محمدی میں اس طرح گم کر دیا کہ زبان رسالت کہہ اٹھی **علی منی و انا منہ** علیؑ مجھ سے ہیں اور میں علیؑ سے من و تو کا فرق مٹ گیا وار دونوں نور اس طرح ایک دوسرے میں ضم ہو گئے کہ دو مل کر

ایک عنصر بن گیا:

اتحادیست میان من و تو　　من و تو نیست میان من و تو

میرے اور تیرے درمیان ایسی وحدت و یگانگی ہے جس میں میں اور تو تو کا کہیں گزر نہیں۔

یا علی گشتہ محمد یا محمد شد علی　　یا کہ ہر یک شان حق واللہ اعلم بالصواب

یا تو علیؑ محمد ہو گئے یا محمد علیؑ ہو گئے یا ان میں ہر ایک اللہ کی شان۔ حق بات تو اللہ ہی جانے۔

نبوت کے پانچ سال گذر چکے ہیں حضورؐ نے اب دعوت اسلام عام طور سے شروع کر دی ہے، کفار حضورؐ اور حضرت کے رفقا کے جانی دشمن بن چکے ہیں۔ حضرت ابو طالب جو حضورؐ کے شفیق اور مخلص چچا ہیں جو علیؑ جیسے قدسی صفت کے باپ ہیں، اپنوں کے طعنے سنتے ہیں، بیگانوں کی جھڑکیاں سہتے ہیں طرح طرح کی ایذا کا نشانہ بنتے ہیں مگر اپنے جگر کے ٹکڑے محمدؐ روحی وقلبی فداہ کی اعانت و نصرت اور حمایت میں سرگرم رہتے ہیں، وہ ابو طالب جن کے آغوش کفالت میں سردار دنیا و آخرت، تاجدار اقلیم نبوت، حضورؐ انور ارواحنا فداہ نے پرورش پائی جو حضورؐ انور کو جان و مال و اولاد سے بڑھ کر عزیز رکھتے ہیں جو سوتے جاگتے، سفر، حضر، سب میں اپنے نور عینین محمدؐ کو اپنے سے الگ نہیں کرتے۔ اس عالم میں جب کہ سارا جہاں شمع رسالت کو گل کر دینے کے درپے ہے، آپ ہی واللہ متم نورہ و لوکرہ الکفرون اللہ اپنے نور کی تکمیل فرمانے والا ہے خواہ کافروں کو یہ بات بُری لگے۔ پر یقین فرماتے ہیں جو رفاقت محمدی کے جرم اور نبوت کی پاداش میں تین سال کے لئے شعب ابو طالب میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتے ہیں مگر بقول معین الدین ندوی مرحوم اس نیک طینت بزرگ نے آخری لمحہ حیات تک اپنے عزیز بھتیجے کے سر سے دست شفقت نہ اٹھایا، علامہ شبلی فرماتے ہیں۔ ابو طالب نے آنحضرتؐ کے لئے جو جانثاریاں کیں اس سے کون انکار کر سکتا ہے وہ اپنے جگر گوشوں تک کو آپ پر نثار کرتے تھے آپ کی محبت میں تمام عرب کو اپنا دشمن بنا لیا آپ کی خاطر محصور ہوئے فاقے اٹھائے، شہر سے نکالے گئے تین برس تک آب و دانہ بند رہا کیا یہ محبت یہ جوش یہ جاں نثاریاں سب رائگاں جائیں گی؟

کفار قریش کی زیادتیاں جب حد سے بڑھ جاتی ہیں تو اللہ کے حبیبؐ کو مدینہ منورہ کی ہجرت کا حکم ہوتا ہے۔ کفار قریش میں سے نو آدمی شمع رسالت کو گل کر دینے کے لئے مقرر کئے جاتے ہیں، جن کا ارادہ ہے کہ حضورؐ پر اس وقت حملہ کریں جب آپ محو خواب ہوں، جبرئیل امین آتے ہیں اور

حضورؐ سے عرض کرتے ہیں کہ آپ یہاں سے تشریف لے جائیں۔ تاجدار نبوت، تاجدار ولایت سے فرماتے ہیں کہ میری سبز چادر اوڑھ کر لیٹ جاؤ خدا تمہارا حافظ ہے۔ رسول کا شیدائی بستر پر سوجاتا ہے نہ نرغۂ اعدا کا خوف، نہ جان کی پروا بلکہ نہایت سکون اور اطمینان قلبی کے ساتھ بستر مرگ کو پھولوں کی سیج سمجھتے ہوئے، کائنات کے تمام چاہنے والوں اور عشق کے تمام متوالوں کو سرفروشی کی تعلیم دیتے ہوئے:

سر خود را بہ رہ دوست نثارے کردم　　شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

میں نے دوست و معشوق کی راہ میں اپنا سر قربان کر دیا میں اپنی زندگی سے بہت خوش ہوں کہ میں نے کتنا بڑا کام کیا۔

ہجرت کی شب ملا جو تجھے بستر رسولؐ　　کیا نفس مطمئن تھا کہ ہنس کر کیا قبول
ایمائے ایزدی کی ادا بھا گئی تجھے　　پرہول خوابگاہ میں نیند آگئی تجھے

اس وقت مولائے کائنات کا سن پندرہ سولہ سال کا رہا ہوگا، عین عنفوان شباب میں جان نچھاور کرنے دینا، دل والوں ہی کا کام ہے۔ ملائکۂ عرش، علیؑ کی اس جانثاری پر مرحبا و آفریں کی صدائیں بلند کر رہے ہیں جو وعدہ آج سے سالہا سال پہلے قبیلہ بنو ہاشم کے اس مجمع میں آپ نے حضورؐ انور سے فرمایا تھا آج اس کی عملی تفسیر ساری دنیا نے دیکھ لی، کائنات کا ذرہ ذرہ علیؑ کی عظمت کی گواہی دے اٹھا، کائنات نے وفور مسرت میں اپنے حبیب سے فرمایا: و من الناس من یشتری نفسه ابتغاء مرضات الله والله رؤف بالعباد. اور لوگوں میں کون ہے وہ جو اپنی جان کو بیچ ڈالتا ہے اللہ کی مرضی کی تلاش میں اور اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔ آنحضرتؐ کی روانگی کے تین دن بعد تک مولائے کائنات حسب حکم نبوی مکہ میں ٹھہرتے ہیں اور حضور انورؐ کی امانتیں لوگوں کے سپرد کرتے ہیں بعد ازاں کفار سے پوشیدہ مدینہ کا سفر پیادہ پا فرماتے ہیں۔ رات تاریک ہے، سفر پر خطر ہے لیکن شوق دل رہبر ہے، جذب محبت محبوب کی جانب کشاں ہے، قدم قدم پر کانٹے ہیں جن سے پائے مبارک چھلنی ہو گئے ہیں، چھالے پڑ گئے ہیں لیکن اللہ کا پیارا، اللہ کے حبیب کا دلارا علیؑ، نہ تو خار کی پروا کر رہا ہے، نہ دشت پر خطر کا سناٹا، عزم حیدری کو باز رکھ پا رہا ہے۔ علیؑ کے روئے انور کی مسکراہٹ، زبان حال سے کہہ رہی ہے:

تیز رکھنا سر ہر خار کو اے دشت جنوں　　شاید آجائے کوئی آبلہ پا میرے بعد

راہ دشوار ہے تو کیا، شوق تو رہنمائی کر رہا ہے لقائے یار کی جلوہ سامانیوں میں غرق علیؑ کا ذہن تکرار کر رہا ہے:

مست و سرشار و غزل خوان می روم — از سر جان سوے جانان می روم

عشق دشوار ست و شوقم رہنما — راہ پر خار ست و آسان می روم

(جگر مرادآبادی)

میں شراب عشق حقیقی کا متوالا ہوں لہٰذا میں گنگناتے ہوئے جارہا ہوں، جان ہتھیلی پر لئے ہوئے میں محبوب کے دیار میں جارہا ہوں، عشق میں کتنی ہی دشواریاں ہیں لیکن میرا ذوق وشوق ہی میرا رہبر ہے، راستہ اگر پر خطر ہے تو ہو، میرے لئے تو وہ راستہ نہایت آسان ہے جو محبوب کی سمت جاتا ہے۔

ربیع الاول کی سترہ تاریخ ہے۔ آنحضرتؐ موضع قبا میں جلوہ افروز ہیں۔ کلثوم بن ہدم کا گھر انوار نبوی سے جگمگا رہا ہے۔ جذب محبت میں سرشار، علیؑ مئے عرفان رسالت کا متوالا، علیؑ دربار رسالت میں ایسی شان اور ایسی آن و بان کے ساتھ آتا ہے کہ پیروں سے خون ٹپک رہا ہے، چھالے پڑے ہوئے ہیں لیکن سفر کی صعوبتیں شوق لقائے یار کی نذر ہوگئی ہیں۔ راہ کا اضمحلال، جمال یار کی نیرنگیوں میں گم ہو جاتا ہے، زبان دل بار بار تکرار کر رہی ہے:

اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں — اک جان کا زیاں ہے سو ایسا زیاں نہیں

مصحف روئے انور پر نظر پڑتی ہے تو خار مغیلاں کی لذت کسک اور بڑھ جاتی ہے رسالت ولایت کی نگاہیں چار ہوتی ہیں طالب و مطلوب کا سامنا ہوتا ہے، سرور کائناتؐ، علیؑ کو، اپنے چہیتے کو، اپنے دلارے علیؑ کو آغوش رسالت میں بھینچ لیتے ہیں۔ طالب و مطلوب کا فرق مٹ جاتا ہے محب اور محبوب:

من تو شدم تو من شدی — من تن شدم تو جان شدی

کی تفسیر بن جاتے ہیں جبرئیل و میکائیل علیؑ و محمدؐ کی اخوت پر رشک کر رہے ہیں ملائکہ سبع سماوات علیؑ کے نفس رسول ہونے کی گواہی دے رہے ہیں۔ ع:

اہل زمیں کا مرتبہ اہل فلک سے بڑھ گیا

(حق کانپوری)

حضورؐ انور اپنے علیؑ کو دیکھ کر وفور مسرت سے کھل اٹھتے ہیں، بارگاہ الٰہی میں شکرانہ ادا کرتے ہیں اور بہ کمال شفقت ان کے زخموں پر ہاتھ پھیرتے ہیں اور آنحضرتؐ کے دست مبارک کی برکت سے زخم اچھے ہو جاتے ہیں اور علیؑ جھوم کر کہ اٹھتے ہیں:

حبیب لیس یعد له حبیب ما لسواه فی قلبی نصیب

میرے حبیب کی برابری کوئی حبیب نہیں کر سکتا، نہ میرے دل میں اس کے سوا اور کوئی ہے۔

نبی کریمؐ کی ہجرت کے پہلے سال مواخات قائم ہوتی ہے، مہاجرین و انصار اور دیگر صحابہ کے درمیان بھائی چارگی کا رشتہ زبان رسالت قائم فرماتی ہے لیکن جب علیؑ کی باری آتی ہے تو علیؑ کی اخوت کسی غیر کے ساتھ گوارا نہیں بلکہ ارشاد ہوتا ہے: انت اخی فی الدنیا والآخرة تم دنیا و آخرت میں میرے بھائی ہو۔

ہجرت نبوی کے دوسرے سال غزوۂ بدر ہوتا ہے جس میں حضورؐ کے جانثاروں کی کل تعداد تین سو تیرہ ہوتی ہے۔ اسلام کی اس پہلی جنگ میں سیاہ رنگ کا علم علیؑ کے ہاتھ میں ہوتا ہے جو ازل سے رفاقت و خدمت کے لئے پیدا ہوئے ہیں جو پروانہ وار ہر وقت شمع رسالت پر نثار ہو جانے کو معراج حیات سمجھتے ہیں۔ اس جنگ میں بڑے بڑے سورما اور جنگ آزما شریک ہوتے ہیں، عتبہ اور ولید جن کی مثال تمام عالم عرب میں نہ تھی بڑی ہی کبر و نخوت کے ساتھ شمع رسالت کو گل کرنے کا عزم کئے ہوئے سامنے آتے ہیں۔ ایک طرف انتہائی مشاق خونخوار اور فنون جنگ کے ماہرین ہیں دوسری طرف اکیس سال کا کمسن علیؑ تلوار لئے ہوئے نرغۂ اعداء میں کفر و الحاد کے تار و پود بکھیر رہا ہے اور دشمن پر قہر الٰہی بن کر ٹوٹ رہا ہے۔ حضورؐ انور اپنے چہیتے علیؑ کو دشمن کی صفیں الٹتے ہوئے دیکھتے ہیں، جب علیؑ کی موہنی صورت رسول اکرمؐ کی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتی ہے تو یا حی یا قیوم کا ورد فرماتے ہیں غزوۂ بدر کی جتنی جامع اور بصیرت افروز تصویر حسن بصریؒ نے پیش کی ہے اس کا جواب نہیں، فرماتے ہیں: طوبی بجیش امیرهم رسول الله و مبارزهم اسد الله و جهادهم طاعة الله و مددهم ملائکة الله و ثوابهم رضوان الله مبارک ہے وہ لشکر جس کے امیر اللہ کے رسول، جس کے مقابل اللہ کے شیر، جن کا جہاد اللہ کی طاعت، جن کی مدد اللہ کے فرشتے اور جن کا ثواب اللہ کی رضا ہے۔

غزوۂ بدر میں علیؑ کے دست و بازو نے جو اشاعت اسلام کا Symbol بن چکے تھے کفر و الحاد کے

مستحکم قلعوں کو ریزہ ریزہ کر دیا، سارے عالم پر علیؑ کی شجاعت کا سکہ بیٹھ گیا اور عرب کے بڑے بڑے سورما پکار اٹھے فاطمہ بنت اسد کے بیٹے نے تم لوگوں کو حد درجہ ذلت دی ہے حالانکہ وہ ابھی نوخیز ہے اس نے تمہاری قوم کو فنا کر دیا اس کی تلوار کی دھار نے کسی کو معاف نہیں کیا۔

علیؑ نے اپنی ذات کو نبیؐ میں فنا کر دیا جس کی گواہی زبان رسالت نے دے دی۔ اب خالق کائنات کا منشا و مراد ہے کہ اس نور مقدس کی کرنیں رہتی دنیا تک اندھے قلوب کو جلا دیتی رہیں اور اندھی آنکھوں کو بینا کریں، گل رسالت کی مہک سے تا ابدالآباد طبقات ارضی و سماوی اپنے مشام جاں کو معطر رکھیں اور اس کے لئے ضرورت ہے کہ سلسلۃ الذہب تا ابدالآباد قائم و دائم رہے، علیؑ پر تو انوار ایزدی ہیں، جلوہ نمائے نور محمدیؐ ہیں اس نور مقدس سے ایسی کرنیں پھوٹ نکلیں جن کے سامنے ہزاروں آفتاب و ماہتاب شرمندہ ہوں، خوشبوئے مصطفیٰ سے فضا کا ایک ایک ذرہ مہک اٹھے اور مشاقان جمال محمدی کہہ اٹھیں:

باد نسیم آج بہت مشکبار ہے　　شاید ہوا کے رخ پہ کھلی زلف یار ہے

حضورؐ انور علیؑ منّی و انا منہ علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے۔ فرما کر وجود امامت کو وجود رسالت میں ضم فرما چکے، یہ سلسلۂ نور و ہدایت جو ابراہیمؑ کے گھرانے سے چل رہا ہے اب اس میں توریث کی ضرورت ہے، علوم نبوت و اسرار و حکم رسالت کے مقدس سلسلہ کو رہتی دنیا تک قائم رہنا ہے علیؑ کی سانسیں محمدؐ کی سانسوں میں مل چکی ہیں، انعام محمدی علیؑ کے لئے مقدر ہو چکا، حضورؐ انور اب اپنے چہیتے علیؑ کو وہ نعمت عظمیٰ عطا فرماتے ہیں جو دنیا و عقبیٰ کی تمام دولتوں سے بڑھ کر ہے تاجدار امامت علیؑ کے تاج کو لعل بدخشاں سے مزین فرماتے ہیں جس کے لئے زبان رسالت مآب ارشاد فرماتی ہے فاطمۃ بضعۃ منی فاطمہ میرا ٹکڑا ہے، تاجدار اقلیم قناعت علیؑ کے دامن کو ان انمول موتیوں سے بھر دیتے ہیں جو مجموعہ ہے ف۔ا۔ط۔م۔ہ کا (فاطمہ)

رسول اکرمؐ کی اس لاڈلی کے کئی پیغام آ چکے ہیں لیکن فاطمہ کا کفو شان رسالت کو علیؑ کے سوا اور کوئی نہ بھایا کسی نے کیا خوب کہا ہے:

کہ علیؑ گر نمی شدی مخلوق　　خود نمی داشت فاطمہ ہمسر

اللہ تعالیٰ اگر علیؑ کو خلق نہ فرماتا تو حضرت فاطمہ صلوات اللہ علیہا کا کفو کہاں سے آتا۔

رسالت، عصمت و امامت کو یکجا فرماتی ہے اور علیؑ کی شادی خاتون جنت فاطمہ زہرا صلوات اللہ

علیہا کے ساتھ حضور انورؐ نکاح پڑھاتے ہیں۔ بعدہ زبان رسالت اللھم الّف بینھما کما الّفت بین محمد و خدیجۃ اے اللہ ان دونوں کے مابین الفت قائم رکھ جس طرح تو نے محمدؐ اور خدیجہؓ کے درمیان الفت و محبت قائم رکھی، کی دعا فرماتے ہیں بعد نکاح حصول برکت کے لئے اس پاک مقدس جوڑے پر پانی چھڑکتے ہیں اور دعا فرماتے ہیں اللھم انّی اعیذھا بک و ذریتھا من الشیطن الرجیم اے اللہ میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں اس کی اور اس کی ذریت کے لئے شیطان رجیم کے شر سے۔ نکاح کے بعد تاجدار رسالتؐ اپنے جگر گوشہ کو ان الفاظ میں تہنیت پیش فرماتے ہیں: انی زوجّت أوّل المسلمین اسلاماً و اعلمھم علماً و اعظمھم حلماً بیشک میں نے تمہاری شادی اس شخص کے ساتھ کر دی جو اسلام لانے میں سب سے مقدم ہے اور سب سے زائد علم رکھنے والا اور سب سے عظیم حلم والا۔

محمدؐ گل ست و علیؑ بوئے گل　　بود فاطمہؑ اندراں برگ گل
چو عطرش بر آمد حسین و حسن　　معطر شد از وے زمین و زمن

محمدؐ ایک حسین پھول ہیں اور علیؑ اس پھول کی خوشبو، فاطمہ اس پھول کی پنکھڑی ہیں جب اس پھول کا عطر حسنؑ اور حسینؑ کی شکل میں نکلا تو تمام زمین اور زمان اس سے معطر ہو گئے۔

اللھم صلّ علی سیّدنا و مولانا محمّد و علی سیّدنا و مولانا و بارک وسلّم۔

مسجد نبوی کی تعمیر کے بعد صحابہ کرام نے اپنے گھر مسجد سے ملحق بنائے تھے رسول اکرمؐ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوتا ہے کہ حرمت مسجد نبوی کی وجہ سب لوگوں کو دروازے بند کر دینے کا حکم دیدیجئے علاوہ علیؑ کے، علیؑ جو نفس رسول ہیں جو محافظ عصمت و نبوت ہیں وہ حالت جنب میں بھی مسجد میں آسکتے ہیں۔ ام سلمہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ فرماتے تھے میری یہ مسجد ہر حائض مرد و عورت پر حرام ہے علاوہ میرے علیؑ اور حسین و حسن کے۔

یہ اختصاص پنجتن پاک ہی کے لئے کیوں؟ اس کے لئے ارشاد نبوی ہے کہ انھم خلقوا من طینتی یہ لوگ میری سرشت سے پیدا کئے گئے ہیں:

یا رسول عربی قبلہ حاجات روا　　مستغیث آمدہ ام چارۂ کارم فرما
بہر زہراؑ و علیؑ و حسنؑ و بہر حسینؑ　　نظر لطف بحالم بکن اے عقدہ کشا

اے رسول عربی ہمارا قبلہ و کعبہ اور ہماری ضرورتیں پوری کرنے والے ہم آپ کے حضور فریاد لے

کر آئے ہیں، ہمارا علاج فرمایئے، آپ کو فاطمہ زہرا اور علیؑ اور حسنؑ و حسینؑ کا واسطہ اے عقدہ کشا ہم پر نظر عنایت فرمایئے۔

ہجرت نبوی کا تیسرا سال ہے کفر جو اسلام کے ہاتھوں بدر میں شرمناک شکست کھا چکا ہے ایک بار پھر اپنی تمام تر طاغوتی قوتوں کے ساتھ حق سے ٹکراتا ہے نور و ظلمت کی اس جنگ کو جنگ احد کے نام سے یاد کیا جاتا ہے باوجود تعداد کی قلت کے مسلمان کفار کو بھگا دیتے ہیں۔ اچانک عقب سے تیروں کا شدید حملہ ہوتا ہے، حضورؐ انور روحی و قلبی فداہ کا دندان مبارک شہید ہو جاتا ہے، مسلمانوں کے قدم اکھڑنے لگتے ہیں۔ لشکر کے علم بردار مصعب بن عمیر شہید ہو جاتے ہیں۔ اب علم علیؑ کو عطا ہوتا ہے اور اسد اللہ الغالب سیدنا علی بن ابی طالب شیر یزداں کی شکل میں کفر کی قوتوں پر بھرپور وار کرتے ہیں، داہنے ہاتھ میں زخم آ جاتا ہے تو بائیں ہاتھ میں علم لے لیتے ہیں اور حضورؐ انور سے "یہ دنیا و آخرت میں علم بردار ہے" کی سند لے لیتے ہیں، کفار کے قدم اکھڑنے لگتے ہیں۔ اسی اثنا میں سرور کائنات کا روئے انور علیؑ کی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا ہے، تلاش روئے انور میں ہر طرف سرگرداں و پریشاں ہیں، جب اپنے حبیب کو کہیں نہیں پاتے تو لڑتے لڑتے کفار کے نرغہ میں سما جاتے ہیں:

نہیں تو تو کس کام کی ہیں یہ آنکھیں ارے جانے والے انہیں بھی لئے جا

(خمار بارہ بنکوی)

کفار کا مجمع حملۂ حیدری کی تاب نہ لا کر کائی کی طرح پھٹ جاتا ہے اور کفر کے مہیب بادلوں سے نور و ہدایت کا آفتاب طلوع ہوتا ہے:

بکھرائے مصحف رخ رنگیں پہ کاکلیں کافر گھٹا کی چھاؤں میں قرآں لئے ہوئے

(جوش)

حضورؐ انور کے روئے مبارک پر نظر پڑتے ہی علیؑ کا غنچہ آرزو کھل اٹھتا ہے اور جبین امامت خالق کائنات کے حضور سجدہ ریز ہو جاتی ہے فرشتے عرش الٰہی سے صدائے لافتی بلند کرتے ہیں:

بہ جنگ احد چوں نبی ماند تنہا ندایش فرستاد نادعلی را

(مولانا جامی)

جنگ احد میں جب نبی کریمؐ تنہا رہ گئے تو اللہ تعالیٰ نے نادعلی نازل فرمائی۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوت میں بعد واقعہ لافتی الا علی، لاسیف الا ذوالفقار لکھتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ واقعۂ نادعلی اسی معاملہ اور اسی معرکہ میں واقع ہوا۔ علما و مشائخ اس عمل کو اپنا معمول بنائے رہے اور اعمال میں اس کے بڑے منافع ہیں۔ شیخ محمد غوث گوالیاری کے وقت سے آئی اور اس کے لئے اخذ اجازت کا دستور ہوا چنانچہ حضرت ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنے شیخ الحدیث مولانا ابو طاہر مدنی سے اس کی اجازت لی، نادعلی یہ ہے:

نادِ علیاً مظہر العجائب تجدہ عونا لک فی النوائب کل همّ و غم

سینجلی بنبوّتک یا محمد و بولایتک یا علیّ یا علیّ یا علیّ

پکارو علیؑ کو مظہر العجائب ہیں تم ہر قسم کی مصیبتوں میں ان کو اپنا مددگار پاؤ گے ہر قسم کے رنج و غم فوری طور پر دور ہو جائیں گے آپ ؐ کی نبوت کے طفیل اے محمدؐ اور آپ کی ولایت کے سبب اے علیؑ اے علیؑ اے علیؑ۔

غزوۂ خندق میں جب علیؑ کی موہنی صورت نبی کی آنکھوں سے اوجھل ہو جاتی ہے تو بارگاہ ایزدی میں سربسجود ہوتے ہیں: رب لا تذرنی فردا و انت خیر الوارثین اے میرے رب تو مجھے اکیلا نہ چھوڑ اور تو وارثوں میں سے بہتر وارث ہے۔ اسی جنگ میں علیؑ سر پر زخم لئے ہوئے اس شان سے حضورؐ انور کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں کہ پورا بدن خون سے تر ہے چہرہ کی دلفریب مسکراہٹ جانثاری کی داستان سنا رہی کہ ایثار و جانثاری پر قتل علی لعمر بن عبدود افضل من عبادۃ الثقلین علی کا عمر بن عبدود کو قتل کرنا ثقلین کی عبادت سے افضل ہے، کی سند بارگاہ رسالت سے عطا ہوتی ہے، بعد ازاں غزوہ بنی قریظہ اور غزوہ فدک میں بھی علیؑ کے دست و بازو شجاعت کے وہ جوہر دکھاتے ہیں کہ کائنات کا ایک ایک ذرہ شیر خدا کی آواز میں پکار اٹھتا ہے ھل من مبارز ہے کوئی مقابلہ کرنے والا۔

اب قلعۂ خیبر، خیبر شکن کے ہاتھوں پاش پاش ہوتا ہے اور کفر کا یہ مضبوط قلعہ اسلام کی عظمتوں کے آگے سرنگوں ہوتا ہے خیبر کے رہنے والے اپنے مضبوط اور ناقابل تسخیر قلعوں کے گھمنڈ میں اسلام کو چیلنج دے رہے ہیں کہ اگر ہمت ہے تو آؤ اور ہمیں فتح کرنا تو دور کی بات ہم تک پہنچ کر ہی دکھاؤ۔ تاریخ اسلام کا یہ عظیم سپاہی جس کی ذات میں ہزاروں لشکر ایزدی پنہاں ہیں کفر کے اس متکبرانہ چیلنج کا جواب یدرککم الموت و لو کنتم فی بروج مشیدۃ موت تم تک پہنچ ہی جائے گی خواہ تم کتنے

ہی مضبوط قلعوں کے اندر کیوں نہ ہو، سے دیتا ہے۔ اکابرین صحابہ جاتے ہیں اور خیبر کے ناقابل تسخیر قلعہ کے آگے ناکام و نامراد لوٹتے ہیں۔ اب باری آتی ہے اس شیر کی شجاعت کی جس کی مردانگی کے آگے نہ صرف عجم بلکہ چہار دانگ عالم لرزہ براندام ہے۔ اللہ کا پیارا علی، رسول کا چہیتا علیؑ، آیۂ تطہیر کا مورد حقیقی علیؑ السابقون الاولون کا تاجدار علیؑ، شہسوار لافتی، تاجدار ھل اتی، شیر خدا، مشکل کشا جس کے لئے زبان رسالت وفور شوق و طرب سے جھوم کر فرما رہی ہے کل میں ایسے شخص کو علم دوں گا جو خدا اور رسول کا محب بھی ہے اور محبوب بھی خدا اسی کے ہاتھوں قلعہ خیبر کو فتح کرائے گا۔ ساری رات اسی فکر میں بسر ہوتی ہے کہ اس شرف عظیم کا تاج کس کے سر پر رکھا جاتا ہے یہ خلعت فاخرہ کسے عطا ہوتی ہے ہر دل بے چین ہے اور ہر نفس مشتاق اس لیے کہ جو ہمیشہ ہر نازک وقت پر، خطرناک موقع پر، اسلام کے دفاع کے لئے چٹان بن جاتے تھے وہ شدید علیل ہیں۔ آشوب چشم کا شکار ہیں اس کشمکش و پیچ میں رات کی مہیب تاریکیوں سے نور سحر نمودار ہوتی ہے اور حبیب خداؐ اپنے حبیب کو طلب فرماتے ہیں آشوب چشم، لعاب دہن اقدس کے طفیل یوں زائل ہوتا ہے کہ ہمیشہ کے لئے نور معرفت کی آماجگاہ بن کر رہ جاتا ہے دست مصطفوی سے علم بلند ہوتا ہے اور بازوئے حیدری اس علم کی محافظت کے سلسلے میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے امین و محافظ بن جاتے ہیں۔ قلعہ کا آہنی دروازہ قوت ایزدی سے اکھاڑ لیتے ہیں اور اس دروازہ کو خندق پر پل کی طرح رکھ دیتے ہیں جس سے مسلمانوں کی رسائی قلعہ تک ہو جاتی ہے، فتح خیبر کے بعد فتح و ظفر کا تاج پہنے جب رسول کا چہیتا رسول کی بارگاہ میں آتا ہے تو علی کے لئے آغوش نبوت وا ہوتی ہے اور زبان نبوت فرماتی ہے تمہاری ہمت کا کیا کہنا! خدا کے یہاں تمہاری سعی مشکور ہوئی اللہ تم سے خوش اور اس کا رسول تم سے راضی اور تمام ملائکۂ مقربین تم کو آفریں کہہ رہے ہیں محافظ رسالت، امین نبوت علی یہ سن کر فرط مسرت سے رو دیتے ہیں:

آخر ہر گریہ ماخندہ ایست　　مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست

(مولانا روم)

ہمارا ہر گریہ خندۂ مسلسل ہے انجام پر نظر رکھنے والا جوانمرد کتنا مبارک بندہ ہے۔

۸ھ میں مکہ فتح ہوتا ہے مولود کعبہ کی تطہیر کے لئے۔

کعبہ کی عظمت کو بتوں کی آلودگی سے پاک کرتا ہے اور تین سو ساٹھ بت دست حیدری سے چور

چور ہو جاتے ہیں آنحضرتؐ کی زبان مبارک بار بار آیۂ کریمہ کی تلاوت میں مصروف ہے جاء الحق و زھق الباطل ان الباطل کان زھوقا حق آ گیا اور باطل غائب ہو گیا یقیناً باطل غائب ہونے والا ہے۔ سب سے بڑا بت باقی رہ جاتا ہے جس کے لئے علیؑ کو راکب دوش نبی ہونے کا اعزاز عطا ہوتا ہے۔ آنحضرتؐ اپنے شانۂ اقدس پر علیؑ کو بلند فرماتے ہیں اور دوش نبوت پر امامت کا عروج اہل فلک دیکھ لیتے ہیں ھو العلی الاعلی کی صدائیں ہر طرف سے بلند ہیں۔ خود مولائے کائنات فرماتے ہیں جب مجھے دوش رسالت پر صعود کا شرف حاصل ہوا تو محسوس ہوتا تھا کہ میں فلک کی بلندیوں کو چھو رہا ہوں۔

مولا علیؑ ہیں دوش رسولؐ انام ہے　　کیا اس سے بھی بلند کوئی اور مقام ہے

حضرت امام شافعی محبت علیؑ میں بیخود ہو کر کیا خوب فرماتے ہیں:

لو ان المرتضیٰ بدا محله　　لکان الناس طرا سجدا له
کفا فی فضلٌ علی　　وقوع الشک فیه انه الله
و مات الشافعی ولیس یدری　　علیٌ ربه ام ربه الله

اگر علیؑ مرتضیٰ لوگوں کے سامنے اپنا منصب بیان فرمادیں تو لوگ حقیقتاً آپ کو سجدہ کرنے لگیں۔ ہمارے مولی علیؑ کی فضیلت کے لئے بس اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ وہ اللہ ہیں، شافعی مرتے دم تک یہ نہ سمجھ سکا کہ اس کا رب کون ہے، اس کا رب علیؑ ہے یا اللہ اس کا رب ہے۔ سچ ہے:

خاصان خدا خدا نہ باشند　　لیکن ز خدا جدا نہ باشند

اللہ تعالیٰ کے مخصوص بندے خدا تو نہیں ہیں لیکن وہ خدا سے جدا بھی نہیں۔

کیا اس سے کوئی یہ گمان بھی کر سکتا ہے کہ امام شافعی معاذ اللہ نصیری تھے؟ جی نہیں ہرگز نہیں دیکھئے خداوند تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: و نفخت فیه من روحی فوقعوا له ساجدین اور میں نے اس خاک کے پتلے میں اپنی روح پھونک دی لہٰذا وہ اس کے سامنے سجدہ میں گر پڑے۔ اور حدیث صحیح میں ہے کہ بندہ جب میرے قریب ہو جاتا ہے تو میں ہی اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے میں ہی اس کا کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی قوت دراصل میری قوت ہوتی ہے یعنی اسے اتنی فنائیت حاصل ہو جاتی ہے کی اس کا سونا جاگنا اٹھنا بیٹھنا سب اسی شاہد طناز کی طرف سے ہو کر رہ جاتا ہے جو سراپا نور ہے یعنی وہ مشت خاک ذات احدیت میں اس طرح فنا ہو

جاتی ہے کہ نور ہی نور رہ جاتا ہے اور کثافت کا نام و نشاں تک نہیں رہ جاتا۔ یہ فنائیت تامہ ہی ہے جو کبھی حضرت منصور کی زبان سے اناالحق کا نعرہ بلند کراتی ہے۔ کبھی حضرت شبلی سے سبحانی یا اعظم شانی کی صدائے وحدانیت بلند کراتی ہے کبھی حضرت سرمد سے لا الہ کی تکرار کراتی ہے کبھی عارف رومی سے نغمۂ توحید گواتی ہے:

از پردہ برون آن بت عیار بر آمد — دل برد و نہان شد
خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گل کوزہ — خود رند سبو کش
خود بر سر آن کوزہ خریدار بر آمد — بشکست و روان شد
گہ نوح شد و کرد جہان را بد عا غرق — خود رفت بہ کشتی
یوسف شد و از مصر فرستادہ قمیصی — روشن کن عالم
در دیدۂ یعقوب چو انوار ہمی رفت — تا دید عیان شد
بالجملہ ہمو بود کہ می آمد و می رفت — ہر قرن کہ دیدی
تا عاقبت آن شکل عرب وار بر آمد — دارای جہان شد
شق کردہ قمر را بسر انگشت شہادت — در صورت محبوب
شمشیر بہ کف حیدر کرار بر آمد — قتال جہان شد
حقا کہ ہمو بود کہ می گفت اناالحق — در صورت منصور
منصور نہ بود آنکہ سردار بر آمد — نادان بگمان شد
رومی سخن کفر نہ گفتہ ست و نگوید — منکر نہ شویدش

وہ بت عیار پردہ سے باہر آیا دل لے گیا اور غائب ہو گیا۔ وہ خود کوزہ ہے خود ہی کوزہ گر اور خود کوزہ کی مٹی اور خود ہی رند سرمست وہ خود ہی اس کوزہ کا خریدار بن کر آیا پھر اسے توڑ ڈالا اور چل دیا۔ کبھی وہ نوح ہوا جس کی دعا نے تمام عالم کو غرق کر دیا اور خود کشتی میں سوار ہوا، کبھی وہ خلیل بن کر آگ کے بطن سے نمودار ہوا اور آگ کو گلزار بنا دیا، کبھی وہ یوسف بن گیا اور مصر سے قمیص بھیجی جس نے عالم کو روشن کر دیا، یعقوب کی آنکھوں میں انوار بن کر سماتا یہاں تک کہ وہ بینا ہو گئیں۔ قصہ مختصر یہ ہے کہ وہی ایک فرد ہر صدی میں آتا اور جاتا رہا، آخر وہ عرب کا ماہ کامل بن کر چمکا اور سارے عالم کا آقا کہلایا، چاند کو کلمہ کی انگلی کے اشارے سے شق کر دیا، محبوب خدا کی صورت میں، کبھی وہ

تلوار بن کر حیدر کرار کی شکل مبارک میں آیا اور قتال جہاں کہلایا۔ حق تو یہ ہے کہ اسی نے منصور کی صورت میں انا الحق کا نعرہ بلند کیا وہ منصور تو نہ تھا جو سولی پر چڑھ گیا ایسی نادانی بھلا وہ کیسے کرتا، رومی نے نہ تو کبھی کفر کا کلمہ ادا کیا اور نہ کبھی ایسا کرے گا خبردار اسے منکر نہ سمجھنا، کافر تو وہ ہے جس نے انکار کیا اور مردود جہاں بن گیا۔

حضرت خواجہ باقی باللہ جب اس مقام پر پہنچتے ہیں تو فرماتے ہیں:

ما نور ایزدیم و بہ ہر ذرّہ عیانیم　　ماحق مطلقیم و خداوند جہانیم

ہم ہمہ ست حقیقت بہ کہ گویم　　حقا کہ منم نور درین کون، مکانیم

ہم نور الٰہی ہیں اور ہر ہر ذرہ سے ہم عیاں ہیں، ہم حق مطلق ہیں اور خداوند جہاں ہیں، میں حق ہوں، سب کچھ حق ہے، میں اس کی حقیقت کس سے بیان کروں، خدا کی قسم اس کون و مکاں کا نور تو میں خود ہوں۔

وہ ذات کبھی حضرت جنید سے لیس فی جبتی سوی اللہ میرے اس جبہ میں سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں، کہلواتی ہے اور کبھی سرتاج اولیاء و عارفین امیر المومنین سیدنا علی بن ابی طالب کے اس قول مستانہ سے انا اللہ الملک انا الاول انا الآخر انا الظاھر انا الباطن انا خلاق المخلوقین انا رازق المرزوقین انا شمس الافلاک انا خلیل الجبرئیل انا صفی المیکائیل انا دھر الدھور انا سبب السبوب انا وجہ الذی وجھتم الیہ انا جنب الذی فرطتم فیہ انا من اللہ بمکان اذا کنت بہ فانا ھو یعنی میں ملک کا الہ ہوں میں ہی اول ہوں میں ہی آخر ہوں میں ہی ظاہر ہوں میں ہی باطن ہوں میں ہی مخلوقین کا خالق ہوں میں ہی مرزوقین کا رازق ہوں میں ہی شمس الافلاک ہوں اور میں ہی قائد الافلاک میں ہی جبرئیل کا خلیل ہوں اور میں میکائیل کا صفی ہوں میں ہی زمانوں کا زمانہ ہوں اور میں ہی اسباب کا سبب ہوں میں ہی وہ وجہ ہوں جس کی طرف متوجہ ہوں اور میں ہی وہ پہلو ہوں جس میں تم سمائے ہو میں اللہ کی جانب سے اس مقام پر ہوں کہ سب کچھ اسی کی ذات ہے۔

کبھی کسی عارف کامل (حضرت معروف کرخیؒ) سے وہ ذات مطلقہ کہلاتی ہے:

رأیت ربی بعین ربی　　فقال من ھنت قلت انت

میں نے اپنے رب کو رب کی آنکھوں سے دیکھا، اس نے پوچھا کہ تو کون ہے میں نے کہا تو ہی تو ہے۔ اور کبھی کسی صاحب دل سے کہلواتی ہے:

فنا فی اللہ جب ہم ہو چکے تو بس ہم ہی ہیں کبھی بندہ بنے اپنے کبھی اپنے خدا ٹھہرے

(امیر مینائی)

جب خاصان خدا، اولیاء امت کا یہ حال ہے کہ انہیں اس قدر فنائیت تامہ حاصل ہے اور وہ ذات باری تعالیٰ میں اس طرح جذب ہیں کہ انہیں اپنے پیرہن سے بوئے دوست آتی ہے اور ان کی حیات اس آیہ کریمہ کی تفسیر ہو کر رہ گئی ہے و نفخت فیه من روحی فوقعوا له ساجدین تو اس ذات مقدس کا کیا پوچھنا جس کی قدوسیت کی گواہی قرآن پاک نے دی، نبی برحق نے دی، ملائکہ مقربین نے دی، انبیاء مرسلین نے دی چونکہ حضرت مولائے کائنات علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم تمام خاصان خدا کے رہبر و پیشوا ہیں اور بغیر آپ کی محبت اور تولا کے کوئی بھی راہ سلوک طے نہیں کر سکتا تھا، تمام سلاسل روحانی آپ ہی کے چشمۂ فیض سے جاری اور ساری ہیں تمام اولیاء، صلحاء، اتقیاء آپ کی روش پر زندہ ہیں، جملہ صوفیان باصفا در مرتضوی کی چوکھٹ پر جبین نیاز خم کئے ہوئے ہیں لہٰذا آپ کی ذات مبارکہ ''من نیم یار است از سر تا قدم'' کی تفسیر ہے۔

اپنے دست مبارک سے بنائے سجائے اور سنوارے علیؑ کو جب حضور سرور کائناتؐ نے دیکھا تو فخر و مسرت سے فرما دیا: علی ممسوس فی ذات الله تعالی یعنی علی، اللہ تعالیٰ کی ذات میں فنا ہے۔ یہ قول اس امین و صادق کا ہے جسے کفار بھی صادق گردانتے تھے، اس امین کا جس کی امانت و دیانت کے دشمن بھی معترف تھے، ہم یہ کہتے ہیں کہ حضرت مولائے کائنات صفات الوہیت کے مظہر تھے اور اس آئینہ میں آئینہ ساز کے رخسار کی دمک تھی۔ حضور سرور کائناتؐ اپنے علیؑ کو اپنے چہیتے علیؑ کو نہ صرف یہ کہ صافت الوہیت کا مظہر قرار دے رہے ہیں بلکہ ذات احدیت میں ان کے جذب کامل کی گواہی دے رہے ہیں تب ہی تو زبان معجز بیان رسالت فرماتی ہے: اللهم ادر الحق حیث علی اے اللہ حق کو اسی طرف گھما دے جس طرف علیؑ گھومیں یعنی علیؑ کے حق کی طرف گھومنے کی دعا نہیں بلکہ حق اس طرف گھوم جائے جدھر علیؑ کا روئے انور ہو۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ مرتے دم تک شافعی یہ نہ سمجھ سکا کہ اس کا رب کون ہے؟ علیؑ یا اللہ، اس میں رب کا لفظ بہت خوب ہے رب بہ معنی پرورش کرنے والا اور راہ سلوک پر چلنے والا، کون ایسا ہے جس کی پرورش علیؑ کے مبارک ہاتھوں

سے نہ ہوئی ہو جس کی تربیت روحانی مولی نے اپنے کرم خاص سے نہ فرمائی ہو جس کی خالی جھولی کو علیؑ نے لعل و جواہر سے نہ بھرا ہو۔ اب اگر کوئی صاحب حال صوفی با صفا مولائے کائنات کے حضور میں انت ربی انت حسبی کا نعرہ بلند کرتا ہے تو خدارا بتایئے کہ یہ شرک ہے یا عین توحید:

اس راہ میں جو یاد کرے دوست کو غافل　　اس سے یہ نکلتا ہے ابھی دور ہے منزل
معشوق سے ہر وقت جنہیں قرب ہے حاصل　　کس کو وہ کریں یاد بتادے کوئی عاقل
دل آہ کبھی وصل میں بھرتا ہو تو کہہ دو
اپنے کو کوئی یاد نہ کرتا ہو تو کہہ دو

جس کا یہ عقیدہ ہے کہ میں عبد و معبود　　اس بزم کا قانون یہ کہتا ہے وہ مردود
سب ایک حقیقت میں ہے ساجد ہو کہ مسجود　　ہے کفر یہ کہنا یہ ایاز اور وہ محمود
ہاں لفظ انا الحق میں انا باعث شر ہے
اس سے یہ ٹپکتا ہے خودی پیش نظر ہے
(جوش ملیح آبادی)

حضرت غوث ملت شاہ تراب علی قلندر فرماتے ہیں

از ید اللہ فوق ایدیھم　　شد یقینم کہ مرشد اللہ ست

ید اللہ فوق ایدیھم کی آیہ کریمہ سے مجھے یقین ہو گیا کہ مرشد اللہ ہے، آیۂ کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ ہو: اے محمد جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں۔ یقیناً وہ اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ پر ہے۔

بیعت طریقت میں جب ہم مرشد کامل کا ہاتھ پکڑتے ہیں تو وہ ہم سے اقرار کراتا ہے یہ ہاتھ ہمارا امیر المؤمنین علی مرتضی کا اور ہم اقرار کرتے ہیں کہ سچ ہے پھر ارشاد ہوتا ہے یہ ہاتھ ہمارا رسالت پناہ محمد مصطفیٰ کا، ہم تصدیق کرتے ہیں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے یہ ہاتھ ہمارا اللہ کا اور ہم اقرار کرتے ہیں کہ سچ ہے، ہمارا یہ اقرار باللسان اور تصدیق بالقلب، دراصل اقرار اور اطاعت ہے۔ امر خداوندی انی جاعل فی الارض خلیفۃ بے شک میں زمین میں اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں، کا کلمہ لا الہ الا اللہ کا اقرار زبانی بلکہ تصدیق بالقلب بھی ناقص ہے جب تک کہ محمد رسول اللہ کو شامل ایمان نہ کیا جائے اور محمد رسول اللہ کا شمول ممکن ہی نہیں جب تک کہ تو لائے علیؑ نہ ہو۔

فرمایا حضور سرور کائنات علیہ افضل الصلوات نے: میں اور علیؑ ایک نور تھے وہ نور اللہ عزوجل کی تسبیح و تقدیس کرتا رہتا تھا تخلیق آدم سے چودہ ہزار سال قبل جب اللہ نے آدمؑ کو پیدا فرمایا تو وہ نور ان کے صلب میں رکھا چنانچہ میں اور علیؑ ایک رہے یہاں تک کہ عبد المطلب کے صلب میں ہم الگ کر دئے گئے مجھے نبوت عطا ہوئی اور علیؑ کو امامت۔ (دیلمی، ابن مغازلی، امام احمد بن حنبل، امام نسائی، حموینی، محب طبری)

اگر حق را پرستاری تولای علیؑ باید — محمدؐ را طلبگاری تولای علیؑ باید
بسوداگر بہازاری تولای علیؑ باید — چو ایمان را خریداری تولای علیؑ باید
حدیث منقبت بشنو رموز معرفت بشنو — چو عقل و گوش و سر داری تولای علیؑ باید
شریعت را نگیں محکم زحب اولیا خاتم — چو اہل علم و دینداری تولای علیؑ باید
بہ لطف و فرحت و شادی بہ کرب و درد و بربادی — بہ آسانی و دشواری تولای علیؑ باید
علیؑ جان و جہان ما، علیؑ روح و روان ما — زحق ما را بہ صد زاری تولای علیؑ باید
ترا اے قیس ازین صہبا مبارکباد استقا — تولای علیؑ داری تولای علیؑ باید

(مولوی محمد عاصم قیس کاکوروی)

اگر تم حق تعالیٰ کے پرستار ہو تو تمہارے لئے علیؑ سے تولا ضروری ہے۔ اگر محمدؐ کے طلبگار ہو تو علیؑ کا تولا ضروری ہے۔ اگر تم بازار میں نفع کا سودا چاہتے ہو تو تولائے علیؑ ضروری ہے۔ اگر تم ایمان کے خریدار ہو تو تولائے علیؑ ضروری ہے۔ علیؑ کی منقبت کی حدیثیں سن لو! معرفت کے رموز جان لو اگر تمہارے پاس عقل ہے، کان ہے اور سر ہے تو جان لو کہ علیؑ کا تولا ضروری ہے۔ شریعت کا ایک خوبصورت اور مضبوط نگینہ جو اولیاء اللہ کی محبت کی انگوٹھی میں جڑا ہوا ہے اگر تم صاحب علم اور دیندار ہو تو تولائے علیؑ ضروری ہے۔ لطف و فرحت اور خوشی میں کرب و درد اور بے چینی میں، غرض یہ ہے کہ ہر آسانی اور دشواری میں علیؑ کی محبت ضروری ہے، علیؑ ہماری جان ہیں، علیؑ ہمارا جہان ہیں، علیؑ ہماری روح ہیں، اللہ تعالیٰ ہم گڑگڑاتے ہیں، محبت علیؑ کی بھیک مانگتے ہیں اے قیس اس شراب معرفت سے سیرابی مبارک ہو محبت علیؑ تم کو نصیب ہے اور علیؑ کی محبت ہی ضروری اور کافی ہے۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے:

نبی جہان میں احمدؐ سا اور علیؑ سا امام — جو کچھ ملا ہمیں قسمت سے انتخاب ملا

علیؑ علی الاعلیٰ ہے، علیؑ جمال ایزدی ہے اور علیؑ امام الانس والجن ہے، علیؑ نفس رسول ہے علیؑ بعد نبی افضل البشر ہے، نگاہ حقیقت سے دیکھئے، تو یہ حدیث پاک مشہور و مسلم ہے "جس کا میں مولیٰ علیؑ بھی اس کے مولیٰ" اب رسول برحقؐ کا یک فرمان مدنظر رکھئے میں قیامت کے روز تمام اولاد آدم کا سردار ہوں گا اور یہی ہمارا ایمان ہے کہ بلاشبہ ہمارے رسول برحقؐ سردار عالم آدم ہیں لہٰذا جب آپ کی سرداری مطلقہ متفق علیہ ہے تو علیؑ جو نفس رسول ہیں کیا وہ تمام اولاد آدم کے سردار و پیشوا نہیں جس کے سردار و پیشوا رسول، علیؑ بھی اس کے سردار و پیشوا، اس حقیقت کو اکابرین ملت آج تک تسلیم کرتے چلے آئے ہیں، دیکھیئے حضرت علیؑ کے حق میں مولانا روم فرماتے ہیں۔ ع:

افتخار ہر نبی و ہر ولی

ذات گرامی علی مرتضیٰ سجدہ گاہ شمس و قمر ہے، یہ قول ہمارا نہیں بلکہ مولانا روم فرماتے ہیں:

او خیو انداخت بر روئے کہ ماہ　　سجدہ آرد پیش او شام و پگاہ

(مثنوی معنوی)

اس نے اس چہرۂ انور پر تھوک دیا جس کے آگے چاند صبح و شام سجدہ کرتا ہے۔

جناب امیرؑ کی تمام کنیت میں سب سے زیادہ محبوب کنیت ابوتراب تھی اگر کوئی آپ کو اس نام سے یاد کرتا تو آپ بہت خوش ہوتے۔ عمار بن یاسر سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں ۲ھ میں غزوۂ عشیہ میں علیؑ کے ساتھ تھا ہم لوگ ایک کھجور کے باغ میں زمین پر لیٹ رہے اور سو گئے، اتنے میں آنحضرتؐ تشریف لائے حضرت علیؑ کا تمام جسم خاک و دھول سے اٹا ہوا تھا یہ دیکھ کر آنحضرتؐ فرمانے لگے: قم یا ابا تراب (اٹھو اے ابوتراب) (مناقب امام احمد) کسی نے کیا خوب کہا:

گلوں سے کھینچ کر عطار نے خواب کی بو　　کجا علیؑ کا پسینہ کجا گلاب کی بو

یہی سبب ہے جو کھینچتا ہے عطر مٹی سے　　بسی ہوئی ہے زمین میں ابوتراب کی بو

اللہ تعالیٰ نے انسانی تخلیق جن چار اجزا سے فرمائی ہے آب، خاک، باد اور آتش ان چاروں عناصر میں خاک ہی وہ واحد عنصر ہے جو نور کو مکمل طور پر اپنے میں جذب کر لینے کی پوری صلاحیت رکھتی ہے اس خاک کا پتلا جب جاذب انوار الٰہی ہوا تو ملائکہ کو اسے سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا جس کا گواہ قرآن پاک ہے: فقعوا له ساجدین کیا یہ سجدہ اس مشت خاک کو تھا جس کی تخلیق رب کائنات کے ہاتھوں ہوئی ہے؟ جی نہیں! مقدس امانت کو تھا جس کے لئے ارشاد ہے: انا عرضنا

الامانة علی السماوات والارض۔

آسماں بار امانت نتوانست کشید قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

مولائے کائنات گو کہ مشت خاک تھے لیکن ان کی ذات بلند درجات از سرتا بقدم ادراک تھی آپ نور خداوندی سے ایسے مجلی ہوئے کہ ذات گرامی سولی علی مسجود ملائکہ ہوگئی اور علیؑ کا نقش کف پا سجدہ گاہ عرفا ہو گیا:

بہ سوئے کعبہ رود شیخ و من بسوئے نجف بہ رب کعبہ کہ اینجا مراست حق ز طرف

تفاوتی کہ میان من ست و او اینست کہ من بسوئے گہر رفتم او بہ سوئے صدف

جناب شیخ کعبہ کو سدھارے اور میں نجف کی طرف چلا۔ رب کعبہ کی قسم میں حق پر گامزن ہوں مجھ میں اور ان میں جو فرق ہے وہ یہ ہے کہ میں گوہر کی تلاش میں ہوں اور وہ صدف کی تلاش میں۔

علیؑ و کعبہ میں فرق ہے نگاہ باطن سے دیکھ لیجئے:

مکیں مکیں ہے مکاں مکاں ہے صدف صدف ہے گہر گہر ہے

تمام سلاسل روحانی آپ کے ہی چشمۂ فیض سے جاری و ساری ہیں تمام سالکین ارباب فنا اور کاملین آپ کی فیض نظر کے محتاج ہیں۔ تمام صوفیا اور عارفین کے آپ ہی ملجا و ماویٰ ہیں حضرت مجدد الف ثانی کے پیر طریقت حضرت باقی باللہ کیا خوب فرماتے ہیں۔

من حاصل این خطاب گویم مضمون ابو تراب گویم

خاک اند جماعتی کہ مردند ہستی بخدائے خود سپردند

از سطوت نور در نشستہ در آب بقا فرو نشستہ

سر حلقۂ خاکیان علی بود سر سلسلۂ جہان علیؑ بود

(خواجہ باقی باللہ)

میں لفظ ابوتراب کا مضمون اور اس خطاب کا حاصل بیان کر رہا ہوں ایک جماعت خاک کی طرح ہے جس کا نفس مردہ ہے، ان لوگوں نے اپنی ہستی یکسر اللہ کے حوالہ کر دی ہے، نور کے غلبہ سے ان کا نفس شکستہ ہو چکا ہے، یہ لوگ آب بقا میں جا بیٹھے ہیں، ان خاکیوں کے حلقہ کے سردار علیؑ تھے اور دنیا جہان کے سلسلۂ اولیاء کے سردار علیؑ تھے۔[1]

[1] در مناقب اہل بیت، ص ۲۸۲، مؤلفہ مولانا کوثر ندوی

خاک کے پتلے پر تجلی ذاتی ہوئی تو وہ خاک جاذب انوار الٰہی ہوگئی اور اس آئینہ میں رخ آئینہ ساز کی دمک نظر آنے لگی۔ "الله نور السموات والارض مثل نوره كمشكوٰة فيها مصباح المصباح فی زجاجة الزجاجة كانها كوكب دُری يوقد من شجرة مباركة زيتونة لاشرقيه و لاغربية يكاد زيتها يضیٔ و لو لم تمسسه نار نورٌ علی نور" اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے اس کے نور کی مثال ایک قندیل کی ہے جس میں چراغ روشن ہے وہ چراغ قندیل ہے اور قندیل ایک روشن تارے کی طرح ہے جو شجر مبارکہ سے روشن تاباں ہے نہ تو شرقی ہے اور نہ ہی غربی اس کا تیل ہر سو روشنی بکھیر رہا ہے گو کہ آگ کا وہاں گزر ہی نہیں وہ تو نورٌ علی نور ہے۔

نور نورم، نور نورم، نور نورم　　من چراغ و پنبہ و روغن نیم

(مولانا روم)

نور الٰہی کا پرتو دیکھنا ہے تو محمدؐ کے رخ روشن کی تابانیاں دیکھئے جو ایسا چراغ روشن ہے جس سے ہزاروں آفتاب شرمندہ ہیں بلکہ آفتاب و ماہتاب کی کرنیں مستعار ہیں اس نور مجسم سے جو صاحب لولاک ہے جو ع:

نور تو اول و آخر بظہور آمدہ

کا مصداق ہے اور جو ہجوم تجلی سے معمور ہے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعدد كلمات الله التامات اس چراغ روشن کو قندیل رشد و عرفان میں دیکھنا ہے تو اسے دیکھئے جس کے لیے ارشاد سرور کائنات ہے ہے انا و علی من نور واحد چراغ مصطفوی کا محافظ حقیقی اس کا محبوب حقیقی جو طالب بھی ہے اور مطلوب بھی اور اسی محافظ حقیقی نے اس سراج منیر کو قندیل مرتضوی میں رکھ چھوڑا۔ کبھی قلب محمدی کو نادعلی سے سکون بخشا تو کبھی روح محمدی کی تسکین کے لئے شب معراج علی کی آواز میں تکلم فرمایا، حق تعالیٰ نے کبھی اسے آسمان کی بلندیوں سے علی الاعلیٰ کے نام سے پکارا تو کبھی مظهر العجائب والغرائب کی خلعت فاخرہ سے اسے مزین فرمایا۔ وہ ستارہ تابندہ جس کی تب و تاب اس مبارک شجر سے ہے جس کے لئے ارشاد ہے: أصلها ثابت و فرعها فی السماء یعنی اس کی اصل قائم ہے اور اس کی فرع آسمان میں ہے۔

حضرت خداوند نعمت مولانا حافظ شاہ علی حیدر قلندرؒ اپنی تصنیف نفائس المنن فی فضائل سیدنا ابی الحسن میں فرماتے ہیں: ولایت ولی سے مشتق ہے۔ ولی اس کو کہتے ہیں جو ذات و

صفات الٰہی کو اپنے امکان بھر جانتا ہو۔ شاہ عبدالعزیز صاحب لکھتے ہیں کہ ولی وہ ہے جس کے دیکھنے سے ذکر کا فائدہ حاصل ہو چونکہ ذکر سب سے بڑی عبادت ہے اور اولیاء اللہ کے جمال باکمال کا مشاہدہ اس نعمت کے حصول کا موجب ہوتا ہے اور اولیاء اللہ کی زیارت عبادت الٰہی ہے، حدیث نبوی: النظر علی وجه علی عبادة علیؑ کے چہرہ کو دیکھنا عبادت ہے، میں بھی یہی حقیقت بیان کی گئی ہے اور اس مضمون کی کسی حدیث کا کسی اور صحابی کی شان میں وارد نہ ہونا اس امر کی کھلی دلیل ہے کہ بعد آنحضرتؐ حضرت علیؑ ہی منصب ولایت پر فائز ہوئے۔ حدیث ولایت "من کنت مولاه فعلی مولاه" اور حدیث موالات: انّ الله عزّ و جلّ مولای و انا ولی کلّ مؤمن ثم اخذ بید علی و قال من کنت ولیه فهذا ولیّه اللهم و ال من والاه و عاد من عاداه. بے شک اللہ میرا مولی ہے اور میں ہر مومن کا ولی ہوں پھر حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا جس کا میں ولی یہ بھی اس کا ولی۔ اے اللہ اس سے محبت رکھ جو اس سے محبت رکھے اور جو اس سے دشمنی رکھے تو بھی اسے دشمن رکھ، بھی اسی شرف پر دلالت کرتی ہے۔ رسالۂ ائمۃ الہدی میں ہے کہ نبوت اعلیٰ ترین مراتب قرب الٰہی کا نام ہے اور نبی منجانب اللہ عالم خلق و عالم امر دونوں کی اصلاح پر مامور ہوتا ہے، چنانچہ حضرت علیؑ سے عالم امر کی اصلاح نہایت اکمل طریقہ سے ہوئی ایسا کہ آپ ہی فائز بمرتبۂ ولایت ہوئے اور تمام صحابہ ولایت میں آپ کے تابع ہوئے اور قیامت تک کے لئے حصول ولایت آپ کے اتباع پر مربوط رکھا گیا، اولیاء امت آپ کی سرکار سے وابستہ اور آپ کے خوان فیض کے محتاج قرار دیئے گئے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب لکھتے ہیں حضرت علیؑ کا زمانہ ابتدائی دور ولایت ہوا آپ چونکہ پرتو اور صورت کمال عملی آنحضرتؐ کے تھے لہٰذا شیوخ طریقت و اصحاب معرفت و حقیقت نے آپ کو فاتح باب ولایت محمدیہ و خاتم ولایت مطلقہ انبیا لکھا ہے۔ اسی سبب سے اولیاء اللہ کے تمام سلاسل آپ پر ہی منتہی ہوتے ہیں آپ کو اور آپ کی ذریت طاہرہ کو تمام امت مثل پیروں اور مرشدوں کے مانتی ہے اور امور تکوینیہ کو آپ سے وابستہ جانتی ہے:

اے بحر عجائب و غرائب مددے　　اے شاہ مشارق و مغارب مددے
عمریست کہ گم نمودہ ام راہ طلب　　اے باب مدینۂ مطالب مددے

اکابرین کا قول ہے کہ خلافت دو طرح کی ہے ایک خلافت کبریٰ، دوسری خلافت صغریٰ۔ خلافت کبریٰ سے مراد خلافت باطنی ہے جسے خلافت روحانی کہا جاتا ہے۔ تمام مشائخ اس بات پر متفق ہیں

کہ خلافت کبریٰ بعد حضور انورؐ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو عطا ہوئی۔

سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں معراج کی رات سرور کائنات نے ایک نورانی کمرہ دیکھا جو مقفل تھا جبرئیل سے پوچھا کہ میں اس کمرہ میں داخل ہونا چاہتا ہوں انہوں نے عرض کیا یا سیدالمرسلینؐ! بغیر اللہ کی اجازت کے ایسا نہیں ہوسکتا حضورؐ نے خواہش فرمائی اور اجازت ملنے پر جبرئیل نے دروازہ کھولا اس میں ایک نورانی صندوق دیکھا جو مقفل تھا اس صندوق کے اندر ایک خرقہ تھا حضورؐ انور نے عرض کیا یا اللہ کیا یہ خرقہ میرا ہے حکم ہوا کہ اے محمدؐ اسے پہن لیجئے یہ آپ ہی کے لیے تھا اور اسے ہزاروں پیغمبروں میں سے کسی کو نہ دیا تھا۔ حضورؐ نے خرقہ کو ذوق شوق کے عالم میں پہن لیا اور روح الامین نے آپ کو مبارک باد دی۔ حضورؐ نے بارگاہ ایزدی میں عرض کیا یا اللہ یہ خرقہ میرے لئے مخصوص ہے یا میری امت میں سے کوئی اور بھی اس کا حقدار ہے۔ حکم ہوا کہ آپؐ کے ساتھیوں میں سے جو بھی عیب پوشی اختیار کرے گا یہ خرقہ اسے عطا کر دیجئے گا۔ جب حضورؐ معراج سے واپس تشریف لائے تو صحابۂ کرام کو طلب فرمایا اور فرمایا آج رات مجھے یہ خرقہ عطا ہوا ہے لیکن اس کا ملنا مشروط ہے جو خداوند تعالیٰ کی مرضی کے مطابق جواب دے گا اسی کو یہ خرقہ ملے گا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ یہ سن کر کھڑے ہوئے اور حضورؐ نے پوچھا اگر تم کو یہ خرقہ عطا ہو تو تم کیا کرو گے؟ انہوں نے عرض کیا سچائی اختیار کروں گا آپؐ نے فرمایا بیٹھ جاؤ اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اٹھے حضورؐ نے فرمایا اگر تم کو میں یہ خرقہ دے دوں تو تم کون سی صفت اختیار کرو گے؟ انہوں نے عرض کیا حیا اختیار کروں گا اور عبادت الٰہی، حضورؐ نے فرمایا بیٹھ جاؤ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے حضورؐ نے فرمایا اے عمر رضی اللہ عنہ اگر تم کو یہ خرقہ عطا ہو تو تم کیا کرو گے؟ انہوں نے عرض کیا عدل اختیار کروں گا حضورؐ نے فرمایا بیٹھ جاؤ آخر میں امیرالمومنین حضرت علیؓ اٹھے حضورؐ نے فرمایا اے علیؓ اگر تم کو خرقہ عطا ہو تو تم کیا کرو گے؟ آپ نے عرض کیا یا صاحب قاب قوسین بندگان خدا کی عیب پوشی کو اپنا شعار بنالوں گا حضورؐ نے فرمایا اسے پہن لو تم ہی اس کے حقدار ہو۔ امیرالمومنین حضرت علیؓ نے اسے زیب تن فرمایا اور تمام صحابہ نے آپ کو مبارک دی اسی سبب مشائخ کا خرقہ بیعت بواسطہ امیرالمؤمنین خاتم النبیینؐ تک پہنچا ہے اور جس طرح نبوت کا کمال آنحضرتؐ پر ختم ہوگیا اسی طرح ولایت کا کمال علیؓ مرتضیٰ کی ذات گرامی پر اختتام پذیر ہوا۔

آن کس کہ بہ مصطفیٰ نخستین یار ست　　آن کس کہ دلش خزینۂ اسرار ست

آن کس بہ جمیع مومنان سردار ست　　سلطان دو کون حیدر کرار ست

وہ ذات گرامی جو محمد مصطفیٰ کی سب سے اول صدیق ہے، وہ جس کا سینہ بے کینہ خزینہ اسرار الٰہی ہے، وہ جو تمام مؤمنین کا سردار سلطان دو جہاں یعنی حیدر کرار ہے۔

حدیث خرقہ کو تمام مشائخ نے مثلاً حضرت نظام الدین اولیاء مولانا سید مبارک علوی کرمانی، شیخ الہدایہ بن عبد الرحیم عثمانی، شیخ محمد اکرم صابری، حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی، مولانا شیخ عبد الرحمٰن چشتی، شیخ نصیر الدین محمود وغیرہ نے روایت کی ہے۔

غزوۂ حنین، غزوۂ طائف و غزوۂ تبوک سب علیؑ کی شجاعت کی داستانیں قیامت تک دہراتی رہیں گی۔ غزوۂ تبوک میں ہی انت منی بمنزلة هارون من موسی و لکن لانبی بعدی تم میرے لئے ایسے ہی ہو جیسے موسیٰ کے لئے ہارون لیکن میرے بعد نبوت نہیں ہے۔ کی خلعت فاخرہ سے علیؑ کو مزین فرمایا جاتا ہے علیؑ کے فضل و کمال پر فضل و کمال خود انگشت بدنداں ہیں:

کتاب فضل ترا آب بحر کافی نیست　　کہ ترکنم سر انگشت و صفحہ بشمارم

تیرے فضائل کی کتاب کے لیے سمندروں کا پانی کافی نہیں کہ انگشت شہادت کو اس سے تر کرتے ہوئے صفحات فضائل علیؑ کا شمار کروں۔

اسلام کی تاریخ میں ۱۰ھ کو خصوصی اہمیت حاصل ہے کیونکہ یہی سال تکمیل دین محمدی کا بھی ہے اور انعام الٰہی کے اتمام کا بھی۔

حضورؐ انور حج کا قصد فرماتے ہیں یہ حضورؐ کا آخری حج ہے، حج سے فارغ ہوتے ہیں اور جب مدینہ منورہ تشریف لے جاتے ہیں تو خم غدیر کے مقام پر ارشاد ہوتا ہے یا ایها الرسول بلّغ ما انزل الیک من ربک اے رسولؐ لوگوں تک وہ بات پہنچا دیجئے جو اللہ نے آپ پر نازل فرمائی ہے۔

خم غدیر کے مقام پر اٹھارہ ذی الحجہ کو قیام فرماتے ہیں اور بعد نماز ظہر ایک مجمع عظیم کو غدیر خم کے میدان میں حضورؐ انور جمع فرماتے ہیں اور بقول امام احمد بن حنبل علیؑ مرتضیٰ کا ہاتھ پکڑ کر ارشاد فرماتے ہیں لوگو کیا تم نہیں جانتے کہ مسلمانوں کو اپنی جان سے زیادہ مجھے عزیز رکھنا چاہئے۔ سب نے کہا ایسا ہی ہے۔ پھر فرمایا: خداوندا جس کا میں مولیٰ علیؑ بھی اس کے مولیٰ جو علیؑ کو دوست رکھے اسے تو بھی دوست رکھ اور جو علیؑ کو دشمن رکھے تو بھی اسے دشمن رکھ۔ حضرت عمرؓ نے یہ سن کر فرمایا اے ابو طالب کے بیٹے تم کو مبارک ہو کہ تم تمام مسلمانوں کے مولیٰ ہوئے:

میں جرعہ نوش بادۂ خم غدیر ہوں　　مست شراب عشق جناب امیر ہوں
نامہ سیاہ پر گنہ دے نواسہی　　مداح اہل بیت بشیر و نذیر ہوں
(حضرت مولانا حافظ شاہ علی حیدر قلندر)

حضرت مولائے کائنات کے نام نامی اور اسم گرامی کے ساتھ لفظ کرم اللہ وجہہ مخصوص ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ حضورؐ کی پیشانی کبھی غیر خدا کے آگے نہ جھکی، آپ کی جبین مقدس کو شرک سے محفوظ و مامون رکھا گیا صحابۂ کرام میں اس فضیلت عظیمہ میں آپ منفرد ہیں۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ خود حضورؐ انور نے ارشاد فرمایا علیؑ کا چہرہ دیکھنا عبادت ہے چنانچہ صحابۂ کرام علی کے روئے انور کی زیارت فرماتے تو کہہ اٹھتے لا الہ الا اللہ ما اکرم ھذا الفتی گویا علیؑ کے روے انور کی زیارت نہ صرف باعث ازدیاد ایمان بلکہ واسطۂ تجلی روح وصفائی باطن تھی۔

لفظ "علیہ السلام" بھی صحابۂ کرام میں صرف حضرت علیؑ اور آپ کی آل مقدس کے لئے نہ صرف جائز بلکہ باعث اجر عظیم و متابعت خدا اور رسول ہے۔ اگر اللہ تعالی کسی کو سلام فرماتا ہے تو یہ یقینا نہایت اعلی اعزاز و اکرام ہے، اگر رسول اکرمؐ روحی و قلبی فداہ کسی کو سلام فرماتے ہیں تو بھی یقیناً یہ بہت بڑا انعام ہے۔ دیکھئے قرآن مجید میں سلامٌ علی موسی و ھارون آیا ہے اب حضورؐ انور کے اس فرمان مبارک پر نظر ڈالئے: اے علیؑ تم میرے لئے ایسے ہو جیسے موسی کے لئے ہارون، حضورؐ انور کے اس ارشاد سے بخوبی واضح ہے کہ رب کریم کی طرف سے سلام کا اعزاز موسیٰ و ہارونؑ کو ہے اور محمدؐ و علیؑ کو یہ سلام اس نور مقدسہ کو ہے جس کے لئے ارشاد ہے اللہ نور السمٰوات والارض جس کے لئے ارشاد ہے انا وعلی من نور واحد۔

سورہ والصافات میں ہے سلام علی ال یسین مفسرین نے اسے آل یس اور ال یاسین دونوں طرح پڑھا ہے اور دونوں قرأتوں کو بالیقین کلام الٰہی مانا ہے دونوں کو سبعہ اور متواترہ مانا ہے جن کے انکار کو کفر کہا ہے مفسروں کے امام حضرت عبد اللہ بن عباس نے بھی سلام علی آل یس فرمایا ہے آل یس سے مراد آل محمد یعنی علی، فاطمہ، حسن اور حسین ہیں قرأت کے ساتوں اماموں نے مفسروں کے سرتاج حضرت عبد اللہ بن عباس کی اس تفسیر کی تصدیق فرمائی ہے اور یہی وجہ ہے کہ محدثین و ائمہ نے ان حضرات کے نام نامی کے ساتھ علیہ السلام استعمال فرمایا ہے۔ جب آیۂ تطہیر نازل ہوئی تو حضورؐ انور تو ماہ تک مسلسل روزانہ بعد نماز فجر حضرت علیؑ کے گھر پر تشریف لا کر فرماتے

السلام علیکم یا اھل البیت. انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیرا تم پر سلام ہو اے اہل بیت۔ بیشک اللہ چاہتا ہے کہ اہل بیت سے کثافت کو دور فرما دے اور تم کو خوب پاک و صاف بنا دے۔ حضورؐ انور کا عمل وہ بھی ایک دو بار نہیں بلکہ دو سو سترہ بار رو برو صحابہ کرام اس حقیقت کا ایک بین ثبوت ہے کہ اہل بیت رسول کے لئے سلام کا اعزاز بارگاہ ایزدی سے عطا ہوا ہے، بارگاہ رسالت سے عطا ہوا ہے اور حضورؐ انور کے وفادار امتی ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ ہم بھی حضورؐ کے ان بیحد چہیتوں پر درود و سلام بھیجیں، جب ان کا اسم مقدس آئے تو اس پر علیہ السلام کہیں کیونکہ علیہ السلام کی سند ان حضرات کو بارگاہ ایزدی اور دربار مصطفیٰؐ سے عطا ہوئی ہے۔

تقاضا ہے محبت کا ترانہ ہے محبت کا سلام با ادب یٰسں پر اور آل یٰسں پر

(علامہ کوثر ندوی)

انّ اللہ و ملئکتہ یُصلّون علی النّبی یا ایھا الّذین آمنوا صلّو علیہ وسلّموا تسلیماً.

الغدیر

علامہ امینی

تمام مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حجۃ الوداع سے واپسی پر رسول اکرم نے غدیرخم کے مقام پر مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے حضرت علیؑ کی ولایت کا اعلان کیا تھا اور تمام سنی و شیعہ علماء کا متفقہ فیصلہ ہے کہ عید غدیر مسلمانوں کے درمیان آپسی اتحاد کی زمین ہموار کرتی ہے۔ واضح رہے کہ علامہ امینی نے اپنی گرانقدر تصنیف ''الغدیر'' میں عید غدیر کے ان پہلوؤں کا تذکرہ کیا ہے جن کی روشنی میں اسلامی اتحاد اور اخوت و برادری کو فروغ دیا جاسکتا ہے۔ عید غدیر کی چودہ سو سالہ یادگار کے موقع پر یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ''الغدیر'' نامی کتاب کا اجمالی تعارف قارئین کی خدمت میں پیش کردیا جائے۔

''بار امانت'' جسے آسمان نہ اٹھا سکا شاید اس کا ایک مفہوم حق کی حمایت، قیام حق کے لئے جد و جہد اور حق کو بلند و بالا کرنا ہے۔

تاریخ کے طویل دور میں ایسے عظیم اشخاص بھی گذرے ہیں جن لوگوں نے جب اپنے گرد و پیش حقائق و واقعات کا موازنہ کیا تو وہ نہ صرف حق پر کاربند رہے بلکہ مظہر حق بھی ثابت ہوئے، حق نے بھی ان کا ساتھ دیا اور انہی کے اطراف میں وہ گردش کرتا رہا۔ یہ انسان آب وگل سے ماوراء دنیا اور عالم عینیت میں پیکر حق نیز عین حق بن کر رہے مگر اس کے باوجود ہمیشہ ایسا نہیں ہوا کہ عوام ان پیکران حق وحقیقت کی پیروی کرسکیں اور اپنے ادوار کے معاشروں کا سردار قرار دے کر قیادت کی لگام ان کے ہاتھ میں سونپ دیں نیز ان کے بلند و عالی مرتبت ارادوں کو حقیقت سے ہمکنار کردیں۔

یہ ایک عام مشاہدہ ہے کہ ایسی بزرگ ہستیوں کا وجود حق و عدل اور فضیلت کا مجسمہ بن کر رہا ہے مگر اس کے باوجود ہمیشہ ایسا نہیں ہوا کہ وہ ہر جانب کامیابی و کامرانی سے بہرہ مند رہے ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمیشہ اور ہر دور میں ایسی شخصیتیں اور طاقتیں بھی گذری ہیں جنہوں نے ان برگزیدہ ہستیوں اور اصحاب فضیلت افراد کی راہ و روش کو اپنی خواہش و مرضی، ظلم و تعدی اور گمراہیوں کے

مطابق نہیں پایا۔ اس نوع وقسم کے افراد وگروہ کو نہ صرف تائید حق اور حقیقت کے ان واضح و روشن اور بے تردید مجسموں سے کوئی تعلق و سروکار نہ تھا بلکہ وہ مختلف حیلے اور بہانوں سے ان کے مد مقابل آئے اور یہ کوشش کرتے رہے کہ ان حق وعدل کے مجسموں کو برطرف کردیں اور ان پر اتہام و الزام لگا کر انہیں عوام کے سامنے سے ہٹادیں تاکہ یہ تن تنہا اور بے یار و مددگار رہ جائیں۔ جب ایسے حالات و واقعات پیش آتے ہیں تو تاریخ کی عظیم مظلوم شخصیتوں کے چہرے نمایاں ہوتے ہیں اور اس وقت حقائق نیز عظیم حقیقتوں کا چہار راہوں اور گذرگاہوں پر نعرہ هل من ناصر ينصرنا (ہے کوئی جو میری مدد کے لئے آئے) بلند ہوتا ہے۔

اسلام میں حق کا اعلیٰ و اکمل اور بدرجۂ اتم مجسمہ حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام ہیں۔ یہ ان کی ہی ذات ہے جس میں تمام اسلامی حق نمایاں ہوئے فضیلتیں حقیقت پذیر اور صاف و شفاف طور پر جلوہ گر و مجسم ہوگئی ہیں وہ حق کا مدار ومحور ہیں۔ یہ علیؑ ہی ہیں جن کی محبت بدرجۂ ایمان ہے اور ان سے بغض وعناد کفر و نفاق کی علامت ہے۔ حضرت علیؑ کی راہ و روش ہی، اسلام قرآن اور پیغمبر اکرمؐ کی راہ و روش ہے۔ حق خواہ کسی حالت وشکل میں ہو علی کے ساتھ ہے درحقیقت وہی محور حق ہیں۔ اور حق ان کے گرد و پیش گرداں نظر آتا ہے۔ حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں رسول اکرم حضرت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا قول ایک امر مسلمہ ہے، چنانچہ فرماتے ہیں: علیؑ مع الحق و الحق مع علی۔

اور چونکہ یہ عین حق ہی حق وحقوق اور عدل وفضیلت ہے لہٰذا اس کے تعارف و شناسائی کے فریضہ کو انجام دینا ہر ایک عارف حق کا فرض ہے۔

اس موقع پر ہماری حق دوستی، فضیلت خواہی، آزادی شرف انسانی و تاریخی عزت اور اجتماعی ضمیر کا تقاضہ تو یہ ہے کہ ہم ہمیشہ ان لوگوں کی حمایت و جانبداری کریں جو حق کی خاطر نبرد آزما ہوئے اور حق کی سرحدوں کے دفاع کے لئے صف بستہ رہے ہیں۔ ان کا نام تعظیم سے لیں۔ ان کی یاد کو اپنے دلوں میں زندہ رکھیں اور ان کے نام کو زندہ جاوید بنادیں تاکہ وہ فہرست جس میں پاسبان سرحد کے لافانی بہادرانہ کارنامے مندرج ہوں زیادہ عظیم وطویل ہوسکے اور ہمارا بھی شمار ان لوگوں میں ہو جو حق دوست، فضیلت خواہ اور آزادگان کے نام سے مشہور ومعروف ہیں۔

ان حقائق کے پیش نظر ہم دیکھتے ہیں کہ انسانی تاریخ میں یہ تین اصل روشیں کارفرما نظر آتی ہیں۔

۱- حق و پیکران حق
۲- پیکران حق کے حامی و طرفدار
۳- طرفداران حق کی تنظیم

اور ایک با فضیلت یا فضیلت دوست، انسان کو چاہئے کہ وہ کوشش کرے کہ اسے کم از کم صف سوم میں جگہ مل جائے اور جو مقدس فرض تیسرے گروہ کے شانوں پر ہے، اسے وہ انجام دے۔ وہ اگر خود مجسم حق نہیں کیونکہ یہ ایک مخصوص مقام ہے، حق اور حق پرستوں کا حامی و طرفدار بھی نہیں اور وہ بھی حق کی امان و پناہ میں بھی نہ رہا اور اب بھی نہیں ہے تو کم از کم تیسری صف میں قائم رہے اور اپنے وجود میں اس جذبہ وکشش کو پیدا کرے اور خود کو جاودانی عشق کے ان سرکش شعلوں میں گرم و تاباں رکھے کیونکہ:

عاشق شو ورنہ روزی، کار جہان سر آید ناخواندہ نقش مقصود از کارگاہ ہستی

یعنی عاشق ہو ورنہ ایک دن ایسا بھی آئے گا جب کہ دنیا کے تمام کاموں کا خاتمہ ہوجائے گا اور جب تو اس کارگاہ ہستی یعنی دنیا سے جائے گا تو یہ جانے گا کہ جو مقصد لے کر آیا تھا اس کی تکمیل نہ ہوئی۔

حضرت علی کا حق چونکہ حق انسانیت کا مطلق اور مطلق انسانیت ہے اسی لئے اس کے تحفظ و دفاع کی خاطر لوگوں نے جان کی بازی لگادی ہے روز اول سے آج تک ایسے عظیم معرکے ہوتے چلے آئے ہیں جن میں شہداء نے اپنے خون اور علما نے قلم کی روشنائی سے اس نمائندہ قرآن کا دفاع کیا ہے۔ تاریخ کے ہر دور میں اور آج بھی ہماری قوم اس امر کے لئے کوشاں رہی ہے کہ قرآن نے جن آرزوؤں اور نہج البلاغہ نے جن تمناؤں کا اظہار کیا ہے وہ حقیقت پذیر ہوں اور آرزوؤں اور تمناؤں کو بار ور کرنے کے لئے انہوں نے تاریخ ساز انقلاب بپا کئے۔ چنانچہ ۱۵/ خرداد ۱۳۴۲ (۵/ مئی ۱۹۶۳ء یوم خونی انقلاب) اور ۱۷/ شہریور ۱۳۵۸ھ ش (۸/ ستمبر ۱۹۷۹ء حریت پسندوں کے قتل عام کا دن) انہی انقلابات کے دو یادگار دن ہیں۔

اسی طرح علمائے دین بھی اس مقدس فرض کو انجام دینے کے لئے ہمیشہ پیش پیش رہے۔ انہوں نے اس خاطر جہاد کیا اور جہاد کے ذریعہ ہی وہ اس کا دفاع کرتے رہے اس صدی کے انہی راست کردار و باعظمت و فرض شناس علما میں "الغدیر" نامی عظیم کتاب کے مصنف حضرت علامہ امینی مجاہدین حق و فضیلت کے دفاع کا مجسمہ اور صدر اسلام میں حضرت علی کے یاران باوفا کی شفقت و

جانثاری کا نمونہ تھے۔ جناب علامہ امینی مجاہدین حق وفضیلت کی صف اول میں آتے تھے۔ تشیع کے حلقۂ علما میں جو سربرآوردہ افراد گذرے ہیں ان میں وہ درجۂ نبوغ پر پہنچ گئے تھے اور انہوں نے ہی از سرنو معیاروں کو قدر و قیمت بخشی۔

علامہ امینی کے نبوغ کا خلاصہ یہ کہہ کر بیان نہیں کیا جاسکتا کہ وہ علم دانش سے سرشار تھے۔ وہ ایمان عمیق، حیرت انگیز استقامت، تقویٰ کامل، قاطعیت منطق، یقین مطلق، سوزگفتار، جوش اصلاح اور درستی افکار میں واقعی غیر معمولی ذہین نابغہ تھے۔ علامہ امینی وہ حقیقی دانشمند تھے جو اپنی وجدان عظیم ذمہ داریوں پر عمل پیرا رہے۔ ''امینی'' وہ عظیم مصنف ہیں جنہوں نے دفاع حق کے سوا کچھ نہیں لکھا۔

علامہ عظیم المرتبت جناب شیخ عبدالحسین امینی کی ولادت ۱۳۲۵ھ ق (۱۲۸۱ھ ش / ۱۹۰۲ء) میں بمقام شہر تبریز ہوئی۔ غیر معمولی ذہانت کے آثار ان کی ذات میں بچپن سے ہی اس طرح نمایاں تھے کہ گفتگو میں ہی عظمت و بزرگواری نظر آتی تھی اور انداز فکر میں بھی یہی کیفیت جلوہ گر تھی۔ اپنے ہی وطن میں ابتدائی، متوسط اور اعلیٰ تعلیمی مدارج طے کرنے کے بعد مزید اعلیٰ تعلیم کی تکمیل کے عشق سے اور فقہ و اصول نیز علوم اسلامی کے دیگر مراحل و مدارج طے کرنے کی خاطر بارگاہ امیر المؤمنین نجف اشرف کی جانب روانہ ہوئے اور آیات عظام فیروز آبادی، خوانساری، نائینی، میرزا علی ایروانی جیسے عظیم المراتب اساتذہ کے حلقۂ درس سے محظوظ و فیضیاب ہوئے۔

دورۂ علمی کی تکمیل کے بعد وہ واپس اپنے وطن تبریز گئے اور کاروباری امور میں مشغول ہوگئے لیکن شاہ ولایت علی مرتضیٰ کی محبت اس امر کا باعث ہوئی کہ دوبارہ مرقد پاک علی کی زیارت سے مشرف ہوئے اور اس مرتبہ اسی دیار میں ہمیشہ کے لئے سکونت اختیار کرلی۔

یہی وہ زمانہ ہے جب کہ ان کی علمی تحقیقات کا آغاز ہوا وہ عمر میں ابھی ۳۵ سال کے بھی نہ تھے کہ ان کی پہلی تصنیف ''شہداء الفضیلہ'' شہر نجف کے ایک عظیم علمی مرکز کی جانب سے شائع کی گئی۔ یہ کتاب ان ۳۵ عالی مرتبہ شیعہ دانشوروں کی سوانح حیات پر مشتمل ہے جنہوں نے راہ اسلام میں جام شہادت نوش کیا۔ علامہ امینی کی تحقیقات اور مطالعات کا سلسلہ جاری رہا اور ایک سال بعد ان کی دوسری تصنیف منظر عام پر آئی۔ چنانچہ ان کی تصانیف پر مشتمل بیس رسالے مطبوعہ اور غیر مطبوعہ شکل میں اب بھی موجود ہیں۔

''الغدیر'' در اصل ساکت و پرسکون تالاب سے جاری پانی کی مسلسل روانی ہے اور سکوت و

خاموشی کے کنارے پر ایک بے چین و پرتلاطم موج۔

علامہ امینی نے ''کتاب الغدیر'' کی تکمیل کے لئے معتبر دستاویزات اور اسناد جمع کرنے کی خاطر مختلف ممالک اور دور و دراز مقامات پر واقع شہروں کے سفر کئے اور جہاں بھی وہ گئے وہاں سے بے مراد واپس نہ آئے۔ لیکن ان کاموں کا صلہ چونکہ انتہائی بلند تھا اسی لئے انہیں یہ پسند نہ آیا کہ صرف وہی اس سرچشمہ فیض سے سرشار ہوں اور دوسرے محروم رہ جائیں۔ انہوں نے ایک بہت ہی عالیشان کتابخانہ ''مکتبۃ الامام الامیر امین العامۃ'' کے نام سے قائم کیا۔ اس خیال کے پیش نظر کہ محققین کی راہ سے مشکلات کو دور کردیں انہوں نے خود بہت زیادہ تکالیف برداشت کیں اور بہت زیادہ رنج و زحمات کے متحمل ہوئے اور بالآخر نجف اشرف میں ایسا کتابخانہ قائم کردیا جس کا شمار انتہائی قابل قدر و بیش قیمت اسلامی کتابخانوں میں ہوتا ہے۔

انہوں نے ستر سال کی عمر میں راہ آخرت کا سفر اختیار کرتے ہوئے عالم بقا کی راہ لی۔ خدا انہیں جوار رحمت میں جگہ دے۔ علامہ امینی ان بزرگ انسانوں میں سے تھے اور اب بھی ہیں جنہیں فنا نہیں۔ ان کی یادتازہ کرنے والوں پر ان کے نقوش مرتسم ہیں اور ان کا نام زمانے کی عمیق سطح تک پہنچ گیا ہے۔ جب تک عشق علی زندہ ہے اور غدیر باقی ہے تو کتاب الغدیر بھی زندہ و گویا رہے گی۔

اس قابل قدر کتاب کے باعث عالم اسلام میں ایک نئی لہر دوڑ گئی ہے۔ اسلامی مفکرین نے ادبی، تاریخی کلامی، حدیثی، تفسیری اور معاشرتی زاویوں اور پہلوؤں سے اس کتاب پر نظر ڈالی، چنانچہ معاشرتی زاویہ سے اس کتاب میں جو چیز قابل دید ہے وہ ''اسلامی وحدت'' ہے۔

ہمارے دور کا مصلح، روشن فکر اور دانشمند طبقہ اس خیال کا حامی ہے کہ مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے درمیان بالخصوص اس وقت جب کہ موجودہ حالات میں دشمنان اسلام کی ہر طرف سے یورش و یلغار جاری ہے اور مسلسل نئے نئے طریقوں سے گذشتہ خیالات کو ہوا دی جارہی ہے اور جدید اختلافات کو ابھارا جارہا ہے۔ اس وقت اسلامی اتحاد و یگانگت کی اشد ضرورت ہے۔ بنیادی طور پر ہم یہ تو جانتے ہی ہیں کہ دین مقدس اسلام میں وحدت و اخوت کی جانب خاص توجہ دی گئی ہے اور اسلام کے اہم مقاصد میں سے یہ ایک ہے۔ چنانچہ قرآن، سنت پیغمبر اور اسلامی تاریخ اس امر کے شاہد ہیں۔

اسی لئے بعض لوگوں کے ذہنوں میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ''الغدیر'' جیسی کتاب کی تالیف و

طباعت جس میں مسلمانوں کے قدیم ترین اختلاف کو بھی مورد بحث قرار دیا گیا ہے۔ کیا حضرت علی کے مقدس مقاصد اور اسلامی وحدت کے افکار عالیہ کی راہ میں مانع نہیں آئی۔

یہاں ہم اس بات کی ضرورت محسوس کرتے ہیں کہ وحدت اسلامی اور اس کے حدود کے مفہوم کو واضح و روشن کریں اور اس کے بعد اس امر کی صراحت کریں کہ جلیل القدر علامہ امینی کی قابل قدر کتاب "الغدیر" نے کیا کردار ادا کیا ہے۔

اسلامی وحدت

پہلا سوال تو یہی ہے کہ اسلامی وحدت سے مراد کیا ہے؟ کیا اس کا یہ مقصد ہے کہ اسلام میں جتنے فرقے موجود ہیں ان میں سے کسی ایک کا انتخاب کرلیا جائے، اور دیگر تمام فرقوں کو نظر انداز کردیا جائے؟ یا اس کا یہ مقصد ہے کہ ان تمام فرقوں میں جو چیزیں مشترک ہیں ان کو تو اخذ کرلیا جائے اور تمام متفرقات کو پس پشت ڈال دیا جائے اور ایسے نئے فرقے کی تشکیل کی جائے جس کی ان تمام فرقوں میں کسی سے مطابقت نہ ہو؟ یا اسلامی وحدت کا کسی بھی صورت میں تمام فرقوں کی وحدت سے کوئی ربط و تعلق نہیں؟ اور یا اتحاد المسلمین سے مراد یہ ہے کہ اختلافات مسلک کے باوجود تمام فرقے اغیار کا مقابلہ کرنے کی غرض سے متحد ہوجائیں؟

اتحاد مسلمین کے مخالفین اسلامی وحدت کے مفہوم کو غیر منطقی اور ناقابل عمل بنانے کی غرض سے اس کی توجیہ، تمام فرقوں کی یکانگی، کے نام سے پیش کرتے ہیں تاکہ پہلے ہی قدم پر یہ تحریک شکست سے دوچار ہوجائے۔ یہ تو ظاہر ہے ہی کہ روشن فکر طبقہ مسلمین کا ہرگز یہ مقصد نہیں کہ تمام مسالک کا ایک مسلک میں احاطہ کرلیا جائے یا تمام مسالک کے مشترکات کو تو اخذ کرلیا جائے اور متفرقات کو رد کردیا جائے۔ کیوں کہ یہ بات نہ تو معقول و منطقی ہے اور نہ ہی مطلوب و عملی۔ اس دانشور طبقہ کا اصل مقصد تو یہ ہے کہ مسلمین اپنے مشترک دشمنوں کے خلاف خود کو اس طرح منظم کریں کہ وہ ایک صف میں آراستہ ہوجائیں۔

اس دانشور طبقہ کا کہنا تو یہ ہے کہ اسلام میں اتحاد و موافقت کا بہت زیادہ مواد موجود ہے۔ کیونکہ تمام مسلمان ایک ہی خدا کی عبادت کرتے ہیں۔ رسول اکرم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی نبوت کے سب ہی معترف ہیں۔ سب کی مقدس کتاب قرآن اور سب کا قبلہ کعبہ بیت اللہ

ہے کہ سب ایک ساتھ مل کر ایک ہی طرح حج کرتے ہیں۔ ایک ہی طرح نماز پڑھتے ہیں اور ایک ہی طریقے سے روزہ رکھتے ہیں وہ ایک ہی طور پر اپنے خاندان کی تشکیل بچوں کی تعلیم و تربیت اور باہمی لین دین کرتے ہیں۔ سب ہی اپنے مُردوں کو دفن کرتے ہیں اور چند جزئی امور کے علاوہ ان کے ان کاموں میں کوئی فرق نہیں۔ تمام مسلمانوں کی جہاں بینی بھی ایک ہی قسم کی ہے۔ ان کی تہذیب بھی مشترک ہے اور ان کا تمدن بھی نہایت ہی شاندار، باعظمت اور پرشکوہ ہے۔ جہاں بینی، تہذیب، سابقہ تمدن، نظر و بینش، عادات و اطوار، مذہبی اعتقادات و پرستش اور اجتماعی آداب و رسوم میں وحدت و یگانگی انہیں قوم واحد کی شکل دے سکتی ہے۔ اس طرح وہ ایسی عظیم طاقت اور دیوار بن سکتے ہیں کہ دنیا کی بڑی طاقتیں مجبور رہوں کہ ان سے عجز و انکساری کے ساتھ پیش آئیں۔ اسلام نے تو اس بات پر خاص طور سے زور دیا ہے کہ قرآن جیسی کتاب کے صریح الفاظ میں مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں اور چونکہ ہر ایک کا دوسرے پر حق ہے اسی لئے ان میں باہمی ربط ہے اس وضع و کیفیت کے پیش نظر آخر کیا وجہ ہے کہ دین اسلام کے اس قدر بابرکت و وسیع امکانات کے باوجود مسلمان اس کا فائدہ نہیں اٹھاتے۔

علمائے اسلام کے اس گروہ کی نظر میں کوئی بھی ضرورت اس امر کی متقاضی نہیں کہ اسلامی اتحاد کی خاطر مسلمین اپنے مسالک کے اصول یا ان کے فروعات میں کسی مصلحت یارواداری سے کام لیں۔ اسی طرح اس بات کی بھی ضرورت نہیں کہ مسلمین ان اصول و فروعات کے متعلق جن میں باہمی اختلاف پایا جاتا ہے بحث و استدلال سے کام لیں اور ان پر کتابیں تصنیف و تالیف کریں۔ اسلامی وحدت جس واحد چیز کی متقاضی و متمنی ہے وہ یہ کہ مسلمان سنجیدگی و متانت سے کام لیں تاکہ ان میں دشمنی و کینہ توزی کے احساسات پیدا نہ ہوں اور اگر موجود ہیں تو وہ شعلہ ور نہ ہوں ایک دوسرے کو لعنت و ملامت نہ کریں اور دشنام و بدکلامی کے ساتھ پیش نہ آئیں۔ ایک دوسرے پر اتہام نہ لگائیں۔ آپس میں ایک دوسرے کی منطق و دلیل کا مذاق نہ اڑائیں۔ ایک دوسرے کے احساس و جذبات کو مجروح نہ کریں اور منطق و استدلال کی حدود سے خارج نہ ہوں۔ یا کم از کم وہ شرائط جو اسلام نے غیر مسلموں کو دعوت اسلام دینے کے لئے مسلمان پر لازم قرار دیئے ہیں انہیں ہی آپس میں بروئے کار لائیں۔ **ادع الی سبیل ربک بالحکمة و الموعظة الحسنة و جادلهم بالتی هی احسن** اے نبی اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ اور

لوگوں سے مباحثہ کرو ایسے طریقے پر جو بہترین ہو۔[1]

بعض افراد کا خیال ہے کہ صرف وہ فرقے اور مسالک جن کا ایک دوسرے سے فروعی اختلاف ہے جیسے شافعی اور حنفی ایک دوسرے کے بھائی ہو سکتے ہیں اور وہ ایک صف میں کھڑے ہو سکتے ہیں۔ لیکن ایسے فرقے جن کا اصول میں اختلاف نظر ہے کسی طرح بھی ایک دوسرے کے بھائی کہلائے جانے کے مستحق نہیں۔ اس گروہ کی رائے میں مذہبی اصول نے ہی باہمی ربط و تعلق پیدا کر کے سب کو یکجا کر دیا ہے اور اصولیین کی اصطلاح میں اصول مذہبی نے اپنی ہی ایک قسم کا کم یا زیادہ ربط و تعلق پیدا کیا ہے۔ اگر کوئی فرد کسی بلا میں گرفتار ہو جائے تو گویا یہ بلا سب پر نازل ہوئی ہے، اسی طرح اگر مسئلہ امامت میں خلل واقع ہو تو ان اصولوں کے پیروکاروں کی رائے میں وحدت و اخوت منفی کر دی جائے اور اسی بنا پر سنی و شیعہ کسی طرح بھی ایک دوسرے کے بھائی نہیں ہو سکتے اور اپنے مشترک دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے وہ ایک جگہ صف بستہ بھی نہ ہوں گے۔

پہلا گروہ دوسرے گروہ کو یہ جواب دیتا ہے کہ یہ کوئی دلیل نہیں ہے کہ ہم تمام 'اصول' کو اس مجموعے کی مانند سمجھیں جس کی ہر چیز باہمی طور پر پیوستہ و منسلک ہو۔ اور ہم اس قاعدے کی پیروی کریں کہ "یا ہمہ یا ہیچ" (یا تو تمام اصول پر عمل کیا جائے یا کسی پر بھی نہیں) یہاں جو قاعدہ کارفرما ہے۔ وہ "المیسور و لا یسقط بالمعسور" یعنی آسان چیز مشکل چیز سے جدا نہیں ہوتی اور مالایدرک کلہ لا یترک کلہ" اور جو چیز مکمل طور پر حاصل نہیں کی جا سکی وہ چیز مکمل طور پر ترک بھی نہیں کی جا سکتی چنانچہ امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی ذات و سیرت ہمارے لئے بہترین اور آزمودہ ترین درس ہے آپ نے وہی معقول اور منطقی راہ و روش اختیار کی جو آپ جیسی باعظمت شخصیت کے شایان شان تھی۔

حضرت علیؑ نے اپنا حق تسلیم کرانے کے لئے کسی بھی سعی و کوشش سے دریغ نہ کیا۔ اور جتنے بھی امکانات تھے وہ ان سب کو بروئے کار لائے تا کہ باقاعدہ امامت کا احیاء کر سکیں مگر انہوں نے کبھی بھی "یا ہمہ یا ہیچ" یا سب کچھ یا کچھ بھی نہیں اور بالفاظ دیگر تخت یا تختہ کے قاعدے پر عمل نہ کیا اس کے برعکس انہوں نے اپنے کام کی بنیاد اس قول کو قرار دیا۔ "لایدرک کلہ لایترک کلہ"۔

حضرت علیؑ نے خلافت سے محروم ہونے کے باوجود علم بغاوت بلند نہیں کیا۔ جس کی وجہ سے ان

۱- سورۂ نحل آیت ۱۲۵

کی لاچارگی یا بے دست و پائی نہ تھا بلکہ یہ فیصلہ انہوں نے حالات کا جائزہ لینے کے بعد خوب سوچ سمجھ کر کیا تھا اور ان کا یہ عمل اضطراری نہیں، اختیاری تھا۔ انہیں مرنے کا ڈر نہ تھا۔ اور جب انہیں موت کا خوف نہ تھا تو انہوں نے علم بغاوت کیوں بلند نہیں کیا؟ کیونکہ حضرت علی پورے حالات کا جائزہ لینے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے تھے کہ اسلام کی فلاح و بہبود کا تقاضہ یہی ہے کہ موجودہ حالات میں حکومت کی مخالفت کرنے کے بجائے ان لوگوں کے ساتھ تعاون کریں اور ان کے قدم کے ساتھ قدم ملا کر چلیں چنانچہ اس کی صراحت آپ کتنی ہی مرتبہ کر بھی چکے ہیں۔

مالک اشتر کو جو آپ نے خطوط لکھے ہیں ان میں سے ایک خط میں (یہ خط نہج البلاغہ میں شمارہ ۶۲ کے تحت مندرج ہے) آپ لکھتے ہیں۔ "فامسکت یدی حتی رایت راجعة الناس قد رجعت عن الاسلام، یدعون الی محو دین محمد صلی اللہ علیه و آله فخشیت ان لم انصر الاسلام و اهله اری فیه ثلما او هدما تکون المصیبة به علی اعظم من فوت و لایتکم الی انما هی متاع ایام قلائل" میں پہلا شخص تھا جس نے جنگ سے ہاتھ کھینچ لیا کیونکہ میں نے دیکھ لیا تھا کہ عوام میں سے ایک گروہ اسلام سے برگشتہ ہو رہا ہے اور اسلام کو نیست و نابود کرنے کے لئے وہ لوگوں کو دعوت دے رہا ہے۔ یہ دیکھ کر میں ڈر گیا اور سوچا کہ اگر اسلام اور مسلمانوں کی مدد کے لئے میں نہ اٹھوں گا تو اسلام میں شگاف اور انہدام پیدا ہو جائے گا اور اس تباہی و بربادی کی مدت خلافت سے کہیں زیادہ عرصے کے لئے ہوگی۔ کیونکہ خلافت تو چند روزہ ہی ہے۔

نہج البلاغہ اور خدا شناسی

جاوید اقبال قزلباش

موجودہ صدی کو علم و آگہی اور ذہن و شعور کی بیداری سے تعبیر کیا جاتا ہے لیکن یہ حیرت انگیز تلخ حقیقت ہے کہ مادی ترقی کی دوڑ میں انسان اپنی حقیقی راہ و روش سے منحرف ہوتا چلا جارہا ہے بلکہ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ دور حاضر میں خداشناسی اور معرفت الٰہی کا فقدان ہوتا جارہا ہے۔ دین شناسی اور اخلاقی تعلیمات کو پس پشت ڈال دیا گیا ہے۔ آزادی کے نام پر بے بند و باری اور اختلاط مرد و زن کی زمین ہموار کی جارہی ہے۔ عریانیت و برہنگی کے اس انسانیت سوز ماحول میں راہ نجات کی نشاندہی اور نابودی کے کنارے پر کھڑی ہوئی انسانی دنیا کی ہدایت و رہنمائی ایک امر لازمی ہے اور اس کام کے لئے مولای متقیان کے خطبات و مکتوبات اور گرانقدر و موعظانہ و مختصر کلمات سے بہتر کچھ نہیں ہے کیونکہ ان کا یہ مشہور و معروف جملہ سبھی لوگوں کے ذہن میں محفوظ ہے۔ میرے معبود! تیرے اور ہمارے درمیان جو پردے حائل ہیں اگر وہ درمیان سے ہٹالئے جائیں تو بھی میرے یقین میں کوئی زیادتی نہ ہوگی۔ادارہ

آج انسانیت کفر و نفاق و ارتداد و فسوق و عصیان کے گھٹاٹوپ اندھیرے میں بھٹک رہی ہے۔ ایک طرف سائنسی اور مادی ترقی کا گراف بلند ترین سطح پر پہنچ چکا ہے اور اپنی سائنسی ترقی پر انسان ناز و فخر و مباہات کر رہا ہے تو دوسری طرف جہالت اور ظلم کا دور دورہ ہے۔ انسان مشرق کا ہو کہ مغرب کا جتنا آج اپنے تئیں غیر محفوظ اور خود کو خارزار خطر میں محسوس کر رہا ہے کبھی بھی اس کی ایسی حالت نہ تھی۔

وہ مادی ترقی جو خداشناسی کے بغیر ہو اس سے ویتنام، افغانستان، عراق، بوسنیا، کشمیر اور گوانتاناموبے جیسے المیے جنم لیتے ہیں۔ صرف معنوی اقدار ہی انسان کی حفظ و بقا کے ضامن ہیں۔ آج کا انسان معنویت اور خداشناسی کی مخالف سمت میں سرپٹ دور سے دور بھاگے جارہا ہے جس سے وہ بہیمیت اور حیوانیت کی عمیق پاتال میں اتر آیا ہے۔ بنیادی انسانی اقدار، دینی نظریات، اعمال

صالحہ ایک سراب اور خواب بن رہے ہیں۔ آج کا انسان جتنا اپنے ہم نوع سے ڈرتا ہے اتنا شاید وہ شیروں بھیڑیوں، اور تمام دیگر درندوں سے بھی نہیں ڈرتا۔ اسی لئے شاعر کو کہنا پڑا:

بات دوران کی میں کرتا ہوں　　صرف زور قلم میں کرتا ہوں
خوف و دہشت کا دور آیا ہے　　سایۂ آدمی سے ڈرتا ہوں
دشت حیرت میں ایسے پھرتا ہوں　　روز جیتا ہوں روز مرتا ہوں

یہی معنوی اقدار سے دوری ہے جس نے تہذیبوں کے درمیان جنگ جیسے نظریات کو جنم دیا اور آج روئے زمین پر ہر طرف خون بہتا نظر آ رہا ہے۔ انسان کا خون، مردوں، عورتوں اور معصوم بچوں کا خون! استعماری حملوں سے بہتا ہوا خون!

مادی مفادات کے لئے اندھے بہرے اور دیوانے لٹیرے انسانیت پر چڑھ دوڑے ہیں اور ہر طرف خون بہا رہے ہیں۔ درندگی کے ان مظاہر پر انسانیت شرمسار ہے اور آدمیت، حمیت، غیرت، عفت جیسی صفات کسی کونے میں منہ چھپائے رو رہی ہیں۔ غرض انفرادی اور معاشرتی ہر دو سطوح پر ہر طرح کی برائیاں، مفاسد اور معائب خدا ناشناسی ہی کا شاخسانہ ہیں۔ ایک طرف تو ہماری معاشرتی اقدار کا ڈھانچہ شکست و ریخت کا شکار ہے اور دوسری طرف بزرگوں، مدرسوں، اساتذہ اور والدین کا مثبت تعمیری کردار گئے دنوں کی بات ہوگئی ہے۔

اسکولوں، مدرسوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں فنی، طبیعی علوم اور انگریزی کا چرچا ہے جب کہ اساتذہ مثبت تعمیری اخلاقی رول ادا کرنے سے عاری ہو چکے ہیں۔ رہے والدین وہ اس مادی انحطاط پذیر دور میں معاشی مشکلات اور مشغولیات کے شکنجے میں کچھ اس طرح سے کسے جا چکے ہیں کہ ماں باپ دونوں ہی کولہو کے بیل کی طرح صبح سے رات تک کام کر کے اپنی اور اپنے بچوں کی دو وقت کی روٹی مشکل سے حاصل کر پاتے ہیں۔ شام ڈھلے یا رات گئے گھر کو لوٹ آنے والے اس حد تک خستہ و درماندہ ہو چکے ہوتے ہیں کہ بچوں کی شکلوں کی طرف دیکھنے کی بھی انہیں ہمت و فرصت نہیں ہوتی چہ جائیکہ وہ ان کی تربیت اور آرائش اخلاق کی طرف متوجہ ہوں۔ ایسی صورتحال میں الٰہی اقدار کی طرف توجہ اور ان کا فروغ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے؟ آج ملت اسلامی پر مادی و معنوی فقر لد چکا ہے۔ جب کہ دوسری قومیں اس حد تک گرفتار شوی روزگار نہیں ہیں۔ ان کے پاس وقت ہے، سرمایہ ہے، فرصت اور تحقیق کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ ایسے میں مسلم اقوام کو خدا ناشناسی کے اس دور میں

الٰہی فکروں کے احیا کے لئے ان تمام منابع کی طرف توجہ کرنی چاہئے جن کی طرف توجہ اساسی اور حیاتیاتی اہمیت کی حامل ہے۔ ان منابع میں قرآن و حدیث نبوی کے بعد سرفہرست ''نہج البلاغہ'' کے وہ ایمان افروز خطبے ہیں جو امیر المؤمنین حضرت علی نے باب مدینۃ العلم کے عنوان سے دنیا کے سامنے پیش کئے اور یہ معادن علم رہتی دنیا تک مسلمانوں ہی کے لئے نہیں عالم بشریت کے لئے انقلابی فکر، تحرک، خداشناسی، اخلاقیات، قواعد معاشرت وحکومت، علم وتعلم کے سرچشمے کے طور پر انسانی فلاح کی تمام اقدار کو روشن اور منور کرتے رہیں گے۔

یہ خطبات معاشرے میں خداشناسی اور معارف الٰہیہ کی ترویج و احیا میں مددگار و معاون ہوں گے اور اگر ان خطبات کو مختلف سطوح پر تعلیمی نصاب میں شامل کرلیا جائے تو اس سے ملکی سطح پر ایسا فکری اور معاشرتی انقلاب آسکتا ہے کہ مثبت اسلامی اور اخلاقی اقدار کا احیا اور ہر قسم کے جرائم کی بیخ کنی ہوجائے گی اور انسانی رویوں میں سدھار آجائے گا۔ علماء، دانشوروں، خطیبوں، اہل قلم اور شعرا و ادبا کے لئے تو یہ خطبے نسخہ اکسیر ہیں۔ یہ ان کے کلام اور بیان میں وہ ندرت، زور اور صداقت پیدا کریں گے جو معاشرے کی عمومی فلاح کی ضمانت ہوگی۔ حکام اور مقتدر شخصیات کے علاوہ صحافیوں، عدلیہ کے معزز ارکان اور بیوروکریسی کے لئے بھی ان کا مطالعہ نفع بخش ہوگا کیونکہ خدا کی معرفت ہی تمام انسانی اعمال کا مدار ومحور ہے۔

حق اور حقیقت کے متلاشی جانتے ہیں کہ توحید کائنات کی سب سے عظیم اور اٹل حقیقت ہے۔ ابتدائے آفرینش ہی سے تمام مخلوقات اسی کی جستجو میں سرگرداں رہی ہیں۔ یہ تلاش انسانی فطرت کے اندر ودیعت کی گئی ہے اور اسی لئے اسلام کا یہ دعویٰ ہے کہ کل مولود یولد علی الاسلام یعنی تمام کے تمام مولود فطری طور پر اسلام ہی پر ہوتے ہیں۔ تمام انبیاء و مرسلین توحیدی پیغام لے کر مبعوث ہوئے اور تمام ادیان کی ابتدائی شکل توحید ہی پر مبنی تھی جسے بعد میں ان کے پیروکاروں نے شرک و بدعت کی آمیزش کرکے بدہیئت کردیا۔ کہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا تو کہیں ان کی والدہ ماجدہ کو خدا کا ہمسر قرار دے کر تثلیث کا عقیدہ ایجاد کیا گیا۔

ادیان عالم سے بھی پہلے توحید کا تصور قرآن کے مطابق انسان کی خلقت سے پہلے اس کے وجدان میں ودیعت کردیا گیا تھا۔ اسی لئے انسان فطرتاً خدا جو اور خداپرست ہے جیسا کہ قرآن کریم میں آیا ہے: و اذ اخذ ربک من بنی آدم من ظهورهم ذريتهم و اشهدهم على انفسهم

الست بربکم قالوا بلی شهدنا ان تقولوا یوم القیامة انا کنا عن هذا غافلین. او تقولوا انما اشرک اباؤنا من قبل و کنا ذریة من بعدهم افتهلکنا بما فعل المبطلون". ترجمہ: اے رسول! وہ وقت یاد دلاؤ جب تمہارے پروردگار نے آدم کی اولاد کو پشتوں سے باہر نکال کر ان کی اولاد سے خود ان کے سامنے اقرار کرالیا اور پوچھا کہ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں، تو سب کے سب بولے ہاں کیوں نہیں ہم اس کے گواہ ہیں۔ یہ ہم نے اس لئے کہا کہ ایسا نہ ہو کہ کہیں تم قیامت کے دن بول اٹھو کہ ہم تو اس سے بالکل بے خبر تھے یا یہ کہہ دو کہ (ہم کیا کریں) ہمارے تو باپ داداؤں ہی نے پہلے شرک کیا تھا اور ہم تو ان کی اولاد تھے کہ ان کے بعد (دنیا میں آئے) تو کیا تو ہمیں ان لوگوں کے جرم کی سزا میں ہلاک کرے گا جو پہلے ہی باطل کر چکے تھے؟

یہ عالم بشریت کی توحید شناسی سے متعلق ابتدائی Back feeding یا تغذیہ معنویہ ہے جو روز الست کو انجام پایا اور اسی کی بنیاد پر انسان دنیا میں زندگی بھر اپنے خدا یعنی خالق کی تلاش میں سرگردان رہتا ہے اور اسی تلاش کی راہیں طے کرتے ہوئے کمال کی جانب بڑھتا چلا جاتا ہے۔ گویا نقطۂ کمال مطلق ذات خداوند تعالیٰ ہے جس کو پا لینے کی وہ زندگی بھر جستجو اور سعی کرتا ہوا ارتقائی مدارج طے کرتا چلا جاتا ہے اور انسانی زندگی کی یہی منہاج اور روش ہے۔ حدیث کے مطابق: کل مولود و یولد علی فطرة الاسلام" ہر انسان دنیا میں آتا ہے تو وہ اسلام ہی کی فطرت پر ہوتا ہے جب کہ ماحول یا گھرانہ اسے نصرانی، یہودی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ گویا خداپرستی اور توحید شناسی اللہ کی طرف سے اور گمراہی اور کجروی ماحول کی عطا کردہ ہے اور چونکہ خدا نے اجمالاً فطرت میں انسان کو توحیدی بنایا ہے لہٰذا قیامت کے دن کسی نفس کی خدا پر حجت نہیں ہوگی بلکہ خدا کی حجت سب پر قائم ہوگی۔ توحید چونکہ کائنات میں سب سے اہم موضوع ہے اس لئے انسان کی فطرت میں اسے ودیعت کر دیا گیا ہے۔ مگر توحید شناسی اور معرفت خدا کا حق ادا کرنا مخلوق اول ہی کا حصہ ہے۔ اسی لئے حدیث میں آیا ہے کہ "ما عرف الله الا انا و علی و ما عرفنی الا الله و علی و ماعرف علی الا الله و انا" خدا کو کسی نے نہیں پہچانا مگر میں نے اور علی نے اور مجھے کسی نے نہیں پہچانا مگر اللہ اور علی نے اور علی کو کسی نے نہیں پہچانا سوائے اللہ اور میرے۔

۱- موضوعة الامام علی ابن ابی طالب، ج۸، ص ۵۰

قرآن معرفت خدا کا حقیقی سرچشمہ ہے

عقائد کے نقطۂ نظر سے قرآن کے بیشتر مفاہیم و مطالب توحید سے متعلق ہیں، بلکہ اس کا سورۂ اخلاص تو انہیں مطالب سے مختص ہے۔ چنانچہ اس کی تلاوت کا ثواب ایک تہائی قرآن کی تلاوت کے ثواب کے برابر ہے۔ تمام کے تمام پیغمبر دنیا میں خداشناسی اور معرفت عقیدۂ توحید کے لئے مبعوث ہوئے اور انھوں نے "قولوا لا اله الا الله تفلحوا" کا پیغام عام کیا۔ یعنی لا اله الا الله کہو اور فلاح پاجاؤ۔ گویا فلاح انسانیت عقیدۂ توحید میں مضمر ہے۔ قرآن کا پہلا سورہ حمد معرفت خدا سے انسان کو سرشار کردیتا ہے۔ اسی طرح قرآن میں جگہ جگہ شرک اور مشرکین کی مذمت اور توحید کا وصف آیا ہے۔

کلمہ توحید کی عظمت

تمام کے تمام اعمال میں ریا کا شائبہ ہوسکتا ہے مگر کلمہ "لا اله الا الله" مومن کے قلب کی گہرائی سے نکلتا اور عمل کا یہ حصہ براہ راست بلند ہوتا ہے جب کہ باقی تمام اعمال فرشتوں کے ذریعے مرتفع ہوتے ہیں اور اس کی دلیل یہ قول خدا ہے کہ "و اليه يصعد الكلم الطيب و العمل الصالح يرفعه"[1] اور اس کی بارگاہ تک اچھی باتیں (کلمہ لا الہ الا اللہ) بلند ہوکر پہنچتی ہیں اور اچھے کاموں کو وہ خود بلند فرماتا ہے۔

توحیدی تصورات اور ادعیہ اہل بیت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

توحیدی تصورات کا ایک اور عظیم الشان سرچشمہ اہل بیت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دعاؤں کے مختلف مجموعے ہیں جن میں سرفہرست "صحیفۂ علویہ" اور "صحیفۂ سجادیہ" ہیں۔ ان دعاؤں میں خداوند تبارک و تعالیٰ کی حمد و ثنا اور اس کی صفات کے ایسے بیان موجود ہیں جو انسان کو توحیدی تصورات اور معرفت ربانی سے سرشار کردیتے ہیں۔ وہ خدا کی حمد ویسے ہی کرتے ہیں جیسی کہ خود خدا نے بیان کی ہے اور جس کے وہ لائق اور سزاوار ہے۔

یہ معرفت خدا اور توحید کے وہ زلال و شفاف سرچشمے ہیں جن سے معارف الٰہیہ کے پیاسے صدیوں سے سیراب ہوتے رہے ہیں اور تا قیامت ہوتے رہیں گے۔

۱۔ سورۂ فاطر، آیت ۱۰

علوم و معارف نہج البلاغہ

نہج البلاغہ کے مترجم حجۃ الاسلام مفتی جعفر حسین مرحوم کتاب کے مقدمے میں اس کا تعارف کچھ اس انداز میں کراتے ہیں: نہج البلاغہ علوم و معارف کا وہ گران بہار سرمایہ ہے جس کی اہمیت و عظمت ہر دور میں مسلم رہی ہے اور ہر عہد کے علما و ادبا نے اس کی بلند پائیگی کا زندہ معجزہ موجود ہے مگر اسے اپنے قائل کی عظمت و جلالت اور اعجازی فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے انسانی کلام کے مقابلے میں نہیں لایا جاسکتا۔ اسی طرح پیغمبرؐ کے اقوال و ارشادات اگرچہ معنوی لحاظ سے وسیع اور ہمہ گیر ہیں مگر لفظی اعتبار سے وہ اختصار بداماں ہیں۔ چنانچہ پیغمبر اکرم کا ارشاد "اتیت جوامع الکلم" اس کا شاہد ہے کہ آپ کم سے کم لفظوں میں زیادہ سے زیادہ مطالب سمیٹ لیتے تھے۔ اسی لئے آپ کے خطب و مکاتیب مختصر ہوتے تھے۔

یہ باب مدینۃ العلم ہی کی ذات تھی جس نے علم و حکمت کے بند دروازے کھولے، نطق و فصاحت کے پرچم لہرائے اور علمی ذوق کو پھر سے زندہ کیا۔ باوجودیکہ آپ کا دور سکون و اطمینان سے یکسر خالی تھا اور ہوس اقتدار کی فتنہ سامانیوں نے اسے اپنی جولا نگاہ بنا رکھا تھا مگر ان رات دن کی لڑائیوں، چپقلشوں کے باوجود آپ نشر علوم و معارف کے کسی موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ آپ نے کبھی تلوار کی جھنکار اور خون کی بارش میں علم و حکمت کے رموز بتائے اور کبھی ذہنی الجھاؤ اور افکار کے ہجوم میں ارشاد و ہدایت کے فرائض سرانجام دیئے۔ چنانچہ اس مجموعہ کے خطب و مکاتیب میں دو چار خطبوں اور ایک آدھ خط کے علاوہ تمام تحریریں اسی دور کی تخلیق ہیں کہ جب آپ ظاہری خلافت پر ایک دن بھی اطمینان و دلجمعی سے نہ بیٹھ سکے تھے۔ یہ بلاغت کے رگ و پے میں سرایت کر جانے کا نتیجہ ہے کہ اس انتشار اور پراگندگی خاطر کے باوجود نہ کلام میں انتشار و برہمی پیدا ہوئی، نہ عبارت کے تسلسل و ہم آہنگی میں فرق آنے پایا، یہی نہیں بلکہ ہر موقع پر اسلوب بیان کی ایک رنگی اپنے خصوصی امتیازات کے ساتھ برقرار رہتی ہے۔

امیر المؤمنین نے علمی حقائق کو فروغ دینے کے ساتھ ساتھ علم کے نشو ونما میں بھی پورا حصہ لیا اور عربی نثر کو نہ صرف حد کمال تک پہنچایا بلکہ فلسفیانہ نظر و فکر کو ادبی لطافتوں میں سمو کر ایک نئے طرز تحریر کی داغ بیل ڈالی، جس کی اس زمانہ میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ فلسفہ و حکمت کے حقائق اور الٰہیات کے

دقیق مسائل کو اس طرح بیان کرنا کہ کلام کی بلاغت، بیان کی ندرت اور طرز ادا کی لطافت میں کہیں جھول نہ آئے بہت دشوار ہے، کیونکہ ہر فن کا ایک خاص لب و لہجہ، خاص پیرایہ اور خاص طریقہ بیان ہوتا ہے اور یہ مانی ہوئی بات ہے کہ علمی مطالب میں نہ بلیغانہ تعبیرات کی گنجائش ہوتی ہے اور نہ ان میں اعلیٰ معیار بلاغت کو باقی رکھا جاسکتا ہے، کیونکہ خشک حقائق کی وادی میں بلاغت کو ڈھونڈھنا بیکار ہے فقہی عبارتیں کلام و جدل کی تحریریں اور علمی و فنی تعبیریں اسلوب بلاغت سے میل نہیں کھاتیں۔

اہل فن کے ذہنوں میں جو مخصوص تعبیرات محفوظ ہوتی ہیں وہ انہی کو دہرانے پر مجبور ہوتے ہیں۔ وہ اگر اپنے بیان میں شعریت لانا بھی چاہیں تو ہر پھر کے وہی الفاظ اور وہی تعبیریں ہوں گی جو ان کی زبانوں پر چڑھ کر منجھ چکی ہیں، لیکن امیر المؤمنین کے کلام کی یہ نمایاں خصوصیت ہے کہ اس میں ادب کی سحر انگیزی اور علم و حکمت کی باریک نگاہی دونوں جمع ہوگئی ہیں اور کسی پہلو میں بھی کمزوری کا شائبہ تک نہیں آنے پاتا۔ حضرت علی ابن ابی طالبؑ وہ پہلے مفکر اسلام ہیں جنہوں نے خداوند عالم کی توحید اور اس کے صفات پر عقلی نقطہ نظر سے بحث کی ہے اور اس سلسلہ میں جو خطبات ارشاد فرمائے ہیں وہ علم الٰہیات میں نقش اول بھی ہیں اور حرف آخر بھی۔ ان کی بلند نظری و معنی آفرینی کے سامنے حکماء و متکلمین کی ذہنی رسائیاں ٹھٹک کر رہ جاتی ہیں اور نکتہ رس طبیعتوں کو عجز و نارسائی کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ یوں تو مخلوقات کی نیرنگیوں سے خالق کی صنعت آفرینیوں پر استدلال کیا ہی جاتا ہے لیکن جس طرح امیر المؤمنین مولائے کائنات کی چھوٹی سے چھوٹی اور پست سے پست مخلوق میں نقاش فطرت کی نقش آرائیوں کی تصویر کھینچ کر صانع کے کمال صنعت اور اس کی قدرت و حکمت پر دلیل قائم کرتے ہیں وہ ندرت بیان اور اعجاز کلامی میں اپنا جواب نہیں رکھتی۔

ان خطبات و نگارشات میں جہاں مابعد الطبیعاتی و نفسیاتی مسائل کے علاوہ اخلاقی، تمدنی، معاشرتی اصول، عدل و دادخواہی کے حدود، حرب و ضرب کے ضوابط اور عمال و محصلین زکوٰۃ کے لئے ہدایات نمایاں حیثیت رکھتی ہیں، وہاں ایک ایسا مکمل و جامع دستور حکومت بھی ان صفحات کی زینت ہے جس کی افادیت اس ترقی یافتہ دور میں بھی مسلم ہے کہ جب سیاست مدنی کے اصول اور جمہوری اور غیر جمہوری حکومتوں کے آئین منضبط ہو چکے ہیں۔ یہ صرف نظریاتی چیز نہیں بلکہ ایک عملی لائحہ ہے، جس پر مسلمانان عالم بڑی آسانی سے عمل پیرا ہو کر دنیوی و اخروی ارتقا کے اعلیٰ مدارج تک پہنچ سکتے ہیں۔

نہج البلاغہ میں جہاں ترک دنیا کی تعلیم ہے اس سے رہبانیت قطعاً مراد نہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ

انسان دنیوی سرور سامان پر بھروسہ نہ کر بیٹھے کہ یہ صبح ہے تو شام نہیں اور شام ہے تو صبح نہیں اور اس کی کامرانیوں اور دلفریبیوں میں کھو کر حیات بعد الممات سے غافل نہ ہو جائے۔ یہ مقصد نہیں کہ اس کی نعمتوں اور آسائشوں سے کلیۃ دستبردار ہو جائے۔ وہ انہیں حد اعتدال میں استعمال کر سکتا ہے۔

نہج البلاغہ اخلاقی تعلیمات کا سرچشمہ ہے اس کے مختصر جملے اور ضرب الامثال اخلاقی شائستگی، خود اعتمادی، حق گوئی اور حقیقت شناسی کا بہترین درس دیتی ہے۔ اس کے ہر ہر فقرہ میں قرآن و حدیث کی روح اور اسلام کی صحیح تعلیم مضمر ہے۔ کیونکہ بقول شاعر:

علی ہیں قاری قرآں حقیقت میں مگر قرآں ہوا یہ راز بھی ہم پر عیاں نہج البلاغہ میں
رہے گا سلسلہ عرفان کا جاری قیامت تک کہ ہر خطبہ ہے بحر بے کراں نہج البلاغہ میں

ذیل میں ہم نے نہج البلاغہ سے چند ایسے خطبوں کا انتخاب پیش کیا ہے جو خدا شناسی اور معرفت توحید کے سرچشمے اور مرقعات ہیں اور حق و حقیقت کے آئینہ دار یہ خطبے ہر دور سے زیادہ اس دور کے لوگوں کے لئے حیاتیاتی اہمیت کے حامل ہیں جس میں خداشناسی کے فقدان کی بنا ر ہر طرف خون بہہ رہا ہے۔ مذہب کی غلط توجیہات اور تاویلات سامنے آرہی ہیں۔ انسانی حقوق کا کوئی تصور نہیں رہا چونکہ انسان اور خدا کے درمیان رابطہ دن بدن کمزور اور ضعیف ہوتا چلا جارہا ہے۔

تمام حمد اس اللہ کے لئے ہے جس کی مدح تک بولنے والوں کی رسائی نہیں جس کی نعمتوں کو گننے والے گن نہیں سکتے، نہ کوشش کرنے والے اس کا حق ادا کر سکتے ہیں۔ نہ بلند پرواز ہمتیں اسے پا سکتی ہیں، اور نہ عقل و فہم کی گہرائیاں اس کی تہہ تک پہنچ سکتی ہیں۔ اس کے کمال ذات کی کوئی حد نہیں۔ نہ اس کے لئے توصیفی الفاظ ہیں، نہ اس کی ابتدا کے لئے کوئی وقت ہے جسے شمار میں لایا جاسکے نہ اس کی کوئی مدت ہے جو کہیں پر ختم ہو۔

دین کی ابتدا اس کی معرفت ہے، کمال معرفت اس کی تصدیق ہے، کمال تصدیق توحید ہے، مال توحید تنزیہ و اخلاص ہے اور کمال تنزیہ و اخلاص یہ ہے کہ اس سے صفتوں کی نفی کی جائے، کیونکہ ہر صفت شاہد ہے کہ وہ اپنے موصوف کی غیر ہے اور ہر موصوف شاہد ہے کہ وہ صفت کے علاوہ کوئی چیز ہے۔ لہذا جس نے ذات الٰہی کے علاوہ صفات مانے اس نے ذات کا ایک دوسرا ساتھی مان لیا اور جس نے اس کی ذات کا کوئی اور ساتھی مانا اس نے دوئی پیدا کی جس نے دوئی پیدا کی اس نے اس کے لئے جز بنا ڈالا اور جو اس کے لئے اجزا کا قائل ہوا وہ اس سے بے خبر رہا، اور جو اس سے بے خبر

رہا اس نے اسے قابل اشارہ سمجھ لیا اور جس نے اسے قابل اشارہ سمجھ لیا اس نے اس کی حد بندی چیز میں کردی اور جو اسے محدود سمجھا وہ اسے دوسری چیزوں کی قطار میں لے آیا جس نے یہ کہا کہ وہ کس چیز میں ہے اس نے اسے کسی شے کے ضمن میں فرض کرلیا اور جس نے یہ کہا کہ وہ کسی چیز پر ہے اس نے اور جگہیں اس سے خالی سمجھ لیں، وہ ہے، ہوا نہیں، موجود ہے مگر عدم سے وجود میں نہیں آیا۔ وہ ہر شے کے ساتھ ہے، نہ جسمانی اتصال کی طرح، وہ ہر چیز سے علیحدہ ہے نہ جسمانی دوری کے طور پر، وہ فاعل ہے، لیکن حرکات و آفات کا محتاج نہیں۔ وہ اس وقت بھی دیکھنے والا تھا جب کہ مخلوقات میں کوئی چیز دکھائی دینے والی نہ تھی۔ وہ یگانہ ہے اس لئے کہ اس کا کوئی ساتھی ہی نہیں ہے کہ جس سے وہ مانوس ہو اور اسے کھو کر پریشان ہوجائے۔ اس نے پہلے پہل خلق کو ایجاد کیا بغیر کسی فکر کی جولانی کے اور بغیر کسی تجربہ کے جس سے فائدہ اٹھانے کی اسے ضرورت پڑی ہو اور بغیر کسی حرکت کے جسے اس نے پیدا کیا ہو اور بغیر کسی ولولہ اور جوش کے جس سے وہ بیتاب ہوا ہو۔ ہر چیز کو اس کے وقت کے حوالے کیا، بے جوڑ چیزوں میں توازن و ہم آہنگی پیدا کی، ہر چیز کو جداگانہ طبیعت و مزاج کا حامل بنایا۔

خدا کی جو ذات ہے وہی صفت ہے اور جو صفت ہے وہی ذات ہے۔ ہمارا خدائے بزرگ و برتر ہمیشہ سے عین علم رہا حالانکہ معلوم ابھی کتم عدم میں تھا اور عین سمع و بصر رہا حالانکہ نہ کسی آواز کی گونج بلند ہوئی تھی اور نہ کوئی دکھائی دینے والی چیز تھی، اور عین قدرت رہا حالانکہ قدرت کے اثرات قبول کرنے والی کوئی شے نہ تھی۔ پھر جب اس نے ان چیزوں کو پیدا کیا اور معلوم کا وجود ہوا تو اس کا علم معلومات پر پوری طرح منطبق ہوا خواہ وہ سنی جانے والی صدائیں ہوں یا دیکھی جانے والی چیزیں ہوں اور مقدور کے تعلق سے اس کی قدرت نمایاں ہوئی۔[1]

تمام حمد اس اللہ کے لئے ہے جو چھپی ہوئی چیزوں کی گہرائیوں میں اترا ہوا ہے۔ اس کے ظاہر و ہویدا ہونے کی نشانیاں اس کے وجود کا پتہ دیتی ہیں گو دیکھنے والے کی آنکھ سے وہ نظر نہیں آتا۔ پھر بھی دیکھنے والی آنکھ اس کا انکار نہیں کرسکتی اور جس نے اس کا اقرار کیا اس کا دل اس کی حقیقت کو نہیں پاسکتا۔ وہ اتنا بلند اور قریب سے قریب ہے کہ کوئی شے اس سے قریب تر نہیں ہے نہ اس کی بلندی نے اسے مخلوقات سے دور کردیا ہے اور نہ اس کے قریب ہونے نے اسے دوسروں کی سطح پر لاکر

۱- خطبہ ۱، ص ۵۱

ان کے برابر کردیا ہے۔ اس نے عقلوں کو اپنی صفتوں کی حد و نہایت پر مطلع نہیں کیا اور ضروری مقدار میں معرفت حاصل کرنے کے لئے ان کے آگے پردے بھی حائل نہیں کئے۔ وہ ذات ایسی ہے کہ جس کے وجود کے نشانات اس طرح کی شہادت دیتے ہیں کہ زبان سے انکار کرنے والے کا دل بھی اقرار کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اللہ ان لوگوں کی باتوں سے بہت بلند و برتر ہے جو مخلوقات سے اس کی تشبیہ دیتے ہیں، اور اس کے وجود کا انکار کرتے ہیں۔[1]

تمام حمد اس اللہ کے لئے ہے جس کی ایک صفت سے دوسری صفت کو تقدم نہیں کہ وہ آخر ہونے سے پہلے اول اور ظاہر ہونے سے پہلے باطن رہا ہو۔ اللہ کے علاوہ جسے بھی ایک کہا جائے گا، وہ قلت و کمی میں ہوگا۔ اس کے سوا ہر باعزت ذلیل اور ہر قوی کمزور و عاجز اور ہر مالک مملوک اور ہر جاننے والا سیکھنے والے کی منزل میں ہے۔ اس کے علاوہ ہر قدرت و تسلط والا کبھی قادر ہوتا ہے، اور کبھی عاجز اور اس کے علاوہ ہر سننے والا خفیف آوازوں کے سننے سے قاصر ہوتا ہے اور اونچی اور گرجدار آوازیں اپنی گونج سے اسے بہرہ کردیتی ہیں اور دور کی آوازیں اس تک نہیں پہنچتی ہیں، اور اس کے ماسوا ہر دیکھنے والا مخفی رنگوں اور لطیف جسموں کے دیکھنے سے نابینا ہوتا ہے۔ کوئی ظاہر اس کے علاوہ باطن نہیں ہوسکتا اور کوئی باطن اس کے سوا ظاہر نہیں ہوسکتا۔ اس نے اپنی کسی مخلوق کو اس لئے نہیں پیدا کیا کہ وہ اپنے اقتدار کی بنیادوں کو مستحکم کرے یا زمانے کے عواقب و نتائج سے اسے کوئی خطرہ تھا۔ یا کسی برابر والے کے حملہ آور ہونے یا کثرت پر اترانے والے شریک یا بلندی میں ٹکرانے والے مدمقابل کے خلاف اسے مدد حاصل کرنی تھی بلکہ یہ ساری مخلوقات بندگی کا درجہ رکھتی ہیں۔

وہ دوسری چیزوں میں سمایا ہوا نہیں ہے کہ یہ کہا جائے کہ وہ ان کے اندر ہے اور نہ ان چیزوں سے دور ہے کہ یہ کہا جائے کہ وہ ان چیزوں سے الگ ہے۔ ایجاد خلق اور تدبیر عالم نے اسے خستہ و درماندہ نہیں کیا، اور نہ (حسب منشا) چیزوں کے پیدا کرنے سے عجز اسے دامن گیر ہوا ہے، اور نہ اسے اپنے فیصلوں اور اندازوں میں شبہ لاحق ہوا ہے۔ بلکہ اس کے فیصلے مضبوط، علم محکم، اور احکام قطعی ہیں۔ مصیبت کے وقت بھی اسی کی آس رہتی ہے اور نعمت کے وقت بھی اس کا ڈر لگا رہتا ہے۔[2]

میں گواہی دیتا ہوں کہ اس اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں جو یکتا و لاشریک ہے۔ وہ اول ہے اس طرح کہ اس سے پہلے کوئی چیز نہیں۔ وہ آخر ہے یوں کہ اس کی کوئی انتہا نہیں۔ اس کی کسی صفت سے

۱- خطبہ ۴۹، ص ۱۷۶ ۲- خطبہ ۶۳، ص ۱۹۰

وہم و گمان باخبر نہیں ہو سکتے اور نہ اس کی کسی کیفیت میں دلوں کا عقیدہ جم سکتا ہے، نہ اس کے اجزا ہیں کہ ان کا تجزیہ کیا جا سکے اور نہ قلب و چشم اس کا احاطہ کر سکتے ہیں۔

خدا کے بندو! مفید عبرتوں سے پند و نصیحت اور کھلی ہوئی دلیلوں سے عبرت حاصل کرو اور مؤثر خوف دہانیوں سے اثر لو، اور مواعظ و افکار سے فائدہ اٹھاؤ۔ کیونکہ یہ سمجھنا چاہئے کہ موت کے پنجے تم میں گڑ چکے ہیں اور تمہاری امید و آرزو کے تمام بندھن ایک دم ٹوٹ چکے ہیں۔ سختیاں تم پر ٹوٹ پڑی ہیں اور (موت کے) چشمہ پر کہ جہاں اترا جاتا ہے، تمہیں کھینچ کر لے جایا جا رہا ہے، اور ہر نفس کے ساتھ ایک ہنکانے والا ہوتا ہے، اور ایک شہادت دینے والا۔ ہنکانے والا اسے میدان حشر تک ہنکا کر لے جائے گا اور گواہ اس کے عملوں کی شہادت دے گا۔[1]

تمام حمد اس اللہ کے لئے ہے جو نظر آئے بغیر جانا پہچانا ہوا ہے اور سوچ بچار میں پڑے بغیر پیدا کرنے والا ہے۔ وہ اس وقت بھی دائم و برقرار تھا جب کہ نہ برجوں والا آسمان تھا نہ بلند دروازوں والے حجاب تھے، نہ اندھیری راتیں، نہ ٹھہرا ہوا سمندر نہ لمبے چوڑے راستوں والے پہاڑ، نہ آڑی ترچھی پہاڑی راہیں اور نہ یہ بچھے ہوئے فرشوں والی زمین اور نہ کس بل رکھنے والی مخلوق تھی۔ وہی مخلوقات کا پیدا کرنے والا اور ان کا وارث ہے اور کائنات کا معبود اور ان کا رازق ہے۔ سورج اور چاند اس کی منشا کے مطابق (ایک ڈھرے پہ) بڑھے جانے کی سرتوڑ کوششوں میں لگے ہوئے ہیں جو ہر نئی چیز کو فرسودہ اور دور کی چیزوں کو قریب کر دیتے ہیں۔ اس نے سب کو روزی بانٹ رکھی ہے۔ وہ سب کے عمل و کردار اور سانسوں کے شمار تک کو جانتا ہے۔ وہ چوری چھپی نظروں اور سینے کی مخفی نیتوں اور صلب میں ان کے ٹھکانوں اور شکم میں ان کے سونپے جانے کی جگہوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے، یہاں تک کہ ان کی عمریں اپنی حد و انتہا کو پہنچ جائیں۔ وہ ایسی ذات ہے کہ رحمت کی وسعتوں کے باوجود اس کا عذاب دشمنوں پر سخت ہے، اور عذاب کی سختیوں کے باوجود دوستوں کے لئے اس کی رحمت وسیع ہے۔ جو اسے دبانا چاہے اس پر قابو پا لینے والا، اور جو اس سے ٹکر لینا چاہے اسے تباہ و برباد کرنے والا اور جو اس کی مخالفت کرے اسے رسوا و ذلیل کرنے والا، اور جو اس سے دشمنی برتے اس پر غلبہ پانے والا ہے۔ جو اس پر بھروسہ کرتا ہے وہ اس کے لئے کافی ہو جاتا ہے اور جو کوئی اس سے مانگتا ہے اسے دے دیتا ہے، اور جو اسے قرضہ دیتا ہے۔ یعنی اس کی راہ میں خرچ کرتا ہے وہ

۱۔ خطبہ ۸۳، ص ۲۲۴

اسے ادا کرتا ہے، جو شکر کرتا ہے، اسے بدلہ دیتا ہے۔ اللہ کے بندو! اپنے نفسوں کو تولے جانے سے پہلے تول لو، اور محاسبہ کئے جانے سے قبل خود اپنا محاسبہ کرلو، گلے کا پھندا تنگ ہونے سے پہلے سانس لے لو اور سختی کے ساتھ ہنکائے جانے سے پہلے مطیع و فرمانبردار بن جاؤ، اور یاد رکھو کہ جسے اپنے نفس کے لئے یہ توفیق نہ ہو کہ وہ خود اپنے کو وعظ و پند کرے اور برائیوں پر متنبہ کردے تو پھر کسی اور کی بھی پند و توبیخ اس پر اثر نہیں کرسکتی۔[1]

یہ خطبہ اشباح کے نام سے مشہور ہے اور امیر المؤمنین علیہ السلام کے بلند پایہ خطبوں میں شمار ہوتا ہے اور اسے ایک سائل کے جواب میں ارشاد فرمایا تھا جس نے آپ سے یہ سوال کیا تھا کہ آپ خلاق عالم کی صفات کو اس طرح بیان فرمائیں کہ ایسا معلوم ہو جیسے ہم اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ اس پر حضرت غضب ناک ہوگئے اور فرمایا:

تمام حمد اس اللہ کے لئے ہے جو فیض و عطا کے روکنے سے مال دار نہیں ہوجاتا اور جود و عطا سے کبھی عاجز و قاصر نہیں ہوتا، اس لئے کہ اس کے سوا ہر دینے والے کے یہاں داد و دہش سے کمی واقع ہوتی ہے اور ہاتھ روک لینے پر انہیں بما سمجھا جاسکتا ہے۔ وہ فائدہ بخش نعمتوں اور عطیوں کی فراوانیوں اور روزیوں کی تقسیم سے ممنون احسان بنانے والا ہے۔ ساری مخلوق اس کا کنبہ ہے۔ اس نے سب کے رزق کا ذمہ لیا ہے اور سب کی روزیاں مقرر کر رکھی ہیں۔ اس نے اپنے خواہشمندوں اور اپنی نعمت کے طلب گاروں کے لئے راہ کھول دی ہے۔ وہ دست طلب کے نہ بڑھنے پر بھی اتنا ہی کریم ہے جتنا طلب و سوال کا ہاتھ بڑھنے پر۔ وہ ایسا اول ہے جس کے لئے کوئی قبل ہے ہی نہیں، کہ کوئی شے اس سے پہلے ہوسکے، اور ایسا آخر ہے جس کے لئے کوئی بعد ہے ہی نہیں تاکہ کوئی چیز اس کے بعد فرض کی جاسکے، وہ آنکھ کی پتلیوں کو (دور ہی سے) روک دینے والا ہے کہ وہ اسے یعنی خدا کو پاسکیں یا اس کی حقیقت معلوم کرسکیں۔ اس پر زمانہ کے مختلف دور نہیں گذرتے کہ اس کے حالات میں تغیر و تبدل پیدا ہو۔ وہ کسی جگہ میں نہیں ہے کہ اس کے لئے نقل و حرکت صحیح ہوسکے۔ اگر وہ چاندی اور سونے جیسی نفیس دھاتیں کہ جنہیں پہاڑوں کے معدن (لمبی لمبی) سانسیں بھر کر اچھال دیتے ہیں اور بکھرے ہوئے موتی اور مرجان کی کئی ہوئی شاخیں کہ جنہیں دریاؤں کی سیپیاں کھلکھلا کر ہنستے ہوئے اُگل دیتی ہیں، بخش دے تو اس سے اس کے جود و عطا پر کوئی اثر نہیں پڑتا، اور نہ اس کی

۱- خطبہ ۸۸، ص ۲۳۶

دولت کا ذخیرہ اس سے ختم ہوسکتا ہے، اور اس کے پاس پھر بھی انعام و اکرام کے اتنے ذخیرے موجود رہیں گے جنہیں لوگوں کی مانگ ختم نہیں کرسکتی، اس لئے کہ وہ ایسا فیاض ہے، جسے سوالوں کا پورا کرنا مفلس نہیں بنا سکتا، اور گڑگڑا کر سوال کرنے والوں کا حد سے بڑھا ہوا اصرار بخل پر آمادہ نہیں کرسکتا۔ اے اللہ کی صفتوں کو دریافت کرنے والو دیکھو! کہ جن صفتوں کا تمہیں قرآن نے پتہ دیا ہے ان میں تم اس کی پیروی کرو اور اسی کے نور ہدایت سے کسب ضیا کرتے رہو اور جو چیزیں کہ قرآن میں واجب نہیں اور نہ سنت پیغمبر و ائمہ ہدیٰ میں ان کا نام و نشان ہے اور صرف شیطان نے اس کے جاننے کی تمہیں زحمت دی ہے اس کا علم اللہ ہی کے پاس رہنے دو اور یہی تم پر اللہ کے حق کی آخری حد ہے اور اس بات کو یاد رکھو کہ علم میں راسخ و پختہ لوگ وہی ہیں جو غیب کے پردوں میں چھپی ہوئی ساری چیزوں کا اجمالی طور پر اقرار کرتے۔ اور ان پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ اگرچہ ان کی تفسیر و تفصیل نہیں جانتے ہیں اور یہی اقرار انہیں غیب پر پڑے ہوئے پردوں میں درانہ گھسنے سے بے نیاز بنائے ہوئے ہے اور اللہ نے اس بات پر ان کی مدح کی ہے کہ جو چیز ان کے احاطۂ علم سے باہر ہوتی ہے وہ اس کی رسائی سے اپنے عجز کا اعتراف کرلیتے ہیں اور اللہ نے جس چیز کی حقیقت سے بحث کرنے کی تکلیف نہیں دی اس میں تعمق و کاوش کے ترک ہی کا نام رسوخ رکھا ہے۔ بس اسی پر اکتفا کرو اور اپنے عقل کے پیمانہ کے مطابق اللہ کی عظمت کو محدود نہ بناؤ ورنہ تمہارا شمار ہلاک ہونے والوں میں قرار پائے گا۔

وہ ایسا قادر ہے کہ جب اس کی قدرت کی انتہا معلوم کرنے کے لئے وہم اپنے تیر چلا رہا ہو اور فکر ہر طرح کے وسوسوں کے ادھیڑبن سے آزاد ہوکر اس کی قلمرو مملکت کے گہرے بھیدوں پر آگاہ ہونے کے درپے ہو اور دل اس کی صفتوں کی کیفیت سمجھنے کے لئے والہانہ طور پر دوڑ پڑے ہوں اور ذات الٰہی کو جاننے کے لئے عقلوں کی جستجو و تلاش کی راہیں حد بیان سے زیادہ دور تک چلی گئی ہوں، تو اللہ اس وقت جب وہ غیب کی تیرگیوں کے گڑھوں کو عبور کر رہی ہوتی ہیں ان سب کو ناکامیوں کے ساتھ پلٹا دیتا ہے۔ چنانچہ جب وہ اس طرح منہ کی کھا کر پلٹتی ہیں، تو انہیں یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ایسی بے راہ رویوں سے اس کی معرفت کی کھوج نہیں کی جاسکتی اور نہ فکر پیماؤں کے دلوں میں اس کی عزت کی تمکنت و جلال کا ذرا سا شائبہ آسکتا ہے۔ وہ وہی ہے کہ جس نے مخلوقات کو ایجاد کیا بغیر اس کے کہ کوئی مثال اپنے سامنے رکھتا اور بغیر اس کے کہ اپنے سے پہلے کسی اور خالق و معبود کی بنائی

ہوئی چیزوں کا چہرہ اتارتا۔ اس نے اپنی قدرت کی بادشاہت اور ان عجیب چیزوں کے واسطے سے کہ جن میں اس کی حکمت و دانائی کے آثار منہ سے بول رہے ہیں، اور مخلوق کے اس اعتراف سے کہ وہ اپنے رکنے تھمنے میں اس کے سہارے کی محتاج ہے ہمیں وہ چیزیں دکھائی ہیں کہ جنہوں نے قہراً دلیل قائم ہوجانے کے دباؤں سے اس کی معرفت کی طرف ہماری راہنمائی کی ہے، اور اس کی پیدا کردہ عجیب و غریب چیزوں میں اس کی کاریگری کے نقش و نگار اور حکمت کے آثار نمایاں اور واضح ہیں۔ چنانچہ ہر مخلوق اس کی ایک حجت اور ایک برہان بن گئی ہے۔ چاہے وہ خاموش مخلوق ہو مگر اللہ کی تدبیر و کارسازی کی ایک بولتی ہوئی دلیل ہے اور ہستی صانع کی طرف اس کی رہنمائی ثابت و برقرار ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ جس نے تجھے تیری ہی مخلوق سے ان کے اعضا کے الگ الگ ہونے اور تیری حکمت کی کارسازیوں سے گوشت و پوست میں ڈھکے ہوئے ان کے جوڑوں کے سروں کے ملنے میں تشبیہ دی، اس نے اپنے چھپے ہوئے ضمیر کو تیری معرفت سے وابستہ نہیں کیا اور اس کے دل کو یہ یقین چھو کر بھی نہیں گیا کہ تیرا کوئی شریک نہیں۔ گویا اس نے پیروکاروں کا یہ قول نہیں سنا جو اپنے مقتداؤں سے بیزاری چاہتے ہوئے یہ کہیں گے کہ "خدا کی قسم! ہم تو قطعاً ایک کھلی ہوئی گمراہی میں تھے کہ جب ہم سارے جہاں کے پالنے والے کے برابر تمہیں ٹھہرایا کرتے تھے، وہ لوگ جھوٹے ہیں جو تجھے دوسروں کے برابر سمجھ کر اپنے بتوں سے تشبیہ دیتے ہیں اور اپنے وہم میں تجھ پر مخلوقات کی صفتیں جڑ دیتے ہیں، اور اپنے خیال میں اس طرح تیرے حصے بخرے کرتے ہیں جس طرح مجسم چیزوں کے جوڑ بند الگ الگ کئے جاتے ہیں اور اپنی عقلوں کی سوجھ بوجھ کے مطابق تجھے مختلف قوتوں والی مخلوقات پر قیاس کرتے ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ جس نے تجھے تیری مخلوقات میں سے کسی کے برابر جانا اس نے تیرا ہمسر بنا ڈالا، اور تیرا ہمسر بنانے والا تیری کتاب کی محکم آیتوں کے مضامین اور ان حقائق کا جنہیں تیری طرف کے روشن دلائل واضح کر رہے ہیں، منکر ہے۔ تو وہ اللہ ہے کہ عقلوں کی حد میں گھر نہیں سکتا کہ ان کی سوچ بچار کی زد پر آ کر کیفیات کو قبول کرے اور نہ ان کے غور و فکر کی جولانیوں میں تیری ذات سمائی ہے کہ تو محدود ہو کر ان کے فکری تصرفات کا پابند بن جائے۔

اس نے جو چیزیں پیدا کیں ان کا ایک اندازہ رکھا مضبوط و مستحکم، اور ان کا انتظام کیا عمدہ و پاکیزہ، اور انہیں ان کی سمت پر اس طرح لگایا کہ نہ وہ اپنی آخری منزل کی حدوں سے آگے بڑھیں اور نہ انھوں نے منزل مقصود تک پہنچنے میں کوتاہی کی۔ جب انہیں اللہ کے ارادے پر چل پڑنے کا حکم

دیا گیا، تو انھوں نے سرتابی نہیں کی اور وہ ایسا کر ہی کیونکر سکتی تھیں جب کہ تمام امور اسی کی مشیت و ارادہ سے صادر ہوئے ہیں۔ وہ گوناگوں چیزوں کا موجد ہے بغیر کسی سوچ بچار کی طرف رجوع کئے اور بغیر طبیعت کی کسی جولانی کے کہ جسے دل میں چھپائے ہو اور بغیر کسی تجربہ کے کہ جو زمانہ کے حوادث سے حاصل کیا ہو اور بغیر کسی شریک کے کہ جو ان عجیب و غریب چیزوں کی ایجاد میں اس کا معین و مددگار رہا ہو، چنانچہ مخلوق بن بنا کر مکمل ہوگئی اور اس نے اللہ کی اطاعت کے سامنے سر جھکا دیا اور فوراً اس کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے بڑھی۔ اسے اس کے راستے میں نہ کسی دیر کرنے والے کی سی سست رفتاری دامن گیر ہوئی اور نہ کسی حیل و حجت کرنے والے کی سی سستی اور ڈھیل حائل ہوئی۔ اس نے ان چیزوں میں ہم رنگی ہم آہنگی پیدا کی اور نفسوں کے رشتے (بدنوں سے) جوڑ دیئے اور انہیں مختلف جنسوں پر بانٹ دیا جو اپنی حدوں، اندازوں، طبیعتوں اور صورتوں میں جدا جدا ہیں۔ یہ تو ایجاد مخلوق ہے کہ جس کی ساخت اس نے مضبوط کی ہے اور اپنے ارادے کے مطابق اسے بنایا اور ایجاد کیا۔

اسی خطبے کا ایک جز آسمان کے وصف میں ہے: اس نے بغیر کسی چیز سے وابستہ کئے آسمان کے شگافوں کے نشیب و فراز کو مرتب کر دیا اور اس کی دراڑوں کی کشادگیوں کو ملا دیا اور انہیں آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ جکڑ دیا اور اس کے احکام کو لے کر اترنے والوں اور خلق کے اعمال کو لے کر چڑھنے والوں کے لئے اس کی بلندیوں کی دشوار گذاری کو آسان کر دیا۔ ابھی وہ آسمان دھوئیں ہی کی شکل میں تھے، کہ اللہ نے انہیں پکارا تو (فوراً) ان کے تسموں کے رشتے آپس میں متصل ہوگئے۔ اس نے ان کے بند دروازوں کو بستہ ہونے کے بعد کھول دیا اور ان کے سوراخوں پر ٹوٹے ہوئے تاروں کے نگہبان کھڑے کر دیئے تاکہ وہ انہیں اپنے زور سے روک دیں کہ کہیں وہ ہوا کے پھیلاؤ میں ادھر ادھر نہ ہو جائیں، اور انہیں مامور کیا کہ وہ اس کے حکم کے سامنے سر جھکائے ہوئے اپنے مرکز پر ٹھہرے رہیں۔ اس نے فلک کے سورج کو دن کی روشن نشانی اور چاند کو رات کی دھندلی نشانی قرار دیا اور انہیں ان کی منزلوں پر چلایا اور ان کی گذرگاہوں میں ان کی رفتار مقرر کر دی تاکہ ان کے ذریعہ سے شب و روز کی تمیز ہو سکے اور انہی کے اعتبار سے برسوں کی گنتی اور دوسرے حساب جانے جا سکیں، پھر اس نے آسمانی فضا میں اس فلک کو آویزاں کیا اور اس میں اس کی آرائش کے لئے ننھے منے موتیوں ایسے تارے اور چراغوں کی طرح چمکتے ہوئے ستارے آویزاں کئے اور چوری چھپے کان لگانے والوں شیاطین پر ٹوٹتے ہوئے تاروں کے تیر چلائے اور ستاروں کو اپنے جبر و قہر سے ان کے

دھرے پر لگایا کہ کوئی ثابت رہے اور کوئی سیار۔ کبھی اتار ہو اور کبھی ابھار، اور کسی میں نحوست ہو اور کسی میں سعادت۔

پھر اللہ سبحانہ نے اپنے آسمانوں میں ٹھہرانے اور اپنی مملکت کے بلند طبقات کو آباد کرنے کے لئے فرشتوں کی عجیب و غریب مخلوق پیدا کی۔ ان سے آسمان کے وسیع راستوں کا گوشہ گوشہ بھر دیا اور اس کی فضا کی وسعتوں کا کونا کونا چھلکا دیا، اور ان وسیع اطراف کی پہنائیوں میں تسبیح کرنے والے فرشتوں کی آوازیں قدس و پاکیزگی کی چار دیواریوں اور عظمت کے گہرے حجابوں اور بزرگی و جلال کے سرپردوں میں گونجتی ہیں اور اس گونج کے پیچھے جس سے کان بہرے ہوجاتے ہیں تجلیات نور کی اتنی فراوانیاں ہیں کہ نگاہوں کو اپنے تک پہنچنے سے روک دیتی ہیں۔ چنانچہ وہ ناکام و نامراد ہوکر اپنی جگہ ٹھہری رہتی ہیں۔ اللہ نے ان فرشتوں کو جدا جدا صورتوں اور الگ الگ پیمانوں پر پیدا کیا ہے۔ وہ بال و پر رکھتے ہیں اور اس کے جلال و عزت کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور مخلوق میں جو اس کی صنعتیں اُجاگر ہوئی ہیں انہیں اپنی طرف نسبت نہیں دیتے اور نہ یہ ادعا کرتے ہیں کہ وہ کسی ایسی شے کو پیدا کرسکتے ہیں کہ جس کے پیدا کرنے میں خداوند تعالیٰ منفرد و یکتا ہے، بلکہ وہ تو اس کے معزز بندے ہیں جو کسی بات کے کہنے میں اس سے سبقت نہیں کرتے اور وہ اسی کے کہنے پر چلتے ہیں۔ اللہ نے انہیں وہاں اپنی وحی کا امانتدار اور اپنے اوامر و نواہی کی امانتوں کا حامل بنا کر رسولوں کی طرف بھیجا ہے اور شک و شبہات کے خدشوں سے انہیں محفوظ رکھا ہے۔ تو ان میں سے کوئی بھی اس کی رضا جوئی کی راہ سے کترانے والا نہیں، اور اس نے اپنی توفیق و اعانت سے ان کی دستگیری کی، اور خضوع و خشوع کی عجز و شکستگی سے ان کے دلوں کو ڈھانپ دیا، اور تسبیح و تقدیس کی سہولتوں کے دروازے ان کے لئے کھول دیئے، اور دینی توحید کے نشانوں پر ان کے لئے روشن مینار نصب کئے۔ نہ گناہوں کی گرانباریوں نے انہیں دبا رکھا ہے نہ شب و روز کی گردشوں نے ان پر سواری کے لئے پالان ڈالے ہیں، اور نہ شکوک و شبہات نے ان کے ایمان کے استحکام پر تیر چلائے ہیں اور نہ ان کے یقین کی پختگیوں پر ظنون و اوہام نے دھاوا بولا ہے، اور نہ ان کے درمیان کبھی کینہ و حسد کی چنگاریاں بھڑکی ہیں، اور نہ حیرانی و سراسیمگی ان کے دلوں میں سرایت کی ہوئی معرفت اور ان کے سینے کی تہوں میں جمی ہوئی عظمت خداوندی و ہیبت جلال الٰہی کو چھین سکی ہے، نہ کبھی وسوسوں نے ان پر دندان آز تیز کیا ہے کہ ان کے فکروں کو زنگ و تکدر سے آلودہ کردیں۔ ان میں کچھ وہ ہیں جو اللہ کے پیدا کردہ

بوجھل بادلوں اور اونچے پہاڑوں کی بلندیوں اور گھٹاٹوپ اندھیروں کی سیاہیوں کی صورتوں میں ہیں، اور ان میں کچھ وہ ہیں جن کے قدم تحت الثریٰ کی حدوں کو چیر کر نکل گئے ہیں، تو وہ سفید جھنڈوں کے مانند ہیں جو فضا کی وسعت کو چیرتے ہوئے آگے بڑھ گئے ہیں اور ان پھریروں کے آخری سرے تک ایک ہلکی ہوا چل رہی ہے جو انہیں روکے ہوئے ہے۔ ان فرشتوں کو عبادت کی مشغولیت نے ہر چیز سے بے فکر بنادیا اور ایمان کے ٹھوس عقیدے ان کے لئے اللہ کی معرفت کا وسیلہ بن گئے ہیں اور یقین کامل نے اوروں سے ہٹا کر اسی سے ان کی لو لگادی ہے۔ اللہ کی طرف کی نعمتوں کے سوا کسی غیر کے عطا و انعام کی انہیں خواہش ہی نہیں ہوتی۔ انھوں نے معرفت کے شیریں مزے چکھے ہیں اور اس کی محبت کے سیراب کرنے والے جام سے سرشار ہیں، اور ان کے دلوں کی تہہ میں اس کا خوف جڑ پکڑ چکا ہے۔ چنانچہ انھوں نے لمبی چوڑی عبادتوں سے اپنی سیدھی کمریں ٹیڑھی کرلی ہیں اور ہمہ وقت اسی کی طلب میں لگے رہنے کے باوجود ان کے تضرع و عاجزی کے ذخیرے ختم نہیں ہوتے اور قرب الٰہی کی بلندیوں کے باوجود خوف و خشوع کے پھندے ان کے گلے سے نہیں اترتے۔ نہ ان میں کبھی خود پسندی پیدا ہوتی ہے کہ وہ اپنے گذشتہ اعمال کا زیادہ خیال کرنے لگیں اور نہ جلال پروردگار کے سامنے ان کے عجز و انکسار نے یہ موقع آنے دیا ہے کہ وہ اپنی نیکیوں کو بڑا سمجھ سکیں۔ ان میں مسلسل تعب اٹھانے کے باوجود بھی سستی نہیں آنے پاتی اور نہ ان کی طلب و رغبت میں کبھی کمی پیدا ہوئی ہے کہ وہ اپنے پالنے والے کی توقعات سے روگرداں ہوجائیں اور نہ مسلسل مناجاتوں سے ان کی زبان کی نوکیں خشک ہوتی ہیں اور نہ کبھی ایسا ہوا ہے کہ وہ دوسرے اشغال کی وجہ سے تضرع و زاری کی آوازوں کو دھیما ہی کرلیں اور نہ عبادت کی صفوں میں ان کے شانے آگے پیچھے ہوتے ہیں، اور نہ وہ آرام و راحت کی خاطر اس کے احکام کی تعمیل میں کوتاہی کرکے اپنی گردنوں کو ادھر سے ادھر کرتے ہیں، نہ ان کی کوششوں کے عزم پر غفلت کی نادانیاں حملہ آور ہوتی ہیں، اور نہ ان کی (بلند) ہمتوں میں فریب دینے والے وسوسوں کا گذر ہوتا ہے۔ انھوں نے احتیاج کے دن کے لئے صاحب عرش کو اپنا ذخیرہ بنا رکھا ہے اور جب دوسرے لوگ مخلوقات کی طرف اپنی خواہشوں کو لے کر بڑھتے ہیں تو یہ بس اسی سے لو لگاتے ہیں۔ وہ اس کی عبادت کی انتہا کو نہیں پہنچ سکتے۔ انہیں عبادت کا والہانہ شوق کسی اور طرف لے جانے کے بجائے ان کی قلبی امید و بیم کے انہیں سرچشموں کی طرف لے جاتا ہے، جن کے سوتے کبھی موقوف نہیں ہوتے۔ خوف کھانے کی وجوہ ختم نہیں ہوتیں کہ وہ اپنی کوششوں میں سستی

کریں اور نہ دنیا کی طمعوں نے انہیں جکڑ رکھا ہے کہ وہ دنیا کے لئے وقتی کوششوں کو اپنی اس جد و جہد پر ترجیح دیں اور نہ انھوں نے اپنے سابقہ اعمال کو کبھی بڑا سمجھا ہے اور اگر بڑا سمجھتے تو پھر امیدیں خوف خدا کے اندیشوں کو ان کے صفحۂ دل سے مٹادیتیں، اور نہ شیطان کے ورغلانے سے ان میں باہم اپنے پروردگار کے متعلق کبھی کوئی اختلاف پیدا ہوا، اور نہ ایک دوسرے سے کٹنے اور بگاڑ پیدا کرنے کی وجہ سے پراگندہ و متفرق ہوئے اور نہ آپس میں حسد رکھنے کے سبب سے ان کے دلوں میں کینہ و بغض پیدا ہوا اور نہ شک و شبہات میں پڑنے کی وجہ سے تتر بتر ہوئے اور نہ پست ہمتوں نے ان پر کبھی قبضہ کیا۔ وہ ایمان کے پابند ہیں۔ انہیں اس کے بندھنوں سے کجی، روگردانی، سستی یا کاہلی نے کبھی نہیں چھڑایا۔ سطح آسمان پر خال کے برابر بھی ایسی جگہ نہیں کہ جہاں کوئی سجدہ کرنے والا فرشتہ یا تیزی سے تگ و دو کرنے والا ملک نہ ہو۔ پروردگار کی اطاعت کے بڑھنے سے ان کے علم میں زیادتی ہی ہوتی رہتی ہے اور ان کے دلوں میں اس کی عزت کی عظمت و جلالت بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔

اللہ نے زمین کو تہ و بالا ہونے والی مہیب لہروں اور بھر پور سمندروں کی اتھاہ گہرائیوں کے اوپر پانا جہاں موجیں موجوں سے ٹکرا کر تھپیڑے کھاتی تھیں اور لہریں لہروں کو دھکیل کر گونج اٹھتی تھیں اور اس طرح پھین دے رہی تھیں جس طرح مستی و ہیجان کے عالم میں نر اونٹ۔ چنانچہ اس متلاطم پانی کی طغیانیاں زمین کے بھاری بوجھ کے دباؤ سے فرو ہوگئیں اور جب اس نے اپنا سینہ اس پر ٹیک کر اسے روندا تو سارا جوش خروش ٹھنڈا پڑ گیا اور جب اپنے شانے ٹکا کر اس پر لوٹی، تو وہ ذلتوں اور خواریوں کے ساتھ رام ہوگیا۔ کہاں تو اس کی موجیں دندنا رہی تھیں کہ اب عاجز و بے بس ہو کر تھم گیا، اور ذلت کی لگاموں میں اسیر ہو کر مطیع ہوگیا۔ اور زمین اس طوفان خیز پانی کے گہراؤ میں اپنا دامن پھیلا کر ٹھہر گئی اور اس کے اٹھلانے اور سر اٹھانے کے غرور اور تکبر سے ناک اوپر چڑھانے اور بہاؤ میں تفوق و سربلندی دکھانے کا خاتمہ کردیا اور اس کی روانی کی بے اعتدالیوں پر ایسے بند باندھے کہ وہ اچھلنے کودنے کے بعد (بالکل بے دم) ہو کر ٹھہر گیا، اور جست و خیز کی سرمستیاں دکھا کر تھم گیا۔ جب اس کے کناروں کے نیچے پانی کی طغیانی کا زور و شور سکون پذیر ہوا اور اس کے کاندھوں پر اونچے اونچے اور چوڑے چکلے پہاڑوں کا بوجھ لد گیا، تو اللہ نے اس کی ناک کے بانسوں سے پانی کے چشمے جاری کردیئے جنہیں دور دراز جنگلوں اور کھدے ہوئے گڑھوں میں پھیلا دیا اور

پتھروں کی مضبوط چٹانوں اور بلند چوٹیوں والے پتھریلے پہاڑوں سے اس کی حرکت میں اعتدال پیدا کیا۔ چنانچہ اس کی سطح کے مختلف حصوں میں پہاڑوں کے ڈوب جانے اور اس کی گہرائیوں کی تہ میں گھس جانے اور اس کے ہموار حصوں کی بلندیوں اور پست سطحوں پر سوار ہو جانے کی وجہ سے اس کی تھرتھراہٹ جاتی رہی اور اللہ نے زمین سے لے کر فضائے بسیط تک پھیلاؤ اور وسعت رکھی اور اس میں رہنے والوں کے سانس لینے کو ہوا مہیا کی، اور اس میں بسنے والوں کو ان کی تمام ضروریات کے ساتھ ٹھہرایا۔ پھر اس نے چٹیل زمینوں کو جن کی بلندیوں تک نہ چشموں کا پانی پہنچ سکتا ہے اور نہ نہروں کے نالے وہاں تک پہنچنے کا ذریعہ رکھتے ہیں یونہی نہیں رہنے دیا، بلکہ ان کے لئے ہوا پر اٹھنے والی گھٹائیں پیدا کیں جو مردہ زمین میں زندگی کی لہریں دوڑا دیتی ہیں اور اس سے گھاس پات اگاتی ہیں۔ اس نے ابر کی بکھری ہوئی چکیلی ٹکڑیوں اور پراگندہ بدلیوں کو ایک جا کر کے ابر محیط بنایا اور جب اس کے اندر پانی کے ذخیرے حرکت میں آ گئے اور اس کے کناروں میں بجلیاں تڑپنے لگیں اور برق کی چمک سفید ابروں کی تہوں اور گھنے بادلوں کے اندر مسلسل جاری رہی تو اللہ نے انہیں موسلا دھار برسنے کے لئے بھیج دیا۔ اس طرح کہ اس کے پانی سے بھرے ہوئے بوجھل ٹکڑے زمین پر منڈلا رہے تھے اور جنوبی ہوائیں انہیں مسل مسل کر برسنے والے مینہ کی بوندیں اور ایکدم ٹوٹ پڑنے والی بارش کے جھالے برسا رہی تھی۔ جب بادلوں نے اپنا سینہ ہاتھ پیروں سمیت زمین پر ٹیک دیا اور پانی کا سارا لدا لدایا بوجھ اس پر پھینک دیا، تو اللہ نے افتادہ زمینوں سے سرسبز کھیتیاں اگائیں اور خشک پہاڑوں پر ہرا بھرا سبزہ پھیلا دیا۔ زمین بھی اپنے مرغزاروں کے بناؤ سنگار سے خوش ہو کر جھومنے لگی اور ان شگوفوں کی اوڑھنیوں سے جو اسے اوڑھا دی گئی تھیں اور ان شگفتہ و شاداب کلیوں کے زیوروں سے جو اسے پہنا دیئے گئے تھے، اترانے لگی۔ اللہ نے ان چیزوں کو لوگوں کی زندگی کا وسیلہ اور چوپایوں کا رزق قرار دیا، اسی نے زمین کی سمتوں میں کشادہ راستے نکالے، اور اس کی شاہراہوں پر چلنے والوں کے لئے روشنی کے مینار نصب کئے۔ جب اللہ نے فرش زمین بچھا لیا اور اپنا کام پورا کر لیا تو آدم علیہ السلام کو دوسری مخلوق کے مقابلے میں برگزیدہ ہونے کی وجہ سے منتخب کر لیا اور انہیں نوع انسانی کا فرد اول قرار دیا، اور انہیں اپنی جنت میں ٹھہرایا جہاں دل کھول کر ان کے کھانے پینے کا انتظام کیا اور جس سے منع کرنا تھا اس سے پہلے ہی خبردار کر دیا، اور یہ بتا دیا کہ اس کی طرف قدم بڑھانے میں عدول حکمی کی آلائش ہے اور اپنے مرتبہ کو خطرہ میں ڈالنا ہے، لیکن جس چیز سے انہیں

روکا تھا انھوں نے اسی کا رخ کیا جیسا کہ پہلے ہی سے ان کے علم میں تھا۔ چنانچہ توبہ کے بعد انہیں جنت سے نیچے اتار دیا تاکہ اپنی زمین کو ان کی اولاد سے آباد کرے اور ان کے ذریعے بندوں پر حجت پیش کرے۔ اللہ نے آدم کو اٹھا لینے کے بعد بھی اپنی مخلوق کو ایسی چیزوں سے خالی نہیں رکھا جو اس کی ربوبیت کی دلیلوں کو مضبوط کرتی رہیں اور بندوں کے لئے اس کی معرفت کا ذریعہ بنی رہیں اور یکے بعد دیگرے ہر دور میں وہ اپنے برگزیدہ نبیوں اور رسالت کے امانتداروں کی زبانوں سے حجت کے پہنچانے کی تجدید کرتا رہا یہاں تک کہ ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ذریعہ وہ حجت پوری طرح تمام ہوگئی اور حجت پورا کرنا اور ڈرایا جانا اپنے نقطۂ اختتام کو پہنچ گیا۔

اس نے روزیاں مقرر کر رکھی ہیں۔ کسی کے لئے انہیں زیادہ کیا ہے اور کسی کے لئے کم اور اس کی تقسیم میں کہیں تنگی رکھی ہے اور کہیں فراخی، اور یہ بالکل عدل کے مطابق تھا۔ اس طرح کہ اس نے جس جس صورت میں چاہا امتحان لیا رزق کی آسانی یا دشواری کے ساتھ مال دار اور فقیر کے شکر اور صبر کو جانچا۔ پھر اس نے رزق کی فراخیوں کے ساتھ فقر و فاقہ کے خطرے اور اس کی سلامتیوں میں نت نئی آفتوں کے دغدغے اور فراخی و وسعت کی شادمانیوں کے ساتھ غم و غصہ کے گلوگیر پھندے بھی لگا رکھے ہیں۔ اس نے زندگی کی مختلف مدتیں مقرر کی ہیں۔ کسی کو زیادہ اور کسی کو کم۔ کسی کو آگے اور کسی کو پیچھے کر دیا ہے اور ان مدتوں کی رسیوں کی موت سے گرہ لگادی ہے اور وہ موت ان کو کھینچے لئے جاتی ہے اور ان کے مضبوط رشتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کئے دیتی ہے۔

وہ بھید چھپانے والوں کی نیتوں، کھسر پھسر کرنے والوں کی سرگوشیوں مظنون اور بے بنیاد خیالوں، دل میں جمے ہوئے یقینی ارادوں، پلکوں کے نیچے جھپکیوں کے اشاروں، دل کی تہوں اور غیب کی گہرائیوں میں چھپی ہوئی چیزوں کو جانتا ہے اور ان آوازوں کا سننے والا ہے جن کو کان لگا کر سننے کے لئے کانوں کے سوراخوں کو جھکنا پڑتا ہے۔ وہ چیونٹیوں کے موسم گرما کے مسکنوں اور حشرات الارض کے موسم سرما بسر کرنے کے مقاموں سے آگاہ ہے اور پسر مردہ عورتوں کے درد بھرے نالوں کی گونج اور قدموں کی چاپ کا سننے والا ہے اور سبز پتیوں کے غلافوں کے اندر دو نیم خولوں میں پھلوں کے نشوونما پانے کی جگہوں اور پہاڑوں کی کھوؤں اور اور ان کے نشیبوں، وحشی جانوروں کی پناہ گاہوں اور درختوں کے تنوں اور ان کے چھلکوں میں مچھروں کے سر چھپانے کے سوراخوں اور شاخوں میں پتیوں کے پھوٹنے کی جگہوں اور صلب کی گذرگاہوں میں نطفوں کے ٹھکانوں اور زمین سے اٹھنے

والے ابر کے لکوں اور آپس میں جڑے ہوئے بادلوں اور تہ بہ تہ جمے ہوئے ابروں سے ٹپکنے والے بارش کے قطروں سے باخبر ہے، اور ریگ بیابان کے ذرے جنہیں باد بگولوں نے اپنے دامنوں سے اڑایا ہے اور وہ نشانات جنہیں بارشوں کے سیلابوں نے مٹا ڈالا ہے اس کے علم میں ہیں۔ وہ ریت کے ٹیلوں پر زمین کے کیڑوں کے چلنے پھرنے اور سربلند پہاڑوں کی چوٹیوں پر بال و پر رکھنے والے طائروں کے نشیمنوں اور گھونسلوں کی اندھیاریوں میں چہچہانے والے پرندوں کے نغموں کو جانتا ہے اور جن چیزوں کو سیپیوں نے سمیٹ رکھا ہے اور جن چیزوں کو دریا کی موجیں اپنے پہلو کے نیچے دبائے ہوئے ہیں اور جن کو رات کی تاریک چادروں نے ڈھانپ رکھا ہے اور جن پر دن کے سورج نے اپنی کرنوں سے نور بکھیرا ہے، اور جن پر کبھی ظلمت کی تہیں جم جاتی ہیں، اور کبھی نور کے دھارے بہہ نکلتے ہیں ان کو پہچانتا ہے۔ وہ ہر قدم کا نشان، ہر چیز کی حس و حرکت، ہر لفظ کی گونج، ہر ہونٹ کی جنبش، ہر جاندار کا ٹھکانہ، ہر ذرے کا وزن اور ہر جی دار کی سسکیوں کی آواز اور جو کچھ بھی اس زمین پر ہے، سب اس کے علم میں ہے۔ وہ درختوں کا پھل ہو یا ٹوٹ کر گرنے والا پتہ یا نطفے یا منجمد خون کا ٹھکانا اور لوتھڑا یا اس کے بعد بننے والی مخلوق اور پیدا ہونے والا بچہ ان چیزوں کے جاننے میں اسے کلفت و تعب اٹھانی نہیں پڑی اور نہ اسے اپنی مخلوق کی حفاظت میں کوئی رکاوٹ درپیش ہوئی اور نہ اسے احکام چلانے اور مخلوقات کا انتظام کرنے سے سستی اور تھکن لاحق ہوئی بلکہ اس کا علم تو ان چیزوں کے اندر تک اترا ہوا ہے اور ایک ایک چیز اس کے شمار میں ہے۔ اس کا عدل ہمہ گیر اور اس کا فضل سب کے شامل حال ہے اور اس کے ساتھ وہ اس کے شایان شان حق کی ادائیگی سے قاصر ہیں۔

اے خدا! تو ہی توصیف و ثنا اور انتہائی درجہ تک سراہے جانے کا مستحق ہے۔ اگر تجھ سے امیدیں باندھی جائیں، تو تو بہترین سرچشمہ امید ہے۔ تو نے مجھے ایسی قوت بیان بخشی ہے کہ جن سے میں تیرے علاوہ کسی کی مدح اور ستائش نہیں کرتا، اور میں اپنی مدح کا رخ کبھی ان لوگوں کی طرف نہیں موڑنا چاہتا جو ناامیدیوں کا مرکز اور بدگمانیوں کے مقامات ہیں میں نے اپنی زبان کو انسانوں کی مدح اور پروردہ مخلوق کی تعریف و ثنا سے ہٹالیا ہے۔ بار الہا! ہر ثنا گستر کے لئے اپنے ممدوح پر انعام و اکرام اور عطا و بخشش پانے کا حق ہوتا ہے میں تجھ سے امید لگائے بیٹھا ہوں کہ تو رحمت کے ذخیروں اور مغفرت کے خزانوں کا پتہ دینے والا ہے۔ خدایا! یہ تیرے سامنے وہ شخص کھڑا ہے، جس نے تیری توحید و یکتائی میں تجھے منفرد مانا ہے اور ان ستائشوں اور تعریفوں کا تیرے علاوہ کسی کو اہل نہیں سمجھا۔

میری احتیاج تجھ سے وابستہ ہے۔ تیری ہی بخششوں اور کامرانیوں سے اس کی بے نوائی کا علاج ہوسکتا ہے اور اس کے فقر و فاقہ کو تیرا ہی جود و احسان سہارا دے سکتا ہے۔ ہمیں تو اپنی خوشنودیاں بخش دے اور دوسروں کی طرف دست طلب بڑھنے سے بے نیاز کردے۔ تو ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔[1]

تو نے تنہائی کی وحشتوں سے اکتا کر مخلوق کو پیدا نہیں کیا اور نہ اپنے کسی فائدے کے پیش نظر ان سے اعمال کرائے۔ جسے تو گرفت میں لانا چاہے وہ تجھ سے آگے بڑھ کر جا نہیں سکتا اور جسے تو نے گرفت میں لے لیا، پھر وہ نکل نہیں سکتا۔ جو تیری مخالفت کرتا ہے، ایسا نہیں کہ وہ تیری فرمانروائی کو نقصان پہنچائے اور جو تیری اطاعت کرتا ہے، وہ ملک کی وسعتوں کو بڑھا نہیں دیتا اور جو تیری قضا و قدر پر بگڑ اٹھے، وہ ترے امر کو رد نہیں کرسکتا اور جو تیرے حکم سے منہ موڑ لے، وہ تجھ سے بے نیاز نہیں ہوسکتا۔ ہر چھپی ہوئی چیز تیرے لئے ظاہر اور ہر غیب تیرے سامنے بے نقاب ہے۔ تو ابدی ہے جس کی کوئی حد نہیں اور تو ہی سب کی منزل منتہا ہے کہ جس سے کوئی گریز کی راہ نہیں اور تو ہی وعدہ گاہ ہے کہ تجھ سے چھٹکارا پانے کی کوئی جگہ نہیں مگر تیری ہی ذات۔ ہر راہ چلنے والا تیرے قبضہ میں ہے اور ہر ذی روح کی بازگشت تیری طرف ہے۔ سبحان اللہ! یہ تیری کائنات جو ہم دیکھ رہے ہیں کتنی عظیم الشان ہے اور تیری قدرت کے سامنے اس کی عظمت کتنی کم ہے اور یہ تیری بادشاہت جو ہماری نظروں کے سامنے ہے، کتنی پرشکوہ ہے۔ لیکن تیری اس سلطنت کے مقابلے میں جو ہماری نگاہوں سے اوجھل ہے، کتنی حقیر ہے اور دنیا میں یہ تیری نعمتیں کتنی کامل و ہمہ گیر ہیں مگر آخرت کی نعمتوں کے سامنے وہ کتنی مختصر ہیں۔

تو نے فرشتوں کو آسمانوں میں بسایا اور انہیں زمین کی سطح سے بلند رکھا۔ وہ سب مخلوق سے زیادہ تیری معرفت رکھتے ہیں، اور سب سے زیادہ تجھ سے ڈرتے ہیں اور سب سے زیادہ تیرے مقرب ہیں۔ نہ وہ صلبوں میں ٹھہرے، نہ شکموں میں رکھے گئے، نہ ذلیل پانی (نطفہ) سے ان کی پیدائش ہوئی، اور نہ زمانے کے حوادث نے انہیں منتشر کیا۔ وہ تیرے قرب میں اپنے مقام و منزلت کی بلندی اور تیرے بارے میں خیالات کی یکسوئی، اور تیری عبادت کی فراوانی اور تیرے احکام میں عدم غفلت کے باوجود اگر تیرے رازہائے قدرت کی اس تہہ تک پہنچ جائیں کہ جو ان سے پوشیدہ ہے، تو وہ اپنے

۱- خطبہ ۸۹، ۲۳۷

اعمال کو بہت ہی حقیر سمجھیں گے اور اپنے نفسوں پر حرف گیری کریں گے اور یہ جان لیں گے کہ انہوں نے تیری عبادت کا حق ادا نہیں کیا، اور نہ کما حقہ تیری اطاعت کی ہے۔ میں خالق و معبود جانتے ہوئے تیری تسبیح کرتا ہوں تیرے اس بہترین سلوک کی بنا پر جو ترا اپنے مخلوقات کے ساتھ ہے۔ تو نے ایک ایسا گھر (جنت) بنایا ہے کہ جس میں مہمانی کے لئے کھانے پینے کی چیزیں، حوریں، غلمان، محل، نہریں، کھیت اور پھل مہیا کئے ہیں۔ پھر تو نے ان نعمتوں کی طرف دعوت دینے والا بھیجا، مگر نہ انہوں نے بلانے والے کی آواز پر لبیک کہی اور نہ ان چیزوں کی طرف راغب ہوئے جن کی تو نے رغبت دلائی تھی، اور نہ ان چیزوں کے مشتاق ہوئے جن کا تو نے اشتیاق دلایا تھا۔ وہ تو اسی مردار دنیا پر ٹوٹ پڑے کہ جسے نوچ کھانے میں اپنی عزت آبرو گنوا رہے تھے اور اس کی چاہت پر ایکا کر لیا تھا۔ جو شخص کسی شے سے بے تحاشا محبت کرتا ہے، وہ اس کی آنکھوں کو اندھا، دل کو مریض کر دیتی ہے۔ وہ دیکھتا ہے تو بیمار آنکھوں سے، سنتا ہے تو نہ سننے والے کانوں سے۔ شہوتوں نے اس کی عقل کا دامن چاک کر دیا ہے، اور دنیا نے اس کے دل کو مردہ بنا دیا ہے۔[1]

دنیا و آخرت اپنی باگ ڈور اللہ کو سونپے ہوئے اس کے زیر فرمان ہیں اور آسمان و زمین نے اپنی کنجیاں اس کے آگے ڈال دی ہیں اور ترو تازہ و شاداب درخت صبح و شام اس کے آگے سربسجود ہیں اور اپنی شاخوں سے چمکتی ہوئی آگ (کے شعلے) بھڑکاتے ہیں اور اس کے حکم سے پھل پھول کر پکے ہوئے میووں کی ڈالیاں پیش کرتے ہیں۔[2]

اس کا حکم فیصلہ کن اور حکمت آمیز اور اس کی خوشنودی امان اور رحمت ہے۔ وہ اپنے علم سے فیصلہ کرتا ہے اور اپنے حلم سے عفو کرتا ہے۔ بار الہا! تو جو کچھ دے کر لے لیتا ہے اور جو کچھ عطا کرتا ہے اور جن مرضوں سے شفا دیتا ہے اور جن آزمائشوں میں ڈالتا ہے سب پر تیرے لئے ایسی حمد و ثنا ہے جو انتہائی درجے تک تجھے پسند آئے اور انتہائی درجے تک تجھے محبوب ہو اور تیرے نزدیک ہر ستائش سے بڑھ چڑھ کر ہو۔ ایسی حمد جو کائنات کو بھر دے اور جو تو نے چاہا ہے اس کی حدت تک پہنچ جائے، ایسی حمد کہ جس کے آگے تیری بارگاہ تک پہنچنے سے نہ کوئی حجاب ہو اور نہ اس کے لئے کوئی بندش، ایسی حمد کہ جس کی گنتی نہ کہیں پر ٹوٹے اور نہ اس کا سلسلہ ختم ہو۔ ہم تیری عظمت و بزرگی کی حقیقت کو نہیں جانتے مگر اتنا کہ تو زندہ و کارساز عالم ہے۔ نہ تجھے غنودگی ہوتی ہے اور نہ نیند آتی ہے۔ نہ تار نظر تجھ

۱- خطبہ ۱۰۷، ص ۲۹۱ ۲- خطبہ ۱۳۱، ص ۳۴۷

تک پہنچ سکتا ہے اور نہ نگاہیں تجھے دیکھ سکتی ہیں۔ تو نے نظروں کو پالیا ہے اور عمروں کا احاطہ کرلیا ہے اور پیشانی کے بالوں کو پیروں سے ملا کر گرفت میں لے لیا ہے۔ یہ تیری مخلوق کیا ہے جو ہم دیکھتے ہیں اور اس میں تیری قدرت کی کارسازیوں پر تعجب کرتے ہیں اور تیری عظیم فرمانروائی کی کارفرمائیوں پر اس کی توصیف کرتے ہیں؟ حالانکہ درحقیقت وہ مخلوقات جو ہماری آنکھوں سے اوجھل ہیں اور جن تک پہنچنے سے ہماری نظریں عاجز اور عقلیں درماندہ ہیں اور ہمارے اور جن کے درمیان غیب کے پردے حائل ہیں اس سے کہیں زیادہ باعظمت ہے۔ جو شخص وسوسوں سے اپنے دل کو خالی کرکے اور غور وفکر کی قوتوں سے کام لے کر یہ جاننا چاہے کہ تو نے عرش کو کیونکر قائم کیا ہے اور کس طرح مخلوقات کو پیدا کیا ہے اور کیونکر آسمانوں کو فضا میں لٹکایا ہے اور کس طرح پانی کے تھپیڑوں پر زمین کو بچھایا ہے واس کی آنکھیں تھک کر اور عقل مغلوب ہوکر اور کان حیران اور سراسیمہ اور فکر گم گشتہ راہ ہوکر پلٹ آئے گی۔[1]

تمام حمد اس اللہ کے لئے ہے جو بندوں کا پیدا کرنے والا، فرش زمین کا بچھانے والا، ندی نالوں کا بہانے والا اور ٹیلوں کو سرسبز و شاداب بنانے والا ہے۔ نہ اس کی اولیت کی کوئی ابتدا اور نہ اس کی ازلیت کی کوئی انتہا ہے۔ وہ ایسا اول ہے جو ہمیشہ سے ہے اور بغیر کسی مدت کی حد بندی کے ہمیشہ رہنے والا ہے۔ پیشانیاں اس کے آگے سجدہ میں گری ہوئی ہیں اور لب اس کی توحید کے معترف ہیں۔ اس نے تمام چیزوں کو ان کے پیدا کرنے کے وقت ہی سے جداگانہ صورتوں اور شکلوں میں محدود کردیا، تاکہ اپنی ذات کو ان کی مشابہت سے الگ رکھے۔ تصورات اسے حدود و حرکات اور اعضا وحواس کے ساتھ متعین نہیں کرسکتے۔ اس کے لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ ''کب سے ہے'' اور نہ یہ کہہ کر اس کی مدت منفرد کی جاسکتی ہے کہ وہ ''کب تک ہے'' وہ ظاہر ہے لیکن نہیں کہا جاسکتا ہے کہ ''کس سے (ظاہر ہوا)۔'' وہ باطن ہے مگر یہ نہیں کہا جائے گا کہ ''کس میں'' وہ نہ دور سے نظر آنے والا ڈھانچہ ہے کہ مٹ جائے اور نہ کسی حجاب میں ہے کہ محدود و محجوب ہوجائے۔ اور چیزوں سے اس طرح قریب نہیں کہ ساتھ چھو جائے اور نہ وہ جسمانی طور پر ان سے الگ ہوکر دور ہوا ہے۔ اس سے کسی کا ٹکٹکی باندھ کر دیکھنا، کسی لفظ کا دہرایا جانا، کسی بلندی کا دور سے جھلکنا اور کسی قدم کا آگے بڑھنا پوشیدہ نہیں ہے اور نہ اندھیری راتوں میں اور نہ چھائی ہوئی اندھیاریوں میں کہ جن پر روشن چاند اپنی

۱- خطبہ ۱۵۸، ص ۳۹۳

کرنوں کا سایہ ڈالتا ہے اور نورانی آفتاب طلوع و غروب کے چکروں میں اور زمانہ کی گردشوں میں اندھیرے کے بعد نور پھیلاتا ہے کہ جو آنے والی رات اور جانے والے دن کی آمد و شد سے پیدا ہوتی ہیں۔ وہ ہر مدت و انتہا اور ہر گنتی اور شمار سے پہلے ہے۔ اسے محدود سمجھ لینے والے جن اندازوں اور اطراف و جوانب کی حدوں اور مکانوں میں بسنے اور جگہوں میں ٹھہرنے کو اس کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔

وہ ان نسبتوں سے بہت بلند ہے۔ حدیں تو اس کی مخلوق کے لئے قائم کی گئی ہیں اور دوسروں ہی کی طرف ان کی نسبت دی جایا کرتی ہے۔ اس نے اشیا کو ایسے مواد سے پیدا نہیں کیا کہ جو ہمیشہ سے ہو اور نہ ایسی مثالوں پر بنایا کہ جو پہلے سے موجود ہوں بلکہ اس نے جو چیز پیدا کی اسے مستحکم کیا اور جو ڈھانچہ بنایا اسے اچھی طرح شکل و صورت دی۔ کوئی شے اس کے حکم سے سرتابی نہیں کر سکتی اور نہ اس کو کسی کی اطاعت سے کوئی فائدہ پہنچتا ہے۔ اسے پہلے مرنے والوں کا ویسا ہی علم ہے جیسا باقی رہنے والے زندہ لوگوں کا اور جس طرح بلند آسمانوں کی چیزوں کو جانتا ہے، ویسے ہی پست زمینوں کی چیزوں کو پہچانتا ہے۔[1]

خداوند عالم کو ایک حالت دوسری حالت سے سد راہ نہیں ہوتی۔ نہ زمانہ اس میں تبدیلی پیدا کرتا ہے، نہ کوئی جگہ اسے گھیرتی ہے اور نہ زبان اس کا وصف کر سکتی ہے۔ اس سے پانی کی قطروں اور آسمان کے ستاروں اور ہوا کے جھکڑوں کا شمار چکنے پتھر پر چیونٹی کے چلنے کی آواز اور اندھیری رات میں چھوٹی چیونٹیوں کے قیام کرنے کی جگہ کوئی پوشیدہ نہیں ہے۔ وہ پتوں کے گرنے کی جگہوں اور آنکھ کے چوری چھپے اشاروں کو جانتا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ نہ اس کا کوئی ہمسر ہے نہ اس کی ہستی میں کوئی شبہ، نہ اس کے دین سے سرتابی ہو سکتی ہے نہ اس کی آفرینش سے انکار اس شخص کی سی گواہی جس کی نیت سچی، باطن پاکیزہ، یقین شبہوں سے پاک اور اس کے نیک اعمال کا پلہ بھاری ہو۔[2]

تمام حمد اس اللہ کے لئے ہے جس کی طرف تمام مخلوق کی بازگشت اور ہر چیز کی انتہا ہے۔ ہم اس کے عظیم احسان، روشن و واضح برہان اور اس کے لطف و کرم کی افزائش پر اس کی حمد و ثنا کرتے ہیں۔ ایسی حمد کہ جس سے اس کا حق پورا ہو اور شکر ادا ہو اور اس کے ثواب کے قریب لے جانے والی اور

۱- خطبہ ۱۶۱، ص ۲۰۳ ۲- خطبہ ۷۶، ص ۲۳۳

اس کی بخششوں کو بڑھانے والی ہو۔ ہم اس سے اس طرح مدد مانگتے ہیں جس طرح اس کے فضل کا امیدوار، اس کے نفع کا آرزومند، دفع بلیات کا اطمینان رکھنے والا اور بخشش و عطا کا معترف اور قول و عمل سے اس کا مطیع و فرمانبردار اس سے مدد چاہتا ہو اور ہم اس شخص کی طرح اس پر ایمان رکھتے ہیں جو یقین کے ساتھ اس سے آس لگائے ہو، اس ایمان کامل کے ساتھ اس کی طرف رجوع کرتا ہو اور اطاعت و فرمانبرداری کے ساتھ اس کے سامنے عاجزی و فروتنی کرتا ہو اور اسے ایک جانتے ہوئے اس سے اخلاص برتتا ہو اور سپاسگزاری کے ساتھ اسے بزرگ جانتا ہو اور رغبت و کوشش سے اس کے دامن میں پناہ ڈھونڈتا ہو۔ اس کا کوئی باپ نہیں کہ وہ عزت و بزرگی میں اس کا شریک ہو۔ نہ اس کی کوئی اولاد ہے کہ اسے چھوڑ کر وہ دنیا سے رخصت ہو جائے اور وہ اس کی وارث ہو جائے اور نہ اس کے پہلے وقت اور زمانہ تھا نہ اس پر یکے بعد دیگرے کمی اور زیادتی طاری ہوتی ہے بلکہ اس نے مضبوط نظام کائنات اور اٹل احکام کی جو علامتیں ہمیں دکھائی ہیں ان کی وجہ سے وہ عقلوں کے لئے ظاہر ہوا ہے۔ چنانچہ اس آفرینش پر گواہی دینے والوں میں آسمانوں کی خلقت ہے جو بغیر ستونوں کے ثابت و برقرار اور بغیر سہارے کے قائم ہیں۔ خداوند عالم نے انہیں پکارا تو یہ بغیر کسی سستی اور توقف کے اطاعت و فرمانبرداری کرتے ہوئے لبیک کہہ اٹھے۔ اگر وہ اس کی ربوبیت کا اقرار نہ کرتے اور اس کے سامنے سر نہ جھکاتے تو وہ انہیں اپنے عرش کا مقام اور اپنے فرشتوں کا مسکن اور پاکیزہ کلموں اور مخلوق کے نیک عملوں کے بلند ہونے کی جگہ نہ بناتا۔ اللہ نے ان کے ستاروں کو ایسی روشن نشانیاں قرار دیا ہے جن سے حیران و سرگرداں اطراف زمین کی راہوں میں آنے جانے کے لئے راہنمائی حاصل کرتے تھے۔ اندھیری رات کی اندھیاریوں کے سیاہ پردے ان کی نور کی ضوپاشیوں کو نہیں روکتے اور نہ شبہائے تاریک کی تیرگی کے پردے یہ طاقت رکھتے ہیں کہ وہ آسمانوں میں پھیلی ہوئی چاند کے نور کی جگمگاہٹ کو پلٹا دیں۔ پاک ہے وہ ذات جس پر پست زمین کے قطعوں اور باہم ملے ہوئے سیاہ پہاڑوں کی چوٹیوں میں اندھیری رات کی اندھیاریاں اور پرسکون شب کی ظلمتیں پوشیدہ نہیں ہیں اور نہ افق آسمان میں رعد کی گرج اس سے مخفی ہے۔ اور نہ وہ چیزیں کہ جن پر بادلوں کی بجلیاں کوند کر ناپید ہو جاتی ہیں اور نہ وہ پتے جو ٹوٹ کر گرتے ہیں جنہیں بارش کے پچھتروں کی تند ہوائیں اور موسلادھار بارشیں ان کے گرنے کی جگہ سے ہٹا دیتی ہیں۔ وہ جانتا ہے کہ بارش کے قطرے کہاں گریں گے اور کہاں ٹھہریں گے اور چھوٹی چیونٹیاں کہاں رینگیں گی اور کہاں اپنے کو کھینچ کر

لے جائیں گی، مچھروں کو کونسی روزی کفایت کرے گی اور مادہ اپنے پیٹ میں کیا لئے ہوئے ہے۔

تمام حمد اس اللہ کے لئے ہے جو عرش و کرسی، زمین و آسمان اور جن و انس سے پہلے موجود تھا، نہ انسانی واہموں سے اسے جانا جاسکتا ہے اور نہ عقل وفہم سے اس کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ اسے کوئی سوال کرنے والا دوسرے سائلوں سے غافل نہیں بناتا اور نہ بخشش و عطا سے اس کے ہاں کچھ کمی آتی ہے۔ وہ آنکھوں سے دیکھا نہیں جاسکتا اور نہ کسی جگہ میں اس کی حد بندی ہوسکتی ہے۔ نہ ساتھیوں کے ساتھ اسے متصف کیا جاسکتا ہے اور نہ اعضا و جوارح کی حرکت سے وہ پیدا کرتا ہے اور نہ حواس سے وہ جانا پہچانا جاسکتا ہے اور نہ انسانوں پر اس کا قیاس ہوسکتا ہے۔ وہ خدا جس نے بغیر اعضا و جوارح اور بغیر گویائی اور بغیر حلق کے کوؤں کو ہلائے ہوئے موسیٰ علیہ السلام سے باتیں کیں اور انہیں اپنی عظیم نشانیاں دکھلائیں۔ اے اللہ کی توصیف میں رنج وتعب اٹھانیوالے اگر تو اس سے عہدہ برآ ہونے میں سچا ہے تو پہلے جبرئیل و میکائیل اور مقرب فرشتوں کے لاؤلشکر کا وصف بیان کر جو پاکیزگی وطہارت کے حجروں میں اس عالم میں سر جھکائے پڑے ہیں کہ ان کی عقلیں ششدر و حیران ہیں کہ وہ اس بہترین خالق کی توصیف کرسکیں۔ صفتوں کے ذریعے وہ چیزیں جانی پہچانی جاتی ہیں جو شکل وصورت اور اعضا و جوارح رکھتی ہوں اور وہ جو اپنی حد انتہا کو پہنچ کر موت کے ہاتھوں ختم ہوجائیں۔ اس اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں جس نے اپنے نور سے تمام تاریکیوں کو روشن ومنور کیا اور ظلمت عدم سے ہر نور کو تیرہ وتار بنادیا ہے۔[۱]

تمام حمد اس اللہ کے لئے ہے جو بن دیکھے جانا پہچانا جاتا ہے اور بے رنج وتعب اٹھائے ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔ اس نے اپنی قدرت سے مخلوقات کو پیدا کیا اور اپنی عزت وجلالت کے پیش نظر فرمانرواؤں سے اطاعت و بندگی حاصل کی اور اپنے جود و عطا کی بدولت باعظمت لوگوں پر سرداری کی۔ وہ اللہ جس نے دنیا میں اپنی مخلوقات کو آباد کیا اور ایسے رسولوں کو جن و انس کی طرف بھیجا تاکہ وہ ان کے سامنے دنیا کو بے نقاب کریں اور اس کی مضرتوں سے انہیں ڈرائیں دھمکائیں، اس کی بیوفائی کی مثالیں بیان کریں اور اس کی صحت و بیماری کے تغیرات سے ایک دم انہیں پوری پوری عبرت دلانے کا سامان کریں، اور اس کے عیوب اور حلال و حرام کے ذرائع اکتساب اور فرمانبرداروں اور نافرمانوں کے لئے جو بہشت و دوزخ اور عزت و ذلت کے سامان اللہ نے مہیا کئے ہیں دکھلائیں۔

۱- خطبہ ۱۸۰، ص ۳۵۰

میں اس کی ذات کی طرف ہمہ تن متوجہ ہوکر اس کی ایسی حمد و ثنا کرتا ہوں جیسی حمد اس نے اپنی مخلوقات سے چاہی ہے۔ اس نے ہر شے کا ایک اندازہ اور ہر اندازے کی ایک مدت اور ہر مدت کے لئے ایک نوشتہ قرار دیا ہے۔[1]

ساری حمد و ستائش اس اللہ کے لئے ہے جسے حواس پا نہیں سکتے۔ نہ جگہیں اسے گھیر سکتی ہیں نہ آنکھیں اسے دیکھ سکتی ہیں، نہ پردے اسے چھپا سکتے ہیں۔ وہ مخلوقات کے نیست کے بعد ہست ہونے سے پہلے ہمیشہ سے ہونے کا اور ان کے باہم مشابہ ہونے سے اپنے بے مثل اور بے نظیر ہونے کا پتہ دیتا ہے۔ وہ اپنے وعدہ میں سچا اور بندوں پر ظلم کرنے سے بالاتر ہے۔ وہ مخلوق کے بارے میں عدل سے چلتا ہے اور اپنے حکم میں انصاف برتتا ہے۔ وہ چیزوں کے وجود پذیر ہونے سے اپنی قدامت پر ان کی عجز و کمزوری کے نشانوں سے اپنی قدرت پر اور ان کے فنا ہوجانے کی اضطراری کیفیتوں سے اپنی ہمیشگی پر عقل سے گواہی حاصل کرتا ہے۔ وہ گنتی اور شمار میں آئے بغیر ایک یگانہ ہے وہ کسی متعینہ مدت کے بغیر ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اور ستونوں یعنی اعضا کے سہارے کے بغیر قائم و برقرار ہے، حواس و مشاعر کے بغیر ذہن اسے قبول کرتے ہیں اور اس تک پہنچے بغیر نظر آنے والی چیزیں اس ہستی کی گواہی دیتی ہیں۔ عقلیں اس کی حقیقت کا احاطہ نہیں کرسکتیں بلکہ وہ عقلوں کے وسیلہ سے عقلوں کے لئے آشکارا ہوا ہے اور عقلوں ہی کے ذریعہ سے عقل و فہم میں آنے سے انکاری ہے اور ان کے معاملہ میں خود انہی کو حکم ٹھہرایا ہے۔ وہ اس معنی میں بڑا نہیں کہ اس کی حدود و اطراف پھیلے ہوئے ہوں جو اسے مجسم صورت میں بڑا کرکے دکھاتے ہوں اور نہ اس اعتبار سے عظیم ہے کہ وہ جسامت میں انتہائی حدوں تک پھیلا ہوا ہو بلکہ وہ شان و منزلت کے اعتبار سے بڑا ہے اور دبدبہ و اقتدار کے لحاظ سے عظیم ہے۔[2]

جس نے اسے مختلف کیفیتوں سے متصف کیا اس نے اسے یکتا نہیں سمجھا، جس نے اس کا مثل ٹھہرایا، اس نے اس کی حقیقت کو نہیں پایا، جس نے اسے کسی چیز سے تشبیہ دی اس نے اس کا قصد نہیں کیا، جس نے اسے قابل اشارہ سمجھا اور اپنے تصور کا پابند بنایا اس نے اس کا رخ نہیں کیا۔ جو اپنی ذات سے پہچانا جائے وہ مخلوق ہوگا اور جو دوسرے کے سہارے پر قائم ہو وہ علت کا محتاج ہوگا۔ وہ فاعل ہے بغیر آلات کو حرکت میں لائے۔ وہ ہر چیز کا اندازہ مقرر کرنے والا ہے بغیر فکر کی جولانی

۱- خطبہ ۱۸۱، ص ۴۵۹ ۲- خطبہ ۱۸۳، ص ۴۶۴

کے۔ وہ تو نگر و غنی ہے بغیر دوسروں سے استفادہ کئے۔ نہ زمانہ اس کا ہم نشین اور نہ آلات اس کے معاون و معین ہیں۔ اس کی ہستی زمانہ سے پیشتر، اس کا وجود عدم سے سابق، اس کی ہمیشگی نقطۂ آغاز سے بھی پہلے سے ہے۔ اس نے جو احساس و شعور کی قوتوں کو ایجاد کیا اسی سے معلوم ہوا کہ وہ خود حواس و آفات کا شعور نہیں رکھتا اور چیزوں میں ضدیت قرار دینے سے معلوم ہوا کہ اس کی ضد نہیں ہوسکتی اور چیزوں کو جو اس نے ایک دوسرے کے ساتھ رکھا ہے اسی سے معلوم ہوا کہ اس کا کوئی ساتھی نہیں۔ اس نے نور کو ظلمت کی، روشنی کو اندھیرے کی، خشکی کو تری کی اور گرمی کو سردی کی ضد قرار دیا ہے۔ وہ ایک دوسرے کی دشمن چیزوں کو ایک مرکز پر جمع کرنے والا، متضاد چیزوں کو ملانے والا، ایک دوسرے سے دور کی چیزوں کو باہم قریب لانے والا اور باہم پیوستہ چیزوں کو الگ الگ کرنے والا ہے۔ وہ کسی حد میں محدود نہیں اور نہ گنتے سے شمار میں آتا ہے۔ جسمانی اعتبار سے قوی افراد تو جسمانی ہی چیزوں کو گھیرا کرتے ہیں اور اپنے ہی ایسوں کی طرف اشارہ کرسکتے ہیں، انہیں لفظ مذ نے قدیم ہونے سے روک دیا ہے اور لفظ قد نے ہمیشگی سے منع کردیا ہے اور لفظ لولا نے کمال سے ہٹادیا ہے۔ انہی اعضا و جوارح اور حواس و مشاعر کے ذریعہ ان کا موجد عقلوں کے سامنے جلوہ گر ہو اور انہی کے تقاضوں کے سبب سے آنکھوں کے مشاہدہ سے بری ہوگیا ہے۔ حرکت و سکون اس پر طاری نہیں ہوسکتے۔ بھلا جو چیز اس نے مخلوقات پر طاری کی ہو وہ اس پر کیونکر طاری ہوسکتی ہے اور جو چیز پہلے پہل اسی نے پیدا کی ہے وہ اس کی طرف کیونکر عائد ہوسکتا ہے اور جس چیز کو پیدا کیا ہو وہ اس میں کیونکر پیدا ہوسکتی ہے۔ اگر ایسا ہوا تو اس کی ذات تغیر پذیر قرار پائے گی۔ اس کی ہستی قابل تجزیہ ٹھہرے گی اور اس کی حقیقت ہمیشگی و دوام سے علیحدہ ہوجائے گی۔ اگر اس کے لئے سامنے کی جہت ہوتی تو پیچھے کی سمت بھی ہوتی اور اگر اس میں کمی آتی تو وہ اس کی تکمیل کا محتاج ہوتا اور اس صورت میں اس کے اندر مخلوق کی علامتیں آجاتیں اور جب کہ ساری چیزیں اس کی ہستی کی دلیل تھیں اس صورت میں وہ خود کسی خالق کے وجود کی دلیل بن جاتا حالانکہ وہ اس امر مسلمہ کی رو سے کہ اس میں مخلوق کی صفتوں میں سے ہونا ممنوع ہے اس سے بری ہے کہ اس میں وہ چیز اثر انداز ہو جو ممکنات میں اثر انداز ہوتی ہے۔ وہ اولٹا بدلتا نہیں نہ زوال پذیر ہوتا ہے، نہ غروب ہونا اس کے لئے روا ہے۔ اس کی کوئی اولاد نہیں اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے ورنہ محدود ہوکر رہ جائے گا، وہ آل اولاد رکھنے سے بالاتر اور عورتوں کو چھونے سے پاک ہے۔ تصورات اسے پا نہیں سکتے کہ اس کا اندازہ ٹھہرالیں اور

عقلیں اس کا تصور نہیں کرسکتیں کہ اس کی کوئی صورت مقرر کرلیں۔ حواس اس کا ادراک نہیں کرسکتے کہ اسے محسوس کرلیں اور ہاتھ اس سے مس نہیں ہوتے کہ اسے چھولیں۔ وہ کسی حال میں بدلتا نہیں اور نہ مختلف حالتوں میں منتقل ہوتا رہتا ہے۔ نہ شب و روز اسے کہنہ کرتے ہیں، نہ روشنی و تاریکی اسے متغیر کرتی ہے۔ اس سے اجزاء، اعضا جوارح صفات میں سے کسی صفت اور ذات کے علاوہ کسی بھی چیز اور حصوں سے متصف نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے لئے کسی حد اور اختتام اور زوال پذیری اور انتہا کو کہا نہیں جاسکتا اور نہ یہ کہ چیزیں اس پر حاوی ہیں کہ خواہ اسے بلند کریں اور خواہ پست یا چیزیں اسے اٹھائے ہوئے ہیں کہ چاہے اسے ادھر ادھر موڑیں اور چاہے اسے سیدھا رکھیں۔ نہ وہ چیزوں کے اندر ہے اور نہ ان سے باہر۔ وہ خبر دیتا ہے بغیر زبان اور تالو جبڑے کی حرکت کے، وہ سنتا ہے بغیر کانوں کے سوراخوں اور آلات سماعت کے، وہ بات کرتا ہے بغیر تلفظ کے۔ وہ ہر چیز کو یاد رکھتا ہے بغیر یاد کرنے کی زحمت کے، وہ ارادہ کرتا ہے بغیر قلب اور ضمیر کے، وہ دوست رکھتا ہے اور خوشنود ہوتا ہے بغیر رقت طبع کے، وہ دشمن رکھتا ہے اور غضب ناک ہوتا ہے بغیر غم و غصہ کی تکلیف کے جسے پیدا کرنا چاہتا ہے، اسے ''ہوجا'' کہتا ہے جس سے وہ ہوجاتی ہے بغیر کسی ایسی آواز کے جو کان کے پردوں سے ٹکرائے اور بغیر ایسی صدا کے جو سنی جاسکے بلکہ اللہ سبحانہ کا کلام بس اس کا ایجاد کردہ فعل ہے اور اس طرح کا کلام پہلے سے موجود نہیں ہوسکتا اور اگر وہ قدیم ہوتا تو دوسرا خدا ہوتا۔ یہ نہیں کہا جاسکتا وہ عدم کے بعد وجود میں آیا ہے کہ اس پر حادث صفتیں منطبق ہونے لگیں اور اس میں اور مخلوق میں کوئی فرق نہ رہے اور نہ اسے اس پر کوئی فوقیت و برتری رہے کہ جس کے نتیجہ میں خالق و مخلوق ایک سطح پر آجائیں اور صانع و مصنوع برابر ہوجائیں، اس نے مخلوقات کو بغیر کسی ایسے نمونہ کے پیدا کیا کہ جو اس سے پہلے کسی دوسرے نے قائم کیا ہو اور اس کے بنانے میں اس نے مخلوقات میں سے کسی ایک سے بھی مدد نہیں چاہی۔ وہ زمین کو وجود میں لایا اور بغیر اس کام میں الجھتے ہوئے اسے برابر رد کے تھامے رہا اور بغیر کسی چیز پر ٹکائے ہوئے اسے برقرار کردیا اور بغیر ستونوں کے اس کو قائم اور بغیر کھمبوں کے اسے بلند کیا، کجی اور جھکاؤ سے اسے محفوظ کردیا اور ٹکڑے ہوکر گرنے اور پھیلنے سے اسے بچائے رہا۔ اس کے پہاڑوں کو میخوں کی طرح گاڑا اور چٹانوں کو مضبوطی سے نصب کیا، اس کے چشموں کو جاری اور پانی کی گذرگاہوں کو شگافتہ کیا۔ اس نے جو بنایا اس میں کوئی کمی نہ آئی اور جسے مضبوط کیا اس میں کمزوری نہیں پیدا ہوئی۔ وہ اپنی عظمت و شاہی کے ساتھ زمین پر غالب، علم و

دانائی کی بدولت اس کے اندرونی رازوں سے واقف اور اپنے جلال وعزت کے سبب اس کی ہر چیز پر چھایا ہوا ہے۔ وہ جس چیز کا اس سے خواہاں ہوتا ہے وہ اس کے دسترس سے باہر نہیں ہوسکتی اور نہ اس سے روگردانی کرکے اس پر غالب آسکتی ہے اور نہ کوئی تیز رو اس کے قبضہ سے نکل سکتا ہے کہ اس سے بڑھ جائے اور نہ وہ کسی مال دار کا محتاج ہے کہ وہ اسے روزی دے۔ تمام چیزیں اس کے سامنے عاجز اور اس کی بزرگی وعظمت کے آگے ذلیل وخوار ہیں۔ اس کے سلطنت کی وسعتوں سے نکل کر کسی اور طرف بھاگ جانے کی ہمت نہیں رکھتیں کہ اس کے جود وعطا سے بے نیاز اور اس کے گرفت سے اپنے کو محفوظ سمجھ لیں۔ نہ اس کا کوئی ہمسر ہے جو اس کے برابر اتر سکے نہ اس کا کوئی مثل ونظیر ہے جو اس سے برابری کرسکے۔ وہی ان چیزوں کو وجود کے بعد فنا کرنے والا ہے یہاں تک کہ موجودہ چیزوں کی طرح ہوجائیں جو کبھی تھیں ہی نہیں اور یہ دنیا کو پیدا کرنے کے بعد نیست و نابود کرنا اس کی شروع شروع وجود میں لانے سے زیادہ تعجب خیز اور دشوار نہیں اور کیوں کر ایسا ہوسکتا ہے جب کہ تمام حیوان وہ پرندے ہوں یا چوپائے رات کو گھروں کی طرف پلٹ کر آنے والے ہوں یا چراگاہوں میں چرنے والے جس نوع کے بھی ہوں اور جس قسم کے ہوں وہ اور تمام آدمی کو دن وغیرہ صنف سے ہوں یا زیرک و ہوشیار سب مل کر اگر ایک مچھر کو پیدا کرنا چاہیں تو وہ اس کے پیدا کرنے پر قادر نہ ہوں گے اور نہ یہ جان سکیں گے کہ اس کے پیدا کرنے کی کیا صورت ہے اور اس جاننے کے سلسلہ میں ان کی عقلیں حیران وسرگرداں اور قوتیں عاجز و درماندہ ہوجائیں گی اور یہ جانتے ہوئے کہ وہ شکست خوردہ ہیں اور یہ اقرار کرتے ہوئے کہ وہ اس کی ایجاد سے درماندہ ہیں اور یہ اعتراف کرتے ہوئے کہ وہ اس کے فنا کرنے سے بھی عاجز ہیں خستہ و نامراد ہوکر پلٹ آئیں گے۔

بلاشبہ اللہ سبحانہ دنیا کے مٹ مٹا جانے کے بعد ایک اکیلا ہوگا کوئی چیز اس کے ساتھ نہ ہوگی جس طرح کہ دنیا کی ایجاد و آفرینش سے پہلے تھا۔ یونہی اس کے فنا ہوجانے کے بعد بغیر وقت ومکان اور ہنگام و زمان کے ہوگا اس وقت مدتیں اور اوقات سال اور گھڑیاں سب نابود ہوں گی سوائے اس خدائے واحد وقہار کے جس کی طرف تمام چیزوں کی بازگشت ہے، کوئی چیز باقی نہ رہے گی۔ ان کی آفرینش کی ابتدا ان کے اختیار وقدرت سے باہر تھی اور ان کا فنا ہونا بھی ان کی روک ٹوک کے بغیر ہوگا۔ اگر ان کو انکار پر قدرت ہوتی تو ان کی زندگی بقا سے ہمکنار رہوتی۔ جب اس نے کسی چیز کو بنایا تو اس کے بنانے میں اسے کوئی دشواری پیش نہیں آئی اور نہ جس چیز کو اس نے خلق و ایجاد کیا اس کی

آفرینش نے اسے خستہ و درماندہ کیا۔ اس نے اپنی سلطنت کی بنیادوں کو استوار کرنے اور مملکت کے زوال اور عزت کے انحطاط کے خطرات سے بچنے اور کسی جمع جتھے والے حریف کے خلاف مدد حاصل کرنے اور کسی حملہ آور غنیم سے محفوظ رہنے اور ملک و سلطنت کا دائرہ بڑھانے اور کسی شریک کے مقابلہ میں اپنی کثرت پر اترانے کے لئے ان چیزوں کو پیدا نہیں کیا اور نہ اس لئے کہ اس نے تنہائی کی وحشت سے گھبرا کر یہ چاہا ہو کہ ان چیزوں سے جی لگائے۔ پھر وہ ان چیزوں کو بنانے کے بعد فنا کردے گا اس لئے نہیں کہ ان میں رد و بدل کرنے اور ان کی دیکھ بھال رکھنے سے دل تنگی لاحق ہوئی ہو اور نہ اس آسودگی و راحت کے خیال سے کہ جو اسے حاصل ہونے کی توقع ہو اور نہ اس وجہ سے کہ ان میں سے کسی چیز کا اس پر بوجھ ہو۔ اسے ان چیزوں کی طول طویل بقا آزردہ و دل تنگ نہیں بناتی کہ انہیں جلدی سے فنا کردینے کی اسے دعوت دے بلکہ اللہ سبحانہ نے اپنے لطف و کرم سے ان کا بند وبست کیا ہے اور اپنے فرمان سے ان کی روح تھام کر رکھی ہے اور اپنی قدرت سے ان کو مضبوط بنایا ہے۔ پھر وہ ان چیزوں کو فنا کے بعد پلٹائے گا۔ اس لئے نہیں کہ ان میں سے کسی چیز کی اسے احتیاج ہے اور ان کی مدد کا خواہاں ہے اور نہ تنہائی کی الجھن سے منتقل ہو کر دل بستگی کی حالت پیدا کرنے کے لئے اور جہالت و بے بصیرتی کی حالت سے واقفیت اور تجربات کی دنیا میں آنے کے لئے اور فقر و احتیاج سے دولت و فراوانی اور ذلت و پستی سے عزت و توانائی کی طرف منتقل ہونے کے لئے ان کو دوبارہ پیدا کرتا ہے[1]

تمام تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے اپنی فرمانروائی و جلال کبرائی کے آثار کو نمایاں کرکے اپنی قدرت کی عجیب و غریب نقش آرائیوں سے آنکھ کی پتلیوں کو محو حیرت کردیا ہے اور انسانی واہموں کو اپنی صفتوں کی تہ تک پہنچنے سے روک دیا ہے۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ایسا اقرار جو سراپا ایمان، یقین و اخلاص اور فرمانبرداری ہے۔

اے خدا کے بندو! اس بات کو جانے رہو کہ اس نے تم کو بیکار پیدا نہیں کیا اور نہ یونہی کھلے بندوں چھوڑ دیا ہے۔ جو نعمتیں اس نے تمہیں دی ہیں ان کی مقدار سے آگاہ اور جو احسانات تم پر کئے ہیں اس کا شمار جانتا ہے۔ اس سے فتح و کامرانی اور حاجت روائی چاہو، اس کے سامنے دست طلب پھیلاؤ، اس سے بخشش و عطا کی بھیک مانگو، تمہارے اور اس کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہے اور نہ

۱۔ خطبہ ۱۸۴، ص ۳۶۹

تمہارے لئے اس کا دروازہ بند ہے۔ وہ ہر جگہ اور ہر ساعت و ہر آن اور ہر جن و انسان کے ساتھ موجود ہے۔ نہ جود و سخا سے اس میں رخنہ پڑتا ہے نہ داد و دہش سے اس کے یہاں کمی ہوتی ہے۔ نہ مانگنے والے اس کے خزانوں کو ختم کر سکتے ہیں نہ بخشش و فیضان اس کی نعمتوں کو انتہا تک پہنچا سکتا ہے۔ نہ ایک طرف التفات دوسروں سے اس کی توجہ کو موڑ سکتا ہے اور نہ ایک آواز میں محویت دوسری آواز سے اسے بے خبر بناتی ہے۔ نہ اسے بیک وقت ایک نعمت کا دینا دوسری نعمت کے چھین لینے سے مانع ہوتا ہے اور نہ غضب کے شرارے رحمت کے فیضان سے اسے روکتے ہیں اور نہ لطف و کرم اسے تنبیہ و عقاب سے غافل کرتا ہے۔ اس کی ذات کی پوشیدگی اس کے آثار کی جلوہ پاشیوں پر نقاب نہیں ڈالتی اور نہ آثار کی جلوہ طرازیاں اس کی ذات کی پوشیدگی کو الگ کر سکتی ہے۔ وہ قریب پھر بھی دور ہے اور بلند مگر نزدیک ہے، وہ ظاہر مگر اسی کے ساتھ باطن، وہ پوشیدہ مگر آشکارا ہے۔ وہ جزا دیتا ہے مگر اسے جزا نہیں دی جا سکتی۔ اس نے خلقت کائنات کو سوچ سوچ کر ایجاد نہیں کیا اور نہ تکان کی وجہ سے ان سے مدد لینے کا محتاج ہے۔ اے اللہ کے بندو! میں تمہیں خوف خدا کی نصیحت کرتا ہوں کیونکہ یہ سعادت کی باگ ڈور اور دین کا مضبوط سہارا ہے۔ اس کے بندھنوں سے وابستہ رہو، اس کی حقیقت کو مضبوطی سے پکڑو کہ یہ تمہیں آسائش کی جگہوں آسودگی کے گھروں حفاظت کے قلعوں اور عزت کی منزلوں میں پہنچائے گا اور اس دن آنکھیں خوف کی وجہ سے پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہوگا اس دن مہینے کی گابھن اونٹنیاں بیکار کر دی جائیں گی۔ اور صور پھونکا جائے گا تو ہر جان بدن سے نکل جائے گی۔ زبانیں گونگی ہو جائیں گی اور بلند پہاڑ اور مضبوط چٹانیں ریزہ ریزہ ہو جائیں گے اور سخت پتھر آپس میں ٹکرا ٹکرا کر چکتے ہوئے سراب کی طرح ہو جائیں گے۔ جہاں آبادیاں اور فلک بوس عمارتیں تھیں وہ جگہیں ہموار میدان کی صورت میں تبدیل ہو جائیں گی۔ اس موقع پر نہ کوئی سفارش کرنے والا ہوگا جو سفارش کرے، نہ کوئی عزیز ہوگا جو اس عذاب کی روک تھام کرے نہ عذر و معذرت پیش کی جا سکے گی کہ کچھ فائدہ بخشے۔[1]

اللہ سبحانہ کی ایک زور فرمانروائی اور عجیب و غریب صنعت کی لطیف نقش آرائی یہ ہے کہ اس نے ایک اتھاہ دریا کے پانی سے جس کی سطحیں تہ بہ تہ اور موجیں تھپیڑے مار رہی تھیں، ایک خشک و بے حرکت زمین کو پیدا کیا پھر یہ کہ اس نے پانی کے بخار کی تہوں پر تہیں چڑھا دیں جو آپس میں ملی ہوئی

۱- خطبہ ۱۸۳، ص ۵۲۳

تھیں اور انہیں الگ الگ کر کے سات آسمان بنائے جو اس کے حکم سے تھمے ہوئے اور اپنے مرکز پر ٹھہرے ہوئے ہیں اور زمین کو اس طرح قائم کیا کہ اسے ایک نیلگوں گہرے اور فرمان الٰہی کے حدود میں گھرا ہوا دریا اٹھائے ہوئے ہے جو اس کے حکم کے آگے بے بس اور اس کی ہیبت کے سامنے سرنگوں ہے اور اس کے خوف سے اس کی روانی تھمی ہوئی ہے اور ٹھوس چکنے پتھروں، ٹیلوں اور پہاڑوں کو پیدا کیا اور ان کو ان کی جگہوں پر نصب اور ان کی قرار گاہوں میں قائم کیا۔ چنانچہ ان کی چوٹیاں فضا کو چیرتی ہوئی نکل گئی ہیں اور بنیادیں پانی میں گڑی ہوئی ہیں۔ اس طرح اس نے پہاڑوں کو پست اور ہموار زمین سی بلند کیا اور ان کی بنیادوں کو ان کے پھیلاؤ اور ان کے ٹھہراؤ کی جگہوں میں زمین کے اندر اُتار دیا۔ ان کی چوٹیوں کو فلک بوس اور بلندیوں کو آسمان پیما بنا دیا اور انہیں زمین کے لئے ستون قرار دیا اور میخوں کی صورت میں انہیں گاڑا، چنانچہ وہ ہچکولے کھانے کے بعد تھم گئی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اپنے رہنے والوں کو لے کر جھک پڑے یا اپنے بوجھ کی وجہ سے دھنس جائے یا اپنی جگہ چھوڑ دے۔

پاک ہے وہ ذات کہ جس نے پانی کی طغیانیوں کے بعد زمین کو تھام رکھا اور اس کے اطراف و جوانب کو تر بتر ہونے کے بعد خشک کیا اور اس سے اپنی مخلوقات کے لئے گہوارۂ استراحت بنایا اور ایک ایسے گہرے دریا کی سطح پر اس کے لئے فرش بچھایا جو تھما ہوا ہے بہتا نہیں اور رکا ہوا ہے جنبش نہیں کرتا۔ جسے تند ہوائیں ادھر سے ادھر ڈھکیلتی رہتی ہیں، اور برسنے والے بادل اسے متھ کر پانی کھینچتے رہتے ہیں، بے شک ان چیزوں میں سرد سامان عبرت ہے اس شخص کے لئے جو اللہ سے ڈرے۔[1]

تمام حمد اس اللہ کے لئے ہے جو مخلوقات کی مشابہت سے بلند تر، توصیف کرنے والوں کے تعریفی کلمات سے بالاتر، اپنے عجیب و غریب نظم و نسق کی بدولت دیکھنے والوں کے سامنے آشکارا اور جلال عظمت کی وجہ سے وہم و گمان دوڑانے والوں کے فکر و ادہام سے پوشیدہ ہے۔ وہ عالم ہے بغیر اس کے کہ کسی سے کچھ سیکھے یا علم میں اضافہ اور کہیں سے استفادہ کرے اور بغیر فکر و تامل کے ہر چیز کا اندازہ مقرر کرنے والا ہے۔ نہ اسے تاریکیاں ڈھانپتی ہیں نہ وہ روشنیوں سے کسب ضیا کرتا ہے نہ رات اسے گھیرتی ہے نہ دن کی گردشوں کا اس پر گذر ہوتا ہے اور اس کا جاننا بوجھنا آنکھوں کے ذریعہ سے نہیں اور نہ اس کا علم دوسروں کے بتانے پر منحصر ہے۔[2]

۱- خطبہ ۲۰۹، ص ۵۶۰ ۲- خطبہ ۲۱۱، ص ۵۶۲

خداوند عالم نے ایمان کا فریضہ عائد کیا شرک کی آلودگیوں سے پاک کرنے کے لئے، نماز کو فرض کیا رعونت سے بچانے کے لئے، اور زکوۃ کو رزق میں اضافہ کا سبب بنانے کے لئے، اور روزہ کو مخلوق کے اخلاص کو آزمانے کے لئے، اور حج کو دین کی تقویت پہنچانے کے لئے، جہاد کو اسلام کو سرفرازی بخشنے کے لئے، اور امر بالمعروف کو اصلاح خلائق کے لئے اور نہی عن المنکر کو سرپھروں کی روک تھام کے لئے، اور حقوق قرابت کے ادا کرنے کو یار و انصار کی گنتی بڑھانے کے لئے اور قصاص کو خونریزی کے انسداد کے لئے اور حدود شرعیہ کے اجرا کو محرمات کی اہمیت قائم کرنے کے لئے اور شراب خوری کے ترک کو عقل کی حفاظت کے لئے اور چوری سے پرہیز کو پاک بازی کا باعث ہونے کے لئے زنا کو بدی سے بچنے اور نسب کے محفوظ رکھنے کی لئے اور اغلام کے ترک کو نسل کے بڑھانے کے لئے اور گواہی کو انکار حقوق کے مقابلہ میں ثبوت مہیا کرنے کے لئے اور جھوٹ سے علیحدگی کو سچائی کا شرف آشکارا کرنے کے لئے اور قیام امن کو خطروں سے تحفظ فراہم کرنے کے لئے اور امانتوں کی حفاظت کو امت کا نظام درست رکھنے کے لئے اور اطاعت کو امامت کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے۔[1]

قارئین کرام کے لئے حضرت علیؑ کی اس عظیم کتاب نہج البلاغہ سے، جو ان کے مشروح خطبات، جلی مکتوبات، ارزشمند حکم و نصائح موعظات اور کلمات قصار پر مشتمل ہے، توحید شناسی اور الٰہیات سے متعلق ان کے چند خطبوں سے اقتباسات پیش کئے گئے تاکہ اس دور خدا ناشناسی و عدم معرفت معبود میں الٰہ شناسی کے لئے ایک مضبوط اور وسیع بنیاد فراہم ہو سکے۔ یہی بنیاد دین اسلام کی ابتدائی منزل اور اس کی پہلی سیڑھی ہے اور جب تک یہ طے نہ ہوگی ہم شرف انسانی، اخوت اسلامی، دین شناسی اور اخلاقیات کے مراحل کو ہرگز طے کرنے کے قابل نہ ہو پائیں گے کیونکہ بقول معروف "اول العلم معرفة الجبار" یعنی ہر علم سے پہلے خدائے قدوس و جبار کی معرفت کا علم ہے جس کا حاصل کرنا واجب اور ناگزیر ہے اور یہی علم تمام علوم کا مقدمہ اور ان کی ابتدا ہے۔ ان خطبوں سے خدا کے برگزیدہ بندے اور امام مبین کی طرف سے خداشناسی کا ایک عظیم دروازہ سائلین و محصلین علم الٰہیات کے لئے کھول دیا گیا ہے جو رہتی دنیا تک الٰہ شناسی کی پیاسی دنیا کو سیراب کرتا رہے گا اور باب مدینۃ العلم کی علمی موشگافیوں پر مشتمل ممتاز کارناموں کے طور پر آسمان علم و دانش پر مثل آفتاب

۱- خطبہ ۲۵۱، ص ۸۴۳

تابندہ رہے گا۔

آخر میں ہم خداشناسی سے متعلق سید الشہداء حضرت امام حسینؑ کے ان معرفت بھرے کلمات کے ساتھ گفتگو کو ختم کرتے ہیں کہ "ان یکون لغیرک من الظھور مالیس لک یعنی اے اللہ آیا کوئی تجھ سے ظاہر تر ہے کہ میں تیرے لئے بطور دلیل پیش کروں؟! دوسری عبارت میں زیادہ واضح انداز سے کہا جاسکتا ہے کہ میرے مالک وخالق! کائنات میں تجھ سے زیادہ واضح وظاہر چیز موجود نہیں جس کو تیرے ظہور کی دلیل قرار دیا جاسکے بلکہ تیری ذات اظہر ہے۔

۱- حسینؑ شناسی، استاد شہید مطہری، ص ۱۲۷

نہج البلاغہ

دستورِ حیات و اقدارِ بشریت کا سرچشمہ

پروفیسر سید اطہر رضا بلگرامی

انسانی فکر و کاوش ازل سے ایک ایسے نظامِ حیات کی تلاش میں سرگرداں ہے جو انسانیت کے فروغ اور اجتماعی زندگی کے لئے صالح، متوازن اور موزوں ہو۔ انسان ایسے نظام کی جستجو میں اس وقت بھی تھا جب معاشرہ چند نفوس کی آبادی تک محدود تھا اور زندگی چند عوامل پر بسر ہو رہی تھی اور عصر حاضر کے باہوش، باخبر و باعمل تیز رو ترقی یافتہ انسان کو بھی ہے جو آج تسخیرِ کائنات کا حوصلہ رکھتا ہے اور پُر اعتمادی سے اپنے رب سے سوال کرتا ہے۔

ہے کہاں تمنا کا دوسرا قدم یارب
ہم نے دشتِ امکاں کو ایک نقشِ پا پایا

غالب

لیکن ایسا پُر اعتماد انسان جو تسخیرِ کائنات کا حوصلہ رکھے اور "دشتِ امکاں" کو "ایک نقشِ پا" سمجھے کتنا مجبور و بے بس ہے کہ ایک پر امن و پروقار نظامِ حیات کو تشکیل دینے سے آج تک قاصر ہے۔ اس نے سابق تجربات کی روشنی میں جہدِ پیہم اور مسلسل رد و بدل کے عمل سے ایک غیر مستحکم و غیر یقینی سی طرزِ زندگی تو حاصل کر لی لیکن نہ کوئی مستحکم دستورِ حیات مرتب کر سکا اور نتیجتاً نہ اقدارِ حیات کو فروغ دے سکا اور نہ ہی ان کا تحفظ کر سکا۔ اس کی تمام تر ترقی تنزلی، کا پیش خیمہ بنی رہی۔ حضرت علیؑ کا کلام نہج البلاغہ کی شکل میں آج دنیا کے سامنے بھٹکی ہوئی انسانی فکر اور شکست خوردگیوں و محرومیوں میں گھری انسانیت کی آخری پناہ گاہ ہے جہاں خطبات، خطوط، وصیتیں، نصیحتیں حکم و مواعظ اور اقوالِ انسان کے ذہنی انتشار کو سکون بخشتے ہیں اور تنبیہ، ہدایت و انتباہ کے حصار میں صراطِ مستقیم کی رہنمائی کرتے ہیں۔

میں نہ اس کی جرأت کرسکتا ہوں اور نہ اس کا اہل ہوں کہ ایسے گراں پایہ صحیفہ کی جزئیات کو اپنے موضوع کی تشریح کا ذریعہ بنا کر یہ دعویٰ کروں کہ میں نے ان میں پوشیدہ معنی و مطالب کے خزانوں کو واضح کردیا ہے۔ میری کوتاہ عقل و فہم نے جس حد تک میرا ساتھ دیا میں اسی محدود دائرے میں جزئیات میں بیان کردہ دستورِ حیات و اقدار بشریت کی نشان دہی کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔ یہ مضمون دو حصوں میں تقسیم ہے۔ پہلے حصہ میں دنیا کے مروّجہ نظام حیات و اقدار بشریت پر روشنی ڈالی گئی ہے اور دوسرے حصہ میں اسلام و نہج البلاغہ کی روشنی میں حیات انسانی کے دستور و اقدار کی تشریح کی گئی ہے۔

میں گفتگو کا آغاز انسان کی تعریف سے کر رہا ہوں۔ اس حقیقت کو مسلمہ طور پر تسلیم کیا گیا ہے کہ انسان جزوِ کائنات ہے اور مادہ یعنی جسم و روح کا مرکب ہے۔ جزوِ کائنات ہونے کا مطلب صرف یہ نہیں ہے کہ جو کچھ کائنات میں ہے وہ سب کچھ انسان میں بھی ہے بلکہ شریکِ کائنات ہونے کا مطلب یہ بھی ہے کہ اس کے اجزاء و عناصر کے آپسی ربط و ضبط میں جو تناسب و توازن پایا جاتا ہے وہی نظم و ضبط اور توازن انسان کے اجزاء و عناصر میں ملتا ہے۔ انسان کائنات کا جز ہے تو کائنات کی ہر خصوصیت اس میں سموئی ہوئی ہے۔ تا ابد انسان اپنی عقل و فہم کے مطابق جو بھی انکشافات کرتا رہے گا، خواہ وہ انکشافات کسی میدان کے ہوں، کائنات کے عناصر سے ہٹ کر نہیں کرسکتا۔

انسان مادہ یعنی جسم اور روح کا مرکب ہے۔ اس لئے دونوں کی توانائی و حیات کے لئے مادی و روحانی وسائل چاہئے جن کے بغیر ان کا فعال بنا رہنا ممکن نہیں۔ اگر انسانی جسم اور اس کے اعضاء و جوارح کا تقاضہ ہے کہ اچھی غذا، صحت مند ماحول، پانی، رہائش، موسم کے اعتبار سے آرام دہ کپڑے وغیرہ جیسے مادی وسائل دستیاب رہیں تو روح کی تازگی، بالیدگی و صحتمندی کا تقاضہ ہے کہ انسان بلند کردار و اخلاق، منصفانہ فکر و عمل، جائز و ناجائز کی تمیز، صبر و قناعت جیسے جوہروں سے مزین رہے۔ انسان میں یہ مادی و روحانی دونوں عناصر لازم و ملزوم ہیں۔ جسم کا تصور بغیر روح کے ممکن نہیں اور روح کے فعال ہونے کے لئے ایک جسم چاہئے۔ ان دونوں کے متوازن رہنے میں ہی حیاتِ انسانی کو بلند درجات عطا ہوتے ہیں۔ مزید، انسان کے روحانی جوہر وہ ہیں جو اس کے مادی تقاضوں کی پاسبانی کرتے ہیں۔ جب کبھی انسان نے نفسانی و مادی ضرورتوں کی حدوں کو پار کیا تو احساس گناہ، ضمیر کی ملامت، شرمندگی، پچھتاوا، صدمہ، افسوس جیسے جذبات و احساسات نے اس کو راہِ راست کی

طرف پلٹا دیا۔ جب تک انسان کی نفسانی و مادی خواہشات روح کی اس نگہبانی کو قبول کرتی رہتی ہیں جسم و روح کا توازن باقی رہتا ہے یہی توازن صحت مند انسانی معاشرہ کا ضامن ہوتا ہے جہاں تمام بشریت کی اعلیٰ قدریں فروغ پاتی رہتی ہیں۔ لیکن جب انسان کی نفسانی و مادی خواہشات کی سرکشی روح پر حاوی ہوکر اس کو اتنا آلودہ کردے کہ انسان نہ اپنے ضمیر کی آواز سنے، نہ اس کو شرمندگی و پچھتاوے کا احساس ہو، نہ اس میں احساس گناہ باقی رہے، نہ کوئی جذبۂ رحم و انصاف ابھرے تو روح کی یہی مُردنی معاشرے کے عدم توازن اور اقدار بشریت کی پامالی کا سبب بن جاتی ہے۔

اسلام ایک دین فطرت ہونے کی وجہ سے انسان کے مادی و روحانی تقاضوں کو فطری تسلیم کرتا ہے اور صحت مند انسانی معاشرے کی تشکیل و اقدار بشریت کے فروغ کے لئے ان دونوں کے توازن پر سب سے زیادہ زور دیتا ہے، اس کی نگاہ میں صحت مند جسم کے لئے مادی وسائل کی دستیابی و تصرف نہ صرف ناگزیر بلکہ فطری ہے جس کو پورا کرنا مذہبی فریضہ کا درجہ رکھتا ہے۔ لیکن اسلام ان کو آزاد نہیں چھوڑتا بلکہ روح کی مکمل سرکردگی اور پاسبانی میں رکھنے کی ہدایت کرتا ہے۔ اور یہ اس لئے کہ انسان کے مادی وجود کی دو خصوصیات جن کو ہم کمزوریاں کہہ سکتے ہیں ایسی فطری مستحکم و بنیادیں ہیں جن کو نہ دبایا جاسکتا ہے اور نہ فنا کیا جاسکتا ہے۔ ہاں تعلیم و تربیت و ترغیب کے ذریعہ رام کیا جاسکتا ہے۔ ان کو اگر روح کی نگہداشت و سرپرستی سے آزاد کردیا جائے تو اقدار بشریت یقیناً پامال ہوں گے اور انسانی معاشرہ امن و سکون سے محروم رہے گا۔ روح کی پاسبانی ان میں نظم و ضبط و اعتدال و شائستگی قایم رکھتی ہے۔

اوّل، انسان لامتناہی خواہشات و تمناؤں کا پلندہ ہے جس کا سلسلہ پہلی سے آخری سانس تک کسی لمحے ختم نہیں ہوتا۔ ان میں ایسی شدت پائی جاتی ہے کہ بقول غالبؔ ہر خواہش پہ دم نکلتا ہے اور بہت کچھ حاصل ہونے پر بھی یہی احساس رہتا ہے کہ ابھی ارمان کم نکلے ہیں۔ نتیجتاً وہ طمع، حرص، حسد، نفرت، توہم پرستی اور ہوس جیسے رُجحانات کا شکار بنتا ہے۔ دوم، انسان خودغرض بھی ہے۔ اس کے ''حبِ نفس'' کا جذبہ اپنی ذات کی تسکین میں ہی محصور رکھتا ہے اور نتیجہ میں ذخیرہ اندوزی، جمع خوری، منافع خوری، شقاوت، بے رحمی، بے حسی، جیسے رجحانات کی طرف مائل ہوتا ہے اور غیر منصفانہ نظام تقسیم میں ہی سکون کا احساس کرتا ہے۔

اس پس منظر میں اگر دنیا کے مروّجہ نظام حیات کا تجزیہ کیا جائے تو یہ واضح ہوجاتا ہے کہ سبھی

نظام انسان میں پائی جانے والی انہیں دو کمزوریوں پر ٹکے ہیں۔ سرمایہ دارانہ نظامِ حیات انسان کی لامتناہی خواہشات کو زیادہ سے زیادہ ہوا دیتا نظر آتا ہے کیونکہ ان کے مسلسل پھیلاؤ میں اس کو اپنے نظام کا استحکام قوی تر ہوتا نظر آتا ہے۔ انسان کی خودغرضیوں کو بھی اس نظام میں خوب توانائی ملتی ہے۔ انسان کے جذبۂ آزادی کو بے لگام بنایا گیا تاکہ وہ حسب استعداد دولت و ثروت سمیٹتا رہے انسانوں کے جسمانی، ذہنی، نفسانی، طبعی، معاشرتی تفریق سے منھ موڑ کر، ان کو پسِ پشت ڈال کر معاشرے کو عدم مساوات و استحصال کے کبھی نہ ٹوٹنے والے حصار میں جکڑتے رہنے کے لئے چھوڑ دے۔ ایسے نظام میں دولت مند و با اقتدار افراد کے اندر بے رحمی، شقاوت، بے حسی، رعونت جیسے جذبات کا ابھرنا فطری ہے کیونکہ یہی اس کی خودغرضیوں کے محافظ بنتے ہیں۔ اس کا نتیجہ اخلاقی پستیوں کی شکل میں سامنے ہے۔

ایسے معاشرے میں پرورش پانے والا انسان اپنے سے کم تر طبقہ کو حقیر و ذلیل اور اپنے کو صاحب عزت و احترام سمجھتا ہے۔ وہ اپنے ہم عصروں کو اپنے مدِ مقابل ہوتے دیکھ کر ان کو پیچھے ڈھکیلنے کا کوئی حربہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔ بزرگ والدین کی خدمت واطاعت کو تضیع اوقات سمجھتا ہے کیونکہ وہ اب اس سسٹم کے کارآمد پُرزے نہیں رہے جس پر وقت و سرمایہ کھپایا جائے۔ بچوں کی سرپرستی و نگہداشت کو بھی وقت کی بربادی گردانتا ہے اور اس کے لئے خصوصی ماہرین یا اداروں کا سہارا لے کر اس فرض کی ادائیگی سے مطمئن ہوجاتا ہے۔ ایسے ماحول کا پروردہ انسان ذہنی، معاشرتی و اخلاقی اعتبار سے اس قدر پستی کا شکار ہوجاتا ہے کہ لاچاری وغربت میں ساہوکار کے ذریعہ دئے گئے ادھار روپیہ کو اعلیٰ انسانی خدمت قرار دیتا ہے۔ اس کی ناآسودہ زندگی خوداری کا گلا گھونٹ کر احسان مندی کے بوجھ تلے دبے رہنے کی خوگر ہوجاتی ہے۔ وہ ساہوکار کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتا ہے کہ وہ برے وقت کام آیا اور وقت مقررہ پر رقم واپس کردینے پر اگر ساہوکار بطور ستائش سود کے چند روپیہ معاف کردے تو اس کے اس فعل کو عظیم کارِ خیر سمجھنے لگتا ہے۔ اس نظام میں اقدار انسانی کی پستی کا یہ عالم ہے کہ اگر کوئی سود کی رقم واپس نہ کرسکے تو وہ سماج کا سب سے بڑا مجرم لیکن ساہوکار سود کی رقم کھاکر غریب کا تاحیات استحصال کرتا رہے، صاحبِ اقتدار کمزوروں کی کاوشوں و محنت کو ناقدری کی نگاہ سے دیکھتے رہیں، لاچار و بے بس انسانوں کو معاشرے کا ناکارہ پرزہ سمجھا جاتا رہے تو یہ کوئی جرم نہیں۔

اس نظامِ معاشرت کی عمارت، کامل آزادی، انفرادی ملکیت اور دولت و ثروت و سرمایہ کی سطح پر ٹکی

ہے۔ اس کی فکر یہ بتلاتی ہے کہ انسان فطری طور پر آزاد پیدا ہوا ہے تو پھر اجتماعی طور پر بھی آزاد رہنا چاہئے۔ حکومت کو اس آزادی میں نہ مداخلت کرنی چاہئے اور نہ اس راہ میں سدِ راہ ہونے کا حق ہونا چاہئے۔ جب سماج میں ہر فرد کو حسب خواہش اور حسب استعداد کام کرنے کی آزادی ہوگی تو پورا سماج سرگرم عمل ملے گا اور اس طرح ''انفرادی آزادی''، اجتماعی خوشحالی کا وسیلہ بن جائے گی۔ فرد کی آزادی اور اس کے انتخاب روزگار میں کوئی برائی نظر نہیں آتی۔ لیکن ایک اہم نکتہ کو قطعی نظر انداز کر دیا گیا اور وہ یہ کہ انسان انفرادی طور پر تو یقیناً آزاد پیدا ہوا ہے لیکن اجتماعی طور پر نہیں۔ اجتماعی معاملات میں ہر شخص کو دوسرے کے حقوق کا لحاظ رکھنا پڑے گا تاکہ دوسرے کے حقوق کا تحفظ خود اس کے حقوق کے تحفظ کا ذریعہ بنے۔ اس طرح گویا ہر فرد پر دوسرے کی زندگی کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ سرمایہ دارانہ طرزِ فکر میں آزادی کا جو تصور ہے اس سے مادی نشاط و ذرائع پیداوار میں وسعت تو ممکن ہے لیکن اس کو عوام تک پہنچانے کی ضمانت نہیں ملتی۔

اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ معاشرے کے افراد، اعضاء و جوارح، جذبات و احساسات اور طبیعت و مزاج، ذہنی سطح کے اعتبار سے مساوی نہیں ہوتے۔ ان میں چاق و چوبند، سست و کاہل، مہم جو و محتاط، ضعیف و لاغر، عقل مند و کند ذہن بھی ہوتے ہیں۔ نتیجتاً سب کی صلاحیتیں برابر نہیں ہوسکتیں۔ لیکن خواہشات و تمناؤں اور خودغرضی کا جذبہ ہر فرد میں موجود ہوتا ہے۔ بغیر اس تفریق کا لحاظ کیے آزادی مساوات کی پامالی کا سبب بنے گی۔ یہاں آزادی جس فطری نظام کے تحت فلاح و مساوات کا تصور پیش کر رہی ہے وہ دراصل ایک مخصوص زاویہ فکر کی تبلیغ کے آلہ کار کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اس نظام کے بینکنگ سسٹم، فرسودہ نظامِ سود سے ہٹ کر خالص فلاحی سسٹم میں تبدیل ہو چکا ہے۔ جہاں استحصال کا کوئی تصور نہیں ہے لیکن پھر بھی کیا یہ نظام ہماری مادّی خواہشات کو ہوا دیتا، ان کو ترغیب دیتا نہیں ملتا جہاں صاحب دولت و ثروت کو مزید دولت سمیٹنے کا بھرپور موقع ملتا ہے اور نسبتاً کم صاحب حیثیت کو کم اور پھر استحصال نہ بھی سہی تو کیا یہ سسٹم معاشرے میں معاشی خلیج کو مزید وسیع کرنے کا ذریعہ نہیں بنتا؟

جان لیوا مقابلے، حق تلفی، استحصال اور غیر عادلانہ رویہ کو جھیلتے جھیلتے جب معاشرہ شدید انتشار و بدامنی کا شکار ہوا تو شدید ردِعمل کے بطور اشتراکی نظام کی آغوش میں پناہ ڈھونڈنے آیا جس کی بنیادیں مساوات پر قائم کی گئیں۔ اشتراکی نظام سرمایہ دارانہ نظام کا انتقامی عکس العمل تھا، اس کی ضد

تھا اور ظاہر ہے جو نظام انتقام وضد پر کھڑا ہو وہ معاشرے کو انقلابی و انتقامی فکر کے سوا کچھ نہیں دے سکتا۔ وہ استحصال، عدم مساوات اور عدم انصاف کے خلاف ہمیشہ نبرد آزما نظر آئے گا۔ اس نظام نے تمام عیوب کی جڑ انسان کی بے لگام آزادی کو قرار دیا جس نے انفرادی ملکیت کا تصور ابھارا اور جو تمام برائیوں کا باعث بن گئی۔ نتیجتاً شدتِ انتقام کا غلبہ دوسری مخالف انتہا کی طرف لے گیا جہاں اس نے انسان کی فطری آزادی کے جذبہ کو ہی سلب کرلیا اور ''انفرادی آزادی'' کو ''اجتماعی آزادی'' اور ''انفرادی ملکیت'' کو ''اجتماعی ملکیت'' میں بدل دیا۔ اس نظام نے ملک کی ساری دولت، سرمایہ و وسائل اور خدمات وعوام کو ملک کا خادم قرار دیا۔ ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ بقدرِ استعداد، رجحان و صلاحیت، محنت کرے اور بقدرِ ضرورت اس کا ثمر حاصل کرے۔ اس کی ضرورتوں کا تعین وہ خود نہیں بلکہ اسٹیٹ کرے گا۔ اس طرح انسان کا اپنا وجود کوئی معنی نہیں رکھتا۔ وہ پیدا ہوتا ہے تو جماعت کے لئے، محنت کرتا ہے تو جماعت کے لئے، کاوش اور جستجو میں سرکھپاتا ہے تو جماعت کے لئے جیئے تو جماعت کے لئے اور مرے تو جماعت کے لئے۔ اس طرح گویا وہ پیدائش ہی سے حکومت کا غلام اور اپنے دست و بازو کی طاقت کو اسٹیٹ کا صدقہ سمجھے۔ اس نظام نے حبِ ذات اور ''حب نفس'' جیسے فطری جذبات کو ''حبِ جماعت'' میں ضم کرنے کی کوشش کی اور اس کے لئے تعلیم وتربیت وقہر وغلبہ کا راستہ اپنایا۔ اس کے ذریعہ یہ فکر پیدا کرنے کی کوشش کی کہ انسان کا ذاتی وجود کوئی اہمیت نہیں رکھتا، وہ جو بھی ہے سماج کے جز کے بطور اہمیت کا حامل ہے۔

یہ جذبہ کہ تم سماج کے لئے ہو یقیناً قابلِ قدر ہے لیکن اس قیمت پر کہ تم کچھ بھی نہیں ہو غیر فطری ہے۔ طاقت و جبر سے ہر بات منوائی جاسکتی ہے لیکن انسان کے جذبۂ آزادی اور اس کے حبِ نفس کو مٹایا نہیں جاسکتا۔ تعلیم وتربیت کے ذریعہ اس میں سلیقہ، وسعت، ٹھہراؤ اور جامعیت تو پیدا کی جاسکتی ہے لیکن اسے فنا نہیں کیا جاسکتا۔ باوجود قہر وغلبہ، تعلیم وتربیت کے اس کو اس بات پر تعجب ہوتا ہے کہ میرے دست و بازو کی پیدا کی ہوئی اشیاء و خدمات پر اسٹیٹ کا قبضہ کیوں ہے اور میری کمائی ہوئی دولت پر تصرف کا اختیار مجھے کیوں نہیں ہے۔ اگر مساوات کی خاطر حکومت محنت و استعداد کے بموجب صلہ دینے پر اتر آئے تو بہتر صلاحیتوں والے کا صلہ کم صلاحیتوں والے کے مقابلہ زیادہ ہوگا کیونکہ اس کا کنٹری بیوشن دوسرے کے مقابلے زیادہ ہوگا۔ اب اگر حکومت مساوات کے نام پر ضرورتوں کا تعین خود کرے اور سب کو اس کی طے کی ہوئی پیائش کے بموجب، برابر سے ملے تو یقیناً

زیادہ پیداوار کی صلاحیتوں والے افراد کی حق تلفی ہوگی۔ وہ اس بات پر فطری طور پر متفکر ہوں گے کہ وہ زیادہ پانے کے حقدار ہیں لیکن ان کے اس حق سے جبراً محروم رکھا جارہا ہے۔ یہ مصنوعی اور جبری مساوات معاشرہ کو منتشر ہونے سے نہیں بچا سکتا۔ اور تاریخ نے یہ ثابت کردیا۔

دنیا کے ان دو بڑے نظاموں نے انسان کو ایک طرز زندگی تو ضرور آشنا کیا لیکن اس کو بلند نقطۂ انسانیت پر پہنچانے میں ناکامیاب رہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ دنیاوی نظام حیات محض مادی عناصر کے تانے بانے سے حیات انسانی کو سجانے اور سنوارنے پر مرکوز رہے۔ مادی عناصر سے ہٹ کر، انسان کے کردار، اخلاق، نیک و بد اعمال، قناعت، صبر، حق گوئی جیسے غیر مادی عوامل کو، جو روح کی توانائی کا مظہر ہیں، نہ کوئی اہمیت دی گئی اور نہ ان کو جزو نظام بنا کر کامیابیوں و ناکامیابیوں کے پرکھنے کی کسوٹی تسلیم کیا گیا۔ یوں تو عدل و انصاف، مساوات، فلاح و بہبود، امداد، رعایت کے بہت سے نظریات ان نظاموں میں مل جائیں گے لیکن وہ آفاقی نظریات سے زیادہ محض ایک مخصوص زاویہ فکر کی تبلیغ کے آلہ کار کے سوا کچھ نہیں ہیں۔ انسان باوجود مادی ترقی و آسودگیوں کے عروج کے، ذہنی انتشار، فکری کشمکش اور بدامنی کا شکار ہے اور ایک آدرش، صالح اور عدل و انصاف پر مبنی طرز معاشرت کی تلاش میں سرگرداں بھی دکھائی دیتا ہے۔ دنیاوی نظاموں کے فکر و عمل نے واضح کردیا کہ وہ انسان کے فطری جذبات یعنی خواہشات، تمنائیں، خودغرضیاں اور آزادی کو کوئی بلندی نہ دے سکے۔ اگر وہ ان فطری جذبات کو اپنے نظریوں کی تبلیغ کا آلہ کار بننے کے بجائے، انسانی نفسیات کی گہرائیوں میں اترنے کا ذریعہ بناتے تو بہت ممکن تھا انسانیت کو بلندی مل جاتی اور ایک مستحکم شعور حیات کی تشکیل ہوجاتی۔

نہج البلاغہ میں انسانی فطرت کی گہرائیوں میں اتر کر انسان کی کمزوریوں کا محاسبہ کیا گیا ہے اور حیات انسانی کی وسیع، عمیق اور جامع تصویر پیش کی گئی ہے۔ انسان اگر ہوس و خواہشات کا پتلا ہے تو صاحب عقل و فہم بھی ہے۔ اس لیے جذبات و خیالات کو اگر عقل و فہم کی کسوٹی پر پرکھنے کی طرف موڑ دیا جائے تو یہی مستحکم دستور حیات مرتب کرنے کی بنیاد ہوگی۔ نہج البلاغہ کے خطبات، تحریرات، اقوال و خطوط اور ان کی وسعتوں کا مطالعہ کیجئے تو دنیا کے مائل بہ فنا عناصر، ان کی کشش، دنیا کی بے ثباتی و بے مائیگی، بے رخی، بے رحمی کی جیتی جاگتی تصویریں اپنی تمام تر تفصیلات کے ساتھ ابھر کر سامنے آجائیں گی۔ ان کے لئے انسان کو مختلف نوعیتوں سے، کبھی تنبیہ کے لہجے میں، کبھی نصیحت سے، کبھی

ماضی کی تاریخ دہرا کر، کبھی نفسیاتی حربوں سے، کبھی فکر وعمل کی تعلیم کے ذریعہ آگاہ کیا جارہا ہے کہ اس فانی دنیا میں جو قلیل مدت کی زندگی لے کر آیا ہے اس کو تمام حشر سامانیوں سے محفوظ رہتے ہوئے کس طرح باوقار پرامن بنایا جاسکتا ہے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے، جس کو اسلام نے تسلیم کیا ہے اور نہج البلاغہ نے متعدد مقامات پر واضح کیا ہے کہ انسان ہوس کا بندہ اور خواہشات کا پتلا ہے، وہ مفاد پرست اور خودغرض بھی ہے، اس کے پیش نظر غیر دائمی مادی لذت و راحت ہے، وہ ذاتی مصلحت کو معیار بناتا ہے اور اسی کے تحت جدوجہد کرتا ہے۔ یہ وہ فطری جذبات ہیں جن کو نہ آزاد چھوڑا جاسکتا ہے، نہ روکا جاسکتا ہے اور نہ محصور کیا جاسکتا ہے۔ ہرصورت میں معاشرے کا انتشار لازمی ہے اسلام جو دین فطرت و دین کامل ہے وہ نہ جبر و طاقت سے ان جذبات کو کچلتا ہے اور نہ ان کو آزاد چھوڑنے کی ہدایت کرتا ہے۔ وہ ان کو روحانی افکار و اخلاق و اقدار کی مکمل سرکردگی و سرپرستی میں رکھنے کی تاکید کرتا ہے تاکہ ان کی بے راہ روی اور بے لگامی کو روکا جاسکے۔ اور متوازن نظام حیات کی تشکیل کی جاسکے۔

حضرت علیؑ نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا ''اے لوگو! مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ دو باتوں کا ڈر ہے۔ ایک خواہشوں کی پیروی اور دوسرے امیدوں کا پھیلاؤ۔ خواہشوں کی پیروی وہ چیز ہے جو حق سے روک دیتی ہے اور امیدوں کا پھیلاؤ آخرت کو بھلا دیتا ہے۔ اس دنیا میں رہتے ہوئے اس سے اتنا زادِ راہ لے لو جس سے کل اپنے نفسوں کو بچا سکو''۔

پھر دوسرے خطبہ میں فرمایا:

''تم امیدوں کے دور میں ہو جس کے پیچھے موت کا ہنگامہ ہے۔ تو جو شخص موت سے پہلے ان امیدوں کے دنوں میں عمل کرلیتا ہے تو یہ عمل اس کے لئے سودمند ثابت ہوتا ہے اور موت اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتی اور جو شخص موت سے قبل زمانہ امید و آرزو میں کوتاہیاں کرتا ہے تو وہ عمل کے اعتبار سے نقصان رسیدہ رہتا ہے اور موت اس کے لئے پیغام ضرر لے کے آتی ہے۔ لہٰذا جس طرح اس وقت جب ناگوار حالات کا اندیشہ ہو نیک اعمال میں منہمک ہوتے ہو، ویسا ہی اس وقت بھی نیک اعمال کرو جب کہ مستقبل کے آثار مسرت افزا محسوس ہو رہے ہوں''۔

پھر دنیا کو یوں متعارف کرایا:

''میں تمہیں دنیا سے ڈراتا ہوں اس لیے کہ یہ بظاہر شیریں و خوشگوار، تروتازہ و شاداب ہے۔

نقصانی خواہشات اس کے گرد گھیرا ڈالے ہوئے ہیں۔ وہ جلد میسر آجانے والی نعمتوں کی وجہ سے لوگوں کو محبوب ہوتی ہے اور اپنی تھوڑی سی آرائشوں کا مشتاق بنالیتی ہے۔ وہ جھوٹی امیدوں سے سجی ہوئی ہے اور دھوکے اور فریب سے بنی سنوری ہے نہ اس کی مسرتیں دیرپا ہیں اور نہ اس کی ناگہانی مصیبتوں سے مطمئن رہا جاسکتا ہے۔ وہ دھوکے باز، نقصان رساں، ادلنے، بدلنے والی اور فنا ہونے والی ہے، ختم ہونے والی ہے، مٹ جانے والی ہے کھا جانے والی اور ہلاک کردینے والی ہے۔

جو شخص اس دنیا کا عیش و آرام پاتا ہے اس کے بعد اس کے آنسو بھی بہتے ہیں اور جو شخص دنیا کی مسرتوں کا رخ دیکھتا ہے، وہ مصیبتوں میں ڈھکیل کر اس کو اپنی بے رخی بھی دکھاتی ہے اور جس شخص پر راحت و آرام کے ہلکے ہلکے چھینٹے ڈالتی ہے، اس پر مصیبت و بلا کی دھواں دھار بارش بھی کرتی ہے وہ خود بھی فنا ہوجانے والی ہے اور اس میں رہنے والا بھی فانی ہے۔ اس کے کسی زاد میں سوائے تقویٰ کے بھلائی نہیں۔ جو شخص کم حصہ لیتا ہے، راحت کے سامان بڑھالیتا ہے اور جو دنیا کو زیادہ سمیٹتا ہے وہ اپنے لیے تباہ کن چیزوں کا اضافہ کرلیتا ہے۔

کتنے ہی لوگ ایسے ہیں جنہوں نے دنیا پر بھروسہ کیا اور اس نے انہیں مصیبتوں میں ڈال دیا اور کتنے ہی اس پر اطمینان کیے بیٹھے تھے۔ جنہیں اس نے پچھاڑ دیا اور کتنے ہی رعب و طنطنہ والے تھے جنہیں فقیر و پست بنادیا اور کتنے ہی نخوت و غرور والے تھے جنہیں ذلیل کرکے چھوڑا۔ اس کی بادشاہی دست بدست منتقل ہونے والی ہے۔ اس کی سلطنت چھن جانے والی۔ اس کا زبردست زیردست بننے والا، مال دار بدبختیوں کا ستایا ہوا ہے۔

کیا تم انہیں سابقہ لوگوں کے گھروں میں نہیں بستے جو لمبی عمروں والے، پائیدار نشانیوں والے، بڑی بڑی امیدیں باندھنے والے، زیادہ گنتی شمار والے اور بڑے بڑے لاؤ لشکر والے تھے، وہ دنیا کی کس کس طرح پرستش کرتے رہے اور اسے آخرت پر کیسا کیسا ترجیح دیتے رہے۔ پھر بغیر کسی ایسی زاد و راحلہ کے جو انہیں راستہ طے کرکے منزل تک پہنچاتے، چل دیئے۔ کیا تمہیں کبھی یہ خبر پہنچی کہ دنیا نے ان کے بدلے میں کسی فدیہ کی پیشکش کی ہو یا انہیں کوئی مدد پہنچائی ہو یا اچھی طرح ان کے ساتھ رہی ہو۔ اس نے تو بالآخر انہیں ناک کے بل خاک پر پچھاڑ دیا۔ تم نے دیکھا کہ جو ذرا دنیا کی طرف جھکا اور اسے اختیار کیا اور اس سے لپٹا تو اس نے اپنے تیور بدل کر ان سے کیسی اجنبیت اختیار کرلی اور یہاں تک کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس سے جدا ہوکر چل دیئے۔ اور اس نے انہیں

بھوک کے سوا کچھ زادِ راہ نہ دیا اور ایک تنگ جگہ کے سوا کوئی ٹھہرنے کا سامان نہ کیا اور سوائے گھپ اندھیرے کے کوئی روشنی نہ دی اور نہ ندامت کے سوا کوئی نتیجہ دیا۔

تو کیا تم اسی دنیا کو ترجیح دیتے ہو یا اسی پر مطمئن ہو گئے ہو اُن لوگوں سے عبرت حاصل کرو جو کہا کرتے تھے کہ ''ہم سے زیادہ قوت و طاقت میں کون ہے''۔ اُنہیں لاد کر قبروں تک پہنچایا گیا، اس طرح نہیں کہ انہیں سوار سمجھا جائے اُنہیں قبروں میں اتار دیا گیا مگر وہ مہمان نہیں کہلائے پتھروں سے ان کی قبریں چُن دی گئیں اور خاک کا کفن ان پر ڈال دیا گیا اور گلی سڑی ہڈیوں کو ان کا ہمسایہ بنا دیا گیا۔ وہ ایسے ہمسائے ہیں کہ پکارنے والے کو جواب نہیں دیتے اور اور نہ زیادتیوں کو روک سکتے ہیں..... وہ ایک جگہ ہیں مگر الگ الگ وہ آپس میں ہمسایہ ہیں مگر دور دور۔ پاس پاس ہیں مگر میل و ملاقات نہیں۔ وہ بردبار بنے خاموش و بے خبر پڑے ہیں۔ ان کے بغض و عناد ختم ہو گئے اور کیسے مٹ گئے نہ ان سے کسی ضرر کا اندیشہ ہے، نہ کسی تکلیف کے دور کرنے کی توقع ہے۔ جس طرح ننگے پیر و ننگے بدن پیدا ہوئے تھے ویسے ہی زمین میں پیوندِ خاک ہو گئے اور اس دنیا سے صرف عمل لے کر ہمیشہ کی زندگی اور سدا رہنے والے گھر کی طرف کوچ کر گئے''۔

انسان کو دنیا کی حقیقت کا آئینہ اس لیے دکھلایا جا رہا ہے کہ وہ صاحبِ عقل و فہم ہے اور وہ غور و فکر کے ذریعہ محتاط و متوازن رُخ اختیار کر سکتا ہے۔ انسانی معاشرہ ذہنی سوجھ بوجھ جذبات، احساسات، طبیعت و تربیت، جسمانی طاقت اور رُجحانات کے اعتبار سے مختلف درجات میں بٹے ہونے کے باوجود خواہشات، امیدوں، تمناؤں اور خود غرضیوں کے لحاظ سے مساوی ہیں۔ اسی لیے ان میں بکھراؤ، ٹکراؤ اور تضاد پایا جاتا ہے جس کا پورا فائدہ دنیا وی نظاموں نے اٹھایا اور انسان کو صرف اس کے ظاہری مادی عناصر کا اسیر بنا لیا۔ نہج البلاغہ میں ان ظاہری عناصر کی گرویدگی کی تباہ کاریوں سے متنبہ کیا جا رہا ہے اور ان کو باطنی قوتوں کے زیرِ نگر رکھنے کی تعلیم دی جا رہی ہے تا کہ ان کی سرکشی معاشرہ کی تباہی کا سبب نہ بننے پائے۔

نہج البلاغہ میں آفاقی نظامِ حیات کے لئے اس بکھراؤ، ٹکراؤ اور تضاد کو سب سے پہلے ختم کیا گیا ہے۔ یہاں عالمِ انسانیت کو ایک لڑی میں پروتے ہوئے ایسے بلند ترین نقطہ کی طرف سمیٹنے کی کوشش کی جا رہی جس کے پرے انسانی عقل و فہم بے معنی ہو جاتی ہے۔ یہ بلند ترین نقطہ ''توحید'' ہے جو عالمِ بشریت کی بکھری و متضاد فکر کو متحدہ کرنے کا واحد و موثر ذریعہ ہے۔

اگر ہر انسان کے ذہن میں یہ بات راسخ ہوجائے کہ اس کائنات کا خالق ایک ہے، سب اس ایک خالق کے بندے ہیں، ہماری زندگی اور موت اسی کے ہاتھ میں ہے، وہ ہمارے ہر ارادے، ہر نیت اور ہر عمل سے آگاہ ہے اور اس کے بموجب ہم کو سزا و جزا دیتا ہے تو انسانوں کے درمیان ہر طرح کی تفریق کا جذبہ مٹ جائے گا اور یہی پُر احتیاط ذہنی ہم آہنگی ہمارے عدل وانصاف و مساوات کی بنیاد بنے گا۔ دوسری طرف اگر دنیا کی بے ثباتی، بے رخی بے رحمی کا یقین ہوجائے تو اس کو انسان ایک ''امتحان گاہ'' اور ''گزرگاہ'' سے زیادہ اہمیت نہیں دے گا اور چونکہ ''امتحان گاہ'' اور گزر گاہ'' سمجھنے کا یقین اعتراف ہے کہ دنیا کی زندگی عارضی ہے اور اس کو اس کے بعد ایک دائمی زندگی کی طرف جانا ہے جہاں فانی دنیا کے فانی عناصر ساتھ نہیں دے سکتے، ہاں جو یہاں سے زادِ راہ وہاں کے لئے ہے وہ بس اس کے اعمالِ صالح ہی ہیں، تو بس یہ یقین کامل دنیا کے عیش وطرب سے منھ موڑنے، اس کو حد سے تجاوز نہ کرنے اور ان کو غلام نہ بننے کی ترغیب ہوگی۔ یہاں دولت و ثروت سمیٹنے سے زیادہ تقسیم کرنے کا رُجحان تقویت پائے گا جو فلاحِ عام کا ذریعہ بنے گا۔ یہی قناعت، توکل اور ''تطہیرِ نفس'' بے لگام خواہشات، تمناؤں امیدوں اور خودغرضیوں کو راہِ راست پر قائم رکھنے کا ذریعہ بنیں گے۔

حضرت علیؑ نے اپنے مختلف خطبات، نصیحتوں، خطوط وتحریرات میں اس بات پر مختلف نوعیتوں سے زور دیا کہ انسان کی بلندی، وقار اور شرف خواہشات کے ساتھ بہہ جانے میں نہیں بلکہ اعلیٰ قدروں کے لئے سعی وکوشش اور بلند مقصد کے لئے جدوجہد میں مضمر ہے یہی تطہیرِ نفس اختیارات پر قابو پانا سکھاتی ہے اور یہی اختیارات پر قابو پالینا اصل آزادی ہے۔ یہ وہ راہ ہے جہاں انسان تہذیب و معاشرت کا آغاز بندگی، ایمان و یقین سے ہوتا ہے اور نتیجہ میں انسان جملہ پابندیوں سے آزاد ہوجاتا ہے۔ نہج البلاغہ میں ایک مقام پر فرمایا ''اسلام سرِ تسلیم خم کرنا ہے اور سرِ تسلیم جھکانا یقین ہے اور یقین تصدیق ہے اور تصدیق اعترافِ فرض کی بجاآوری ہے اور فرض کی بجاآوری عمل ہے''۔ پھر فرمایا ''جو عمل میں کوتاہی کرتا ہے وہ رنج واندوہ میں مبتلا ہے اور جس کے مال میں اللہ کا کچھ حصہ نہ ہو اللہ کو ایسے کی کوئی ضرورت نہیں''۔

یہ یقین کہ دنیاوی زندگی بہت تھوڑی ہے اور یہاں سے جو بھی سمیٹا گیا وہ ساتھ نہیں جائے گا، خالی ہاتھ آیا ہے تو خالی ہی ہاتھ جائے گا، یقیناً دولتمند کے دولت سمیٹنے کی ہوس پر مضبوط روک ہے۔

پھر یہ یقین کہ خلقت و انجام کے اعتبار سے ہر انسان ایک ہے خواہ وہ شاہ ہو یا گدا، یہ اگر دولت و ثروت مند کے لئے تنبیہ ہے تو غربت کے لئے تسلی بھی ہے۔ انسان کو آگاہ کیا گیا کہ مال یقیناً تمہارا ہے لیکن تم اللہ کے بندے ہو اس لیے اپنے مال کو اس وقت تک اپنا نہ سمجھو جب تک تمہاری طرح تمام بنی نوع انسان خواہ وہ کتنے ہی غریب و نادار کیوں نہ ہوں ایک بھی نادار بھوکا باقی ہے۔ اور یہ اسی وقت ہوگا جب تم اپنے مال میں خدا کا حق سمجھو گے اور اس کو ناداروں میں تقسیم کردو گے۔ یقیناً انسانی محنت وجستجو وکاوش کسی شے کو انسانی خواہشات کی تسکین کا ذریعہ بناتی ہے اور یہی محنت وکاوش اس کے ذہن میں ملکیت کا تصور پیدا کرکے اس شے پر قابض ہوجانے کا جذبہ ابھارتی ہے یہی رعونت ہے۔ لیکن عقل وفہم یہ بتلاتی ہے کہ یہ قبضہ ناجائز ہے۔ ذاتی ملکیت کو عمل ومحنت کے دائرے تک محدود رہنا چاہئے۔ جہاں انسانی محنت کی رسائی نہیں وہاں ذاتی ملکیت کا سوال ہی نہیں اٹھتا۔ زمین و اس کی قوت نمو زرخیزی، زمین میں دفن معدنیاتی خزانے، گیس پیٹرول، جنگلات اور ان کی دولت، پانی، سورج کی حرارت، سمندر اور سمندر کی دولتیں پیدا کرنے میں انسانی عمل کا، اس کی کاوشوں کا کوئی دخل نہیں۔ اس کا عمل تو تلاش وجستجو تک محدود ہے۔ اگر انسان یہ دعویٰ کرے کہ یہ تمام اشیاء معدوم تھیں، ہم نے ان کو تلاش کیا، عدم سے وجود میں اس طرح لائے کہ وہ ہماری ضرورتوں کی تکمیل کا ذریعہ بنیں تو اس طرح کسی شئے کی قیمت اور افادیت کا ایجاد کردہ انسان ہوا اور وہی اس کا مالک ہوا۔

اس مقام پر انسانی عقل کو جھنجھوڑا گیا۔ پوچھا گیا بتاؤ اس دماغ و ذہن کا موجب کون ہے جس کی بدولت تمہاری تمام تر تحقیقات و تربیت عمل میں آتی ہیں اور جس کے ذریعہ سے قدرت کی پوشیدہ نعمتوں کا اظہار کرتے رہنے کے قابل بنتے ہو۔ کسی شئے کا وسیلہ بننا خالق بننا نہیں ہوتا۔ تمہاری محنت اور عمل تو خلق کی ہوئی شے پر محنت کرتی ہے۔

خالق کی خلق کی ہوئی شے سے اگر تم محض اپنی محنت وکاوش کی بدولت استفادہ کرتے ہو اور پھر حق ملکیت جتاتے ہو تو خالق حقیقی کے حق کو کیوں بھول جاتے ہو اور اگر مال میں اللہ کا کچھ حصہ نہیں سمجھتے ہو تو پھر اللہ کو بھی ایسے کی کوئی ضرورت نہیں۔ انسان چاہے جتنا صاحب دولت و ثروت والا ہوجائے، چاہے جتنی طاقت وقوت سمیٹ لے، چاہے جتنا صاحب اقتدار بن جائے وہ اپنی ہر خواہش، ہر آرزو اور ہر تمنا پوری کرنے پر قادر نہیں ہوسکتا۔ اگر انسان صاحب عقل وفہم ہے تو اس

حقیقت کو تسلیم کر لے گا۔ کسی شخص نے حضرت علیؑ سے پوچھا کہ آپ نے خدا کو کیسے پہچانا تو فرمایا "میں نے خدا کو پہچانا ارادوں کے ٹوٹ جانے سے، نیتوں کے بدل جانے سے اور ہمتوں کے پست ہو جانے سے" پھر فرمایا "اللہ کی عظمت کا احساس کرو تا کہ تمہاری نظروں میں کائنات حقیر و پست ہو جائے"۔ جو لوگ دنیا کی بے ثباتی، بے رخی اور اپنے آخیر انجام سے بے خبر ہیں اور مادی عیش و طرب کے حصول کو ہی مقصد حیات سمجھ بیٹھے ہیں وہ "ایسے سواروں کے مانند ہیں جو سو رہے ہیں اور سفر جاری ہے"۔

حضرت علیؑ نے اپنے فرزند امام حسنؑ کو وصیت کرتے ہوئے جس طرح کی تعلیم دی وہ دستورِ حیات اور اقدارِ بشریت کو سمجھنے کے لئے کافی ہے۔ میں اس طویل وصیت کے چند اقتباسات پیش کر رہا ہوں۔

"میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ اللہ سے ڈرتے رہنا، اس کے احکام کی پابندی کرنا، اس کے ذکر سے قلب کو آباد رکھنا اور اسی کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھنا..... وعظ و پند سے دل کو زندہ رکھنا اور زُہد سے اُس کی خواہشوں کو مردہ۔ یقین سے اسے سہارا دینا اور حکمت سے اسے پُر نور بنانا۔ موت کی یاد سے اسے قابو میں کرنا۔ فنا کے اقرار پر اسے ٹھہرانا۔ دنیا کے حادثے اس کے سامنے لانا۔ گردشِ روزگار سے اسے ڈرانا، گزرے ہوؤں کے واقعات اس کے سامنے رکھنا۔ تمہارے پہلے والے لوگوں پر جو بیتی ہے اسے یاد دلانا، ان کے گھروں اور کھنڈروں میں چلنا پھرنا اور دیکھنا انہوں نے کیا کچھ کیا، کہاں سے کوچ کیا، کہاں اترے اور کہاں ٹھہرے ہیں۔ دیکھو گے تو صاف نظر آئے گا کہ وہ دوستوں سے منہ موڑ کر چلدیئے ہیں اور پردیس کے گھروں میں جا کر اترے ہیں اور وہ وقت دور نہیں کہ تمہارا شمار بھی ان میں ہونے لگے، لہٰذا اپنی اصل منزل کا انتظار کرو۔

اے فرزند! یہ یقین رکھو کہ جس کے ہاتھ میں موت ہے اسی کے ہاتھ میں زندگی بھی ہے اور جو پیدا کرنے والا ہے وہی مارنے والا بھی ہے اور جو نیست و نابود کرنے والا ہے وہی دوبارہ پلٹانے والا ہے جب تم پیدا ہوئے تو کچھ نہ جانتے تھے، بعد میں تمہیں سکھایا گیا اور ابھی کتنی ہی ایسی چیزیں ہیں کہ جن سے تم بے خبر ہو۔ ان کے لئے پہلے تمہارا ذہن پریشان ہوتا ہے اور نظر بھٹکتی ہے اور پھر انہیں جان لیتے ہو لہٰذا اسی کا دامن تھامو جس نے تمہیں پیدا کیا اور رزق دیا اسی کی طلب ہو، اسی کا ڈر ہو۔

اے فرزند! میں نے تمہیں دنیا اور اس کی حالت اور اس کی بے ثباتی و ناپائیداری سے خبردار کر دیا

ہے اور آخرت والوں کے لئے جو سروسامانِ عشرت مہیا ہے اس سے بھی آگاہ کردیا ہے۔

اب دستورِ حیات و معاشرتی اصولوں کی تلقین اس طرح کر رہے ہیں:

''اے فرزند! اپنے اور دوسرے کے درمیان ہر معاملہ میں اپنی ذات کو میزان قرار دو، جو اپنے لیے پسند کرتے ہو وہی دوسروں کے لئے پسند کرو اور جو اپنے لیے نہیں چاہتے اسے دوسروں کے لئے بھی نہ چاہو۔ جس طرح یہ چاہتے ہوں کہ تم پر زیادتی نہ ہو، یوں ہی دوسروں پر بھی زیادتی نہ کرو، اور جس طرح یہ چاہتے کہ تمہارے ساتھ حسن سلوک ہو یوں ہی دوسروں کے ساتھ بھی حُسن سلوک سے پیش آؤ..... دوسروں کے لیے وہ بات نہ کہو جو اپنے لیے سننا گوارا نہیں کرتے۔ یاد رکھو کہ خود پسندی صحیح طریقہ کار کے خلاف اور عقل کی تباہی کا سبب ہے۔ روزی کمانے میں دوڑ دھوپ کرو اور دوسرے کے خزانچی نہ بنو..... دیکھو تمہارے سامنے ایک دشوار گذار اور دور دراز راستہ ہے جس کے لئے بہترین زادِراہ کی تلاش اور بقدرِ کفایت توشہ فراہمی اس کے علاوہ سبکباری ضروری ہے۔ لہٰذا اپنی طاقت سے زیادہ اپنی پیٹھ پر بوجھ نہ لادو..... تمہارے سامنے ایک دشوار گزار گھاٹی ہے جس میں ہلکا پھلکا آدمی گراں بار آدمی سے کہیں اچھی حالت میں ہوگا اور سست رفتار تیزقدم دوڑنے والے کی بہ نسبت بُری حالت میں ہوگا۔

یہ یقین کے ساتھ جانے رہو کہ تم اپنی آرزوؤں کو کبھی پورا نہیں کرسکتے اور جتنی زندگی لے کے آئے ہو اس سے آگے نہیں بڑھ سکتے اور تم بھی اپنے پہلے والوں کی راہ پر ہو لہٰذا طلب میں نرم رفتاری اور کسبِ معاش میں میانہ روی سے کام لو کیونکہ اکثر طلب کا نتیجہ مال کا گنوانا ہوتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ رزق کی تلاش میں لگا رہنے والا کامیاب ہی ہو، اور کدوکاوش میں اعتدال سے کام لینے والا محروم ہی رہے۔ ہر ذلت سے اپنے نفس کو بلند سمجھو، اگرچہ کہ وہ تمہاری من مانی چیزوں تک تمہیں پہنچادے کیونکہ اپنے نفس کی عزت جو کھودوگے اس کا بدل کوئی حاصل نہ کرسکو گے۔ دوسرے کے غلام نہ بن جاؤ جب کہ اللہ نے تم کو آزاد پیدا کیا ہے۔ اس بھلائی میں کوئی بہتری نہیں جو برائی کے ذریعہ حاصل ہو اور اس آرام و آسائش میں کوئی بہتری نہیں جس کے لئے ذلت بھری دشواریاں جھیلنا پڑیں۔

خبردار تمہیں طمع و حرص کی تیز رو سواریاں ہلاکت کے گھاٹ پر نہ لا اتاریں..... جو کچھ تمہارے ہاتھ میں ہے اس کو محفوظ رکھنا دوسروں کے سامنے دست طلب بڑھانے سے مجھے زیادہ پسند ہے۔ اس کی تلخی سہہ لینا لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے بہتر ہے۔ پاکدامانی کے ساتھ محنت مزدوری کر لینا

فسق و فجور میں گھری ہوئی دولت مندی سے بہتر ہے۔

جو زیادہ بولتا ہے وہ بے معنی باتیں کرنے لگتا ہے۔ سوچ وچار سے قدم اٹھانے والا صحیح راستہ دیکھ لیتا ہے۔ نیکوں سے میل جول رکھو گے تو تم بھی نیک ہوجاؤ گے۔ بروں سے بچے رہو گے تو ان کے اثرات سے محفوظ رہو گے۔ جہاں نرمی سے کام لینا نامناسب ہو وہاں سخت گیری ہی نرمی ہے۔ کبھی کبھی دوا بیماری اور بیماری دوا بن جاتی ہے۔ کبھی کبھی بدخواہ بھلائی کی راہ سجھا دیا کرتا ہے اور دوست فریب دے جاتا ہے۔ خبردار امیدوں کے سہارے پر نہ بیٹھنا کیونکہ امیدیں احمقوں کا سرمایہ ہوتی ہیں۔ تجربوں کو محفوظ رکھنا عقلمندی ہے۔ بہترین تجربہ وہ ہے جو نصیحت دے۔ فرصت کا لمحہ موقع غنیمت جانو قبل اس کے کہ وہ رنج و اندوہ کا سبب بنے۔

جب تک زمانہ کی سواری تمہارے قابو میں ہے، نباہ کرتے رہو، زیادہ کی امید میں اپنے کو خطروں میں نہ ڈالو، خبردار کہیں دشمنی وعناد کی سواریاں تم سے منہ زوری نہ کرنے لگیں۔

اپنے کو اپنے بھائی کے لئے اس پر آمادہ کرو کہ جب وہ دوستی توڑے تو تم اسے جوڑو، وہ منہ پھیرے تو تم آگے بڑھو اور لطف و مہربانی سے پیش آؤ۔ وہ تمہارے لیے کنجوسی کرے تو تم اس پر خرچ کرو۔ وہ دوری اختیار کرے تو تم اس کے نزدیک ہونے کی کوشش کرو۔ وہ سختی کرتا رہے اور تم نرمی کرو۔ وہ خطا کا مرتکب ہو اور تم اس کے لئے عذر تلاش کرو..... مگر خبردار، یہ برتاؤ بے عمل نہ ہو اور نا اہل سے یہ رویہ اختیار نہ کرو۔ اپنے کسی دوست سے تعلقات قطع کرنا چاہو تو اپنے دل میں اتنی گنجائش رکھو کہ اگر اس کا رویہ بدلے تو اس کے لئے جگہ ہو۔

اے فرزند! یقین رکھو کہ رزق دو طرح کا ہوتا ہے ایک وہ جس کی تم جستجو کرتے ہو اور ایک وہ جو تمہاری جستجو میں ہے۔ اگر تم اس کی طرف نہ جاؤ گے تو وہ تم تک آ کے رہے گا۔ ضرورت پڑنے پر گھوگھوانا اور مطلب نکل جانے پر کج خلقی سے پیش آنا انتہائی بری عادت ہے۔ دنیا سے بس اتنا ہی اپنا سمجھو جس سے اپنی عقبیٰ کی منزل سنوار سکو۔ ٹوٹ پڑنے والے غم اور اندوہ کو صبر کی پختگی اور حسن یقین سے دور کرو، جو درمیانی راستہ چھوڑ دیتا ہے وہ بے راہ ہوجاتا ہے۔ جو اپنی حیثیت سے آگے نہیں بڑھتا، اس کی منزلت برقرار رہتی ہے"۔

یہ منشورِ امامت تمام نوعِ انسانی کے لیے درسِ ہدایت ہے جس پر عمل پیرا ہونے سے کامیابی و کامرانی کی راہیں کھلتی ہیں۔ اور بھٹکی ہوئی انسانیت کو راہِ مستقیم ملتی ہے۔ اس خطبہ میں دنیا کی حقیت کو

واضح کرنے، اخلاقی شعور کو اُبھارنے اور معیشت و معاشرت کو سُدھارنے کے بنیادی اصول درج ہیں۔ ایک انسان کے غرور و تکبر کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے جب:

''اگر اُسے اُمید کی جھلک نظر آتی ہے تو طمع ذلت میں مبتلا کر دیتی ہے اور طمع ابھرتی ہے تو حریص کو تباہ و برباد کر دیتی ہے۔ اگر ناامیدی اُس پر چھا جاتی ہے تو حسرت و اندوہ اس کے لئے جان لیوہ بن جاتے ہیں اور اگر اس پر غضب طاری ہوتا ہے تو غم و غصہ شدت اختیار کر لیتا ہے اور اگر خوش و خوشنود نظر آتا ہے تو حفظِ ماتقدم بھول جاتا ہے اور اگر اچانک اُس پر خوف طاری ہوتا ہے تو فکر و اندیشہ دوسری قسم کے تصورات سے روک دیتا ہے۔ اگر امن و امان کا دور دورہ ہوتا ہے تو غفلت اس پر قبضہ کر لیتی ہے اور اگر مال و دولت حاصل کر لیتا ہے تو دولتمندی اسے سرکش بنا دیتی ہے اور اگر اس پر کوئی مصیبت پڑتی ہے تو بے تابی و بے قراری اسے رسوا کر دیتی ہے اور اگر فقر و فاقہ کی تکلیف میں مبتلا ہو تو مصیبت اسے جکڑ لیتی ہے اور اگر بھوک اس پر غلبہ کرتی ہے تو ناتوانی اٹھنے نہیں دیتی اور اگر شکم پُری بڑھ جاتی ہے تو کرب و اذیت کا باعث ہوتی ہے۔ ہر کوتاہی اس کے لئے نقصان رساں اور حد سے زیادتی تباہ کن ہوتی ہے''۔[1]

اور پھر فرمایا:

عقل سے بڑھ کر کوئی مال سود مند نہیں اور خود بینی سے بڑھ کا کوئی تنہائی وحشتناک نہیں اور تدبیر سے بڑھ کر کوئی عقل کی بات نہیں اور کوئی بزرگی تقویٰ کے مثل نہیں اور خوش خلقی سے بڑھ کر کوئی ساتھی نہیں اور ادب کے مانند کوئی میراث نہیں۔ توفیق سے بڑھ کر کوئی پیشرو اور اعمالِ خیر سے بڑھ کر کوئی تجارت نہیں۔ کوئی پرہیزگاری شبہات میں توقف سے بڑھ کر نہیں اور حرام کی طرف بے رغبتی سے بڑھ کر کوئی زہد نہیں اور تفکر و پیش بینی سے بڑھ کر کوئی علم نہیں اور ادائے فرائض کے مانند کوئی عبادت اور حیا سے بڑھ کر کوئی ایمان نہیں...... حلم سے بڑھ کر کوئی عزت اور مشورہ سے مضبوط کوئی پشت پناہ نہیں''۔[2]

حضرت علیؑ کمیل ابنِ زیاد نخعی کو یہ کہہ کر تعلیم دیتے ہیں۔

اے کمیل یاد رکھو! علم مال سے بہتر ہے کیونکہ علم تمہاری نگہداشت کرتا ہے جب کہ مال کی حفاظت تمہیں کرنی پڑتی ہے۔ مال خرچ کرنے سے گھٹتا ہے جب کہ علم صرف کرنے سے بڑھتا ہے۔

۱- حکم و مواعظ نمبر ۸۰۱ صفحہ ۸۳۶ ۔ ۲- حکم و مواعظ نمبر ۱۳ صفحہ ۸۳۸

مال و دولت کے نتائج و اثرات مال کے فنا ہوجانے سے فنا ہوجاتے ہیں علم کی شناسائی ایک دین ہے کہ اس سے انسان اپنی زندگی میں دوسروں سے اپنی اطاعت منواتا ہے اور مرنے کے بعد نیک نامی حاصل کرتا ہے۔ یاد رکھو علم حاکم ہے اور مال محکوم۔ اے کمیل! مال اکٹھا کرنے والے زندہ ہونے کے باوجود مردہ ہوتے ہیں اور علم حاصل کرنے والے رہتی دنیا تک باقی رہتے ہیں۔ بے شک ان کے اجسام نظروں سے اوجھل ہوجاتے ہیں مگر ان کی صورتیں دلوں میں موجود رہتی ہیں"۔

حضرت علیؑ نے اپنے فرزند حضرت حسنؑ سے فرمایا:

"چار باتیں یاد رکھو۔ اُن کے ہوتے ہوئے جو کچھ کرو گے وہ تمہیں ضرر نہ پہنچائے گا سب سے بڑی ثروت عقل و دانش ہے اور سب بڑی ناداری حماقت و بے عقلی ہے اور سب بڑی وحشت غرور و خود بینی ہے اور سب بڑا جوہر ذاتی حسن اخلاق ہے"۔

"اے فرزند! بیوقوف سے دوستی نہ کرنا کیونکہ وہ تمہیں فائدہ پہنچانا بھی چاہے تو نقصان پہنچائے گا۔ اور بخیل سے دوستی نہ کرنا کیونکہ جب تمہیں اس کی مدد کی انتہائی حاجت ہوگی تو وہ تم سے دور بھاگے گا اور بدکردار سے دوستی نہ کرنا ورنہ وہ تمہیں کوڑیوں کے مول بیچ ڈالے گا اور جھوٹے سے دوستی نہ کرنا کیونکہ وہ سراب کی مانند تمہارے لیے دور کی چیزوں کو قریب اور قریب کی چیزوں کو دور کرکے دکھلائے گا"۔

معاشرہ میں انسانوں کے ساتھ حُسن سلوک کے بارے میں یوں فرمایا:

"لوگوں سے اس طریقہ سے ملو کہ اگر مرجاؤ تو تم پر روئیں اور زندہ رہو تو تمہارے مشتاق رہیں"۔

پھر ایک مقام پر فرمایا: "جو شخص اپنے قبیلے کی اعانت سے ہاتھ روک لیتا ہے تو اس کا تو ایک ہاتھ رکتا ہے لیکن وقت پڑنے پر بہت سے ہاتھ اس کی مدد سے رک جاتے ہیں"۔

محمد ابن ابی بکر کو جب مصر کی حکومت سپرد کی تو ان کو ہدایت دی:

"لوگوں سے تواضع کے ساتھ ملنا، ان سے نرمی کا برتاؤ کرنا، کشادہ روئی سے پیش آنا اور سب کو ایک نظر سے دیکھنا تاکہ بڑے لوگ تم سے اپنی ناحق طرفداری کی امید نہ رکھیں اور چھوٹے لوگ تمہارے عدل و انصاف سے ناامید نہ ہوں۔ کیونکہ اے اللہ کے بندو! اللہ تمہارے چھوٹے، بڑے، کھلے، ڈھکے اعمال کی تم سے بازپُرس کرے گا اور اس کے بعد اگر وہ عذاب کرے تو خود یہ تمہارے ظلم کا نتیجہ ہے اور اگر وہ معاف کردے تو وہ اس کے کرم کا تقاضہ ہے"۔

پھر ایک مقام پر فرمایا:

''انصاف سے دوستوں میں اضافہ ہوتا ہے، لطف و کرم سے قدر و منزلت بڑھتی ہے، جھک کے ملنے سے نعمت تمام ہوتی ہے، دوسروں کا بوجھ بٹانے سے لازماً سرداری حاصل ہوتی ہے اور خوش گفتاری سے کینہ دور اور دشمن مغلوب ہوتا ہے اور سر پھرے آدمی کے مقابلہ بردباری کرنے سے اس کے مقابلہ اپنے طرفدار زیادہ ہوجاتے ہیں''۔

پھر فرمایا: ''دوسروں کے پسماندگان سے بھلائی کرو تاکہ تمہارے پسماندگان پر بھی نظر شفقت پڑے''۔

نہج البلاغہ میں دستور حیات اور اقدار بشریت کو قانونِ قدرت سے بندھے آفاقی قوانین، ٹھوس و مدلل عقائد، فطرت و عقل و دانش کے دائرے میں رکھ کر واضح کیا گیا ہے۔ یہاں بنی نوع انسان کے لئے ایسا معتدل، متوازن اور دائمی نظام حیات پیش کیا گیا ہے جو انسان کی پر امن، پروقار و بلند معیار زندگی کا ضامن ہے۔ نہج البلاغہ میں حیات انسانی کے دو اہم پہلوؤں کو دستور حیات کی بنیاد بنایا گیا۔ اول واقفیت اور دوسرا اخلاقیت ہے۔ واقفیت سے مراد ایسے مقاصد حاصل کرنا جو فطرت و ضمیر کے عین مطابق ہو۔ یعنی جہاں زندگی نہ اتنی آزاد ہو کہ بے راہ روی کی ڈگر پر بے لگام بڑھے اور نہ احکاموں کی زنجیروں میں ایسی جکڑی بندھی ہو کہ گھٹن کا احساس ہو اور انسان اسکو اتار پھینکے۔ فطری خواہشات کو عقل کی پاسبانی میں دیا اور اخلاقی اصولوں میں محصور کیا۔ فطری خواہشات کو نہ دبایا اور نہ ان کی اہمیت کو نظر انداز کیا، بلکہ ان کے بھڑکنے اور وسیع ہونے کو دنیا کے مائل بہ فنا معاوی وسائل، اس کی تمام تر سرکشی، بے ثباتی اور بے رخی کی حقیقی تصویر دکھلا کر عقل و دانش کے ذریعہ نتائج سے آگاہ کیا۔ دنیاوی نظام تو حیات انسانی کے مادّی پیکر ہی میں الجھ کر رہ گئے اور اس کا بھی کوئی موثر و معتبر دستور نہ بنا سکے۔ نہج البلاغہ میں نہ صرف انسان کی مادّی دنیا سنورتی نظر آتی ہے بلکہ اس کے وہ اخلاقی پہلو بھی ابھرتے ہیں جن کی بدولت وہ حیات جاودانی حاصل کرلیتا ہے۔ آج دنیا کے تمام ترقی یافتہ ممالک اور بین الاقوامی ادارے جس طور سے اور جس سنجیدگی سے انسانی معاشرے کے اخلاقی پہلوؤں پر غور کر رہے ہیں، ان کی اہمیت کو تسلیم کر رہے ہیں وہ ان تمام عبرت ناک نتائج کا ردّ عمل ہے جو مادہ پرستی میں ڈوبنے کی بدولت سامنے آئے ہیں۔ جیسے جیسے دنیا مادہ پرستی کے فسوں سے باہر آئے گی، نہج البلاغہ کے ہی سایہ عافیت میں پناہ پائیگی۔

حوالے:

۱- نہج البلاغہ: مترجم علامہ مفتی جعفر حسین صاحب، عباس بک ایجنسی، لکھنؤ ۲۰۰۰

2- NAHJUL BALAGHA - PEAK OF ELOQUENCE, TRANSLATED BY S.ALI RAZA, ISLAMIC FOUNDATION PRESS, AREEKODA, KERALA 1990

3- KITABAL-IRSHAD- SHAYKH -AL- MUFID, TRANSLATED BY I.K.A. HOWARD, UNIVERSITY OF EDIN BURGH, ANSARIYAN PUBLICATION, QUM, IRAN

4- PHILOSOPHY OF ISLAM- BEH ECHTI & BAHONAR, ANSARIYAN PUBLICATION, IRAN 1990

۵- آج کا انسان اور اجتماعی مشکلات۔ علامہ سید محمد باقر الصدر طالب ژاہ، مترجم علامہ سید ذیشان حیدر جوادی

۶- خدا کہ بنائے لاالٰہ (عرفان و عمل) شہر امام، کلاسیک آرٹ پرنٹرس، چاندنی محل دہلی ۲۰۰۳ء

۷- عقل و دل۔ شہید مرتضیٰ مطہری توحید، جلد ۲ نومبر۔دسمبر ۱۹۹۳ء

۸- دانش مسلمین (قسط دو) محمد رضا حکیمی توحید، جلد ۲ نومبر۔دسمبر ۱۹۹۳ء

9- ISLAMIC AWACKENING BETWEEN REJECTION AND EXTREMISM- DR. YOOSUF AL-QARADAWI, NEW DELHI -1992

سرچشمۂ عرفان حضرت علیؑ
وسط ایشیا کے مآخذ کی روشنی میں

پروفیسر منصورہ حیدر

دنیای اسلام میں حضرت علیؑ کی عظیم شخصیت اور ان کے کردار کے مختلف پہلوؤں نے نہ صرف اہل اسلام بلکہ سیاسی مفکروں، صوفیوں دانشمندوں، فلسفیوں، اہل علم و ادب، فنکاروں، فقرا و گدا، شاہوں اور فلاح و بہبود کے کاموں میں وقف لوگوں کے طرز زندگی کو ایک نیا رخ و لائحہ عمل بخشا ہے۔ وہ کئی اعتبار سے یکتائے زمانہ اور گوہر نایاب کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بہترے دیگر افراد کی طرح حضرت علیؑ کا نام محض مذہبی کتابوں میں سمٹ کر نہیں رہ گیا بلکہ ان کی غیر معمولی سوجھ بوجھ اور تاریخی اہمیت کی وجہ سے ان کا ذکر عہد وسطیٰ کے سبھی مخطوطات، ملفوظات، تذکروں، تاریخ عامہ، عقیدوں، خطاطی کی کتابوں، صوفیانہ شاعری، علوم ظاہری و باطنی کے دفاتر میں مختلف زاویوں سے ابھرتا اور نکھرتا دکھائی دیتا ہے۔ حضرت علیؑ کی حیات اور ان کی عظیم تحصیلات سے متعلق معلومات کا جو ذخیرہ عربی و فارسی کی کتابوں میں ملتا ہے اس پر نہایت خوبی سے بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ وسط ایشیا کے عہد وسطیٰ میں لکھی گئی کتابوں میں حضرت علیؑ کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے ممکن ہے کہ لوگوں کی نظر سے کم گزرا ہو۔ اس مقالہ میں حضرت علیؑ کی شخصیت اور کارناموں کی تفصیل وسط ایشیا کے ماخذ کی روشنی میں پیش کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

وسط ایشیا اور ایران کے تقریباً سبھی مخطوطات میں حضرت علیؑ کو انسان کامل کے پیکر میں دکھاتے ہوئے جن القاب و خطابات سے نوازا گیا ہے وہ ان کے سلسلے میں اہل فکر و اہل قلم و ادب کے جذبات مظاہرہ اور محبت کی غمازی کرتا ہے اور حضرت علیؑ کے سلسلے میں ان کے اعتقاد کی نشاندہی بھی کرتا ہے۔ ان کے ہم عصر اور بعد کے مورخین میں حضرت علیؑ کے متعلق سیاسی اور مذہبی نظریوں میں اختلاف رائے ممکن ہے مگر ان کے کارناموں، ان کی غیر معمولی ذہانت و عظمت، جولانیٔ فکر،

خیالات کی ہم آہنگی، علم و ادب پر ان کے عبور، خدا پرستی، دور اندیشی اور دنیاوی و دینوی معاملات میں ان کی لیاقت پر کسی کو بھی شبہ نہیں۔ حضرت علیؑ کو وجہ مقتدا رسول، پیشوای شان نبیؐ و الٰہی حضرت رسالت کہا گیا ہے۔ حضرت علیؑ کے خطابات کاتب وحی، وزیر، مرتضیٰ اور امیرالمومنین کے علاوہ انہیں بیحد موزوں القاب مختلف اسلامی اعتقادات کے حامل لوگوں نے دیئے ہیں۔ اس ضمن میں نہ صرف صوفی ملفوظات بلکہ تاریخی ملفوظات یکساں جذبات کی ترجمانی کرتے ہیں۔ ان کتابوں میں حضرت علی کو امام المتقین، امام المستقیم، اسداللہ الغالب، مظہرالعجائب و الغرائب، امام المسلمین وغیرہ کہا گیا ہے۔ رسالۂ مبلغ الرجال میں انہیں خدائے عظیم کا پرستار اور راستی کا عمل گذار اور دونوں کا معتقد بتایا ہے۔ زین الدین محمود واصفی نے بدائع الواقایع میں انہیں 'یعسوب المؤمنین' کہا ہے۔ حکیم خاں نے اپنی کتاب منتخب التواریخ میں خلفاء راشدین پر جو تذکرہ لکھا ہے اس میں حضرت علیؑ کی بیحد تعریف لکھی ہے۔

منہاج السراج الجرجانی نے طبقات ناصری میں علی مرتضیٰ کی پاک و صاف شخصیت پر نذرانے پیش کیے ہیں۔ حضرت علیؑ کے لئے منقبت اور قصیدوں کا ذخیرہ تیموری عہد کے تقریباً سبھی مخطوطات میں موجود ہے۔ حضرت علی اپنے افعال و اقوال، اخلاق و آداب میں پاک و راشد تھے وہ معتدل مزاج، خوش اخلاق، باوصف، صائب رائے، باہمت، بہادر، جنگجو، شاکر و صابر، دوستوں کے لئے معاون و پناہ گاہ رہبر و سہارا اور دشمنوں کے لئے بے نیاز اور بے اعتنا۔ نہ شماتت کی جھلک، نہ کامیابی کے موقع پر غرور کا شائبہ۔ ایک طرح سے وہ عربوں کے افسانے کے سلیمان تھے جن کے چہار طرف ان کی شاندار شاعری 'ضرب المثل' خطبات اور ان کی مختلف سرگرمیوں کی چمک کا ہالہ تھا۔ ایک ہی وقت میں وہ مسلمانوں کے امیر اور فتویٰ کے رہنما دونوں تھے اور اس دوہری حیثیت کے متضاد پہلو بھی ان کی شخصیت میں کچھ اس طرح گھل مل گئے تھے کہ وہ صوفی کے فقر اور شاہوں کی غنا سے مستثنیٰ تھے۔ حضرت علیؑ کی تعریف سبھی عرفاء اور درویش برادری نے کی ہے۔ انہیں گناہوں سے مبرا و بالاتر اور معصوم بتایا ہے۔ غلاہ والوں نے انہیں 'اوتار' بتایا ہے اور حضرت علیؑ اور ان کے اخلاف کو 'انسانی لباس میں خدا کا پرتو' سمجھا۔

حضرت علیؑ کی ذات پاک کچھ غیر معمولی خصوصیات کی حامل تھی اس میں کلام نہیں۔ پیدائش سے

وفات تک کچھ ایسا امتیاز ان کے ساتھ رہا ہے جو صرف خصوصی خداداد نعمت و صلاحیت کے علاوہ کچھ نہیں ہوسکتا ہے۔ ان کی پیدائش کعبہ میں ہوئی یہ وہ شان وعزت تھی جو ان سے پہلے اور ان کے بعد کسی کو نصیب نہ ہوئی۔ انہیں رسول اللہ کی دامادی کا فخر حاصل تھا خصوصاً اس لئے کہ حضرت فاطمہ ان کی عزیز و پارہ جگر دختر تھیں۔ پیغمبر خدا کی نسل چلانے کا عروج بھی حضرت علیؑ کے دامن میں آیا تھا۔ وہ حضرت خدیجہ کے بعد دوسرے ایمان لانے والے کہے گئے ہیں۔ حضرت علیؑ کی پرورش اور ان کی نشوونما براہ راست رسول اللہ کے زیر سایہ ہوئی اور ۲۳ سال تک حضرت علیؑ کو ہی یہ سعادت نصیب تھی کہ وہ سائے کی طرح رسول اور ان کی ذریات کے ساتھ درد و دکھ، کامرانی و ناکامی سبھی کیفیات میں ہم قدم رہے۔ پیغمبرؐ کی نگہداشت نے ان کے جوہر چمکائے اور وہ نہ صرف حضرت محمدؐ کے پیرو بلکہ قدم بقدم شانہ بشانہ ان کے ہمکار بھی رہے ۔ ملا حسین واعظ کاشفی لکھتے ہیں:" امیر المومنین کہ سرعارفان اسرار الوصیت وسرور کاشفان استار ربوبیت است، آثار انفاس پیغامبر اکرم بودہ است"۔

مورخین کا خیال ہے کہ خلیفہ سوم کے انتقال کے فوراً بعد اسی دن سبھی صحابہ کرام و دیگر افراد نے حضرت علیؑ کے دست مبارک پر بیعت کرلی تھی۔ شہرستانی لکھتا ہے کہ اہل نص والتعین تو اس حد تک گئے کہ انہوں نے شدومد اور سختی سے صرف حضرت علیؑ کے حقیقی وارث ہونے پر زور دیا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی دنیا کے کونے کونے میں حضرت علیؑ کے خلیفہ ہونے پر ۲۴ جون ۶۵۶ میں خوشحالی کی لہر دوڑ گئی۔ گوکہ وسط ایشیا خود بہادروں اور جنگجولوگوں کی آماجگاہ رہا ہے اور عربوں کی حرب آزمائی میں بھی کہیں کمی نہ تھی، اس کے باوجود حضرت علیؑ کی غیر معمولی شان جلادت و تیغ آزمائی کے افسانے دہرائے جاتے رہے۔ حضرت علیؑ کی تلوار 'ذوالفقار' حضرت محمدؐ نے جنگ بدر میں استعمال بھی کی تھی۔ عہد وسطیٰ کی سبھی تلواروں پر "لافتیٰ الاّ علی لاسیف الاّ ذوالفقار" کندہ ہونا اس بات کی دلالت کرتا ہے کہ کوئی تلوار علیؑ کی ذوالفقار کے برابر نہیں اور کوئی جانباز و بہادر نوجوان حضرت علیؑ کا ہمسر نہیں۔ مگر حضرت علیؑ صرف اہل سیف ہی نہیں اہل قلم بھی تھے۔ ان کی کتاب نہج البلاغہ اس کا ثبوت ہے اور وہ فن بیان و بلاغت میں ماہر تھے۔ ان کے احکام، تقاریر، خیالات اور اخلاقی قدریں صدیوں سے مشعل راہ اور ان کے جملے تجربہ کاری و دوراندیشی پر محمول، خدا پرستی کے جذبوں سے معمور رہے۔ شاعرانہ انداز میں ان کی لن ترانی بھی زندگی کے تلخ تجربوں اور حقائق کا نچوڑ ہے جو عام آدمی کو

بصیرت و بصارت دونوں بخشتا ہے اور روشنی کے ستارہ کی طرح بھولے بھٹکوں کو راستہ دکھا کر منزل تک پہنچاتا ہے۔ ہٹی نے اپنی تاریخ عرب میں لکھا ہے کہ ''حضرت علی کی موت کے بعد ان کی اہمیت کہیں زیادہ اجاگر ہوئی اور کھل کر سامنے آئی بہ نسبت ان کی عہد زندگی کے'' شائد اس لئے کہ حضرت علیؑ کی ساری زندگی کشمکش اور حوادث کا شکار رہی تا کہ دنیا کے لیے سبق آموز ثابت ہو۔

ایران اور وسط ایشیا کے مورخین نے کچھ ایسے واقعات کا ذکر کیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ کے دشمن بھی ان کے اعلیٰ صفات کے قائل تھے جیسے محمد بن عطیہ کی اسناد پر نہ صرف وسط ایشیا کے حکیم بن ثورہ، سیف الدین اور اعظم جابر بلکہ ایرانی مورخ بناکتی اور عرب تاریخ نویس ابن عرب شاہ نے بھی لکھا ہے کہ ایک دن امیر معاویہ کے دربار میں ابن سفیان نے حضرت علیؑ کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ کیا امیر معاویہ یہ بتا سکتے ہیں کہ ''حضرت علیؑ و امیر معاویہ کے درمیان کون زیادہ بہتر ہے؟'' معاویہ نے جواب دیا کہ ''حضرت علی کیونکہ ان کے اقدام و افعال زیادہ محتاط تھے اور میرے تحفظ کا باعث بنے''۔ اب مجمع کا سوال تھا ''امیر معاویہ! کیا آپ حضرت علیؑ سے زیادہ عظیم اور افضل ہیں؟' 'جواب ملا کہ ''ابن ابی طالب، ابی سفیان کے سبھی اخلاف سے بہتر ہیں''۔ اس پر بے تابانہ اور ایک ساتھ آواز اٹھی 'تو کیا سچائی اور حق علی کے ساتھ تھا۔ یا معاویہ کے ساتھ؟ معاویہ نے برملا کہا 'علی کے ساتھ' حیرت زدہ محفل پر سناٹا چھا گیا۔ مگر پھر پوچھا 'لیکن پھر آپ نے ان سے جنگ کیوں کی؟ آخر اس جنگ کی وجہ کیا تھی؟' معاویہ نے خندہ پیشانی سے حقیقت تسلیم کرنے میں عار نہ کی اور جواب دیا ''وہ لوگ جو بادشاہت کے خواہاں ہوتے ہیں وہ کسی سے سمجھوتہ کے قائل نہیں ہوتے نہ کسی کی اہمیت تسلیم کرنے پر تیار ہوتے ہیں، جو اقتدار کا جویا ہوتا ہے وہ رشتوں اور مناسبت کو مدنظر رکھ کر نہیں چل سکتا''؟۔

حضرت علی کی مقناطیسی شخصیت اور اعلیٰ صفات کا سحر انگیز اثر دیرپا ہی نہیں بلکہ صدیوں سے آج تک حیات کائنات پر چھایا ہوا ہے۔ حضرت علیؑ کے نام نامی کے دم قدم سے ہی کتنے پرچم دنیا میں لہرائے گئے اور کتنی تحریکیں دنیا میں مختلف کونوں اور زمانوں میں شروع ہوئیں ان سے حضرت علیؑ کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ۸۶۹ میں بغاوت کے دوران گندھک کی کھانوں میں کام کرنے والے زنگی، حبشی غلام مشرقی افریقہ میں ایک عرب علی ابن محمد کے خود کو علی کا اخلاف و وارث بتانے پر

اسے اپنا 'نیا مسیحا' سمجھ کر اس کے ارد گرد طواف کرنے لگے تھے۔ علی ابن محمد کے اس غلط دعویٰ اور نجات کا راستہ دکھانے کے وعدوں کی وجہ سے ان غلاموں کے سبھی طبقے ایک ایک کر کے اس کے علمبرداروں میں شامل ہو گئے۔ وسط ایشیا میں خوارزم شاہ نے ۶ صدیوں بعد علی کے حق اور سچ پر ہونے کی اہمیت پر زور دیا اور عباسی خلیفہ عبدالناصر کو غاصب بتاتے ہوئے اس کی جگہ براہ راست حضرت علیؑ کے وارث کو جانشین مقرر کرنا چاہا تھا۔

سلطان حسین بایقرا جو تیمور کا ہی ایک وارث تھا شیعہ مذہب اور علی کا دلدادہ تھا۔ یہ بات مختلف تاریخی ذرائع سے ثابت بھی ہوتی ہے۔ مشہور ہے کہ ۸۸۵ میں خواجہ خیران قریہ میں ایک دفعہ بایقرا سلطان نے ایک قبر دیکھی تھی جسے لوگوں نے کھودا تھا۔ اس خبر پر کہ شائد یہ قبر حضرت علیؑ کی ہو سلطان حسین دوڑتا ہوا وہاں پہنچا تھا اور فوراً یہ حکم دیا تھا کہ وہاں ملا بنائی نامی شخص کو جو اس وقت کا مشہور ملا، مورخ اور شاعر تھا بلایا جائے۔ ملا بنائی کو حکم دیا گیا کہ وہاں شاندار مقبرہ بنایا جائے جسے ایوان، بازار، دوکانوں حجروں اور گھروں سے سجا دیا جائے تا کہ وہاں ایک نیا مقبرہ سا بن جائے۔ بلخ کی ایک نہر شاہی اس جگہ کے لئے وقف میں دیدی گئی۔ سید تاج الدین اندخودی کو جو میر برکہ کا ایک اخلاف تھا، وہاں کا نقیب اور شیخ زادہ بسطامی کو وہاں کا شیخ مقرر کیا گیا۔ اس روضہ کی حفاظت و نظام و تنظیم کے لئے کئی اور اوقاف بھی مقرر کئے جس کے کچھ اصول اور قانون بنائے گئے تا کہ قاعدہ سے اسے چلایا جا سکے اور طلباء کے وظیفے، نوکروں کی تنخواہیں اور مزید اخراجات و نذرانوں کا بھی انتظام مکمل و بخوبی طور پر کیا جا سکے۔ فخرالدین علی بن حسین الواعظ الکاشفی نے جو جامی کے قریبی رشتہ دار بھی تھے اور جامی کے ہمعصر بھی (۱۵۰۶-۱۴۶۹) اپنی کتاب روضۃ الشہدا حضرت علیؑ اور ان کے جانشینوں کی شہادت پر لکھی ہے گو کہ وہ خود ایک پکے حنفی، سنی مسلمان تھے اور نقشبندی سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی کتاب رشحات عین الحیوۃ اسی سلسلہ کے بزرگ صوفیوں کے حالات زندگی اور ان کی تعلیمات پر مبنی ہے جسے خواجہ عبداللہ احرار۔ میر علی شیر نوائی جو پنجتن پاک کا عاشق بھی تھا اور پندرھویں صدی کا مشہور و معروف شاعر بھی اور جسے اوزبکوں نے آج بھی اپنا قومی شاعر ہونے کا شرف بخش رکھا ہے 'محمدؐ اور علیؑ' کا مداح اور گرویدہ تھا جس کا دل اور دماغ دونوں پیغمبر اکرم محمدؐ اور حضرت علیؑ کے لئے قربان تھے اور ان کے کام کے لئے وقف۔ علی شیر نوائی کا اعتقاد علی پر اتنا گہرا

اور زبردست تھا کہ انہوں نے مولانا حسین واعظ کا حال زندگی اسی سے متاثر ہوکر لکھا ہے اور یہ بھی کہ مولانا کے یہ الفاظ کہ حضرت 'علی کا عقیدہ اور مذہب تقلیدی تھا' ان کی موت کا باعث بنے۔

ویسے تو متعدد صوفی شعرا نے جوش و خروش سے علیؑ اور ان کے ورثاء کے لئے 'مناجات' منقبت اور قصیدے لکھے ہیں مگر یہ بھی دلچسپ بات ہے کہ اپنے سرپرست و مہربان شاعری کے دلدادہ شہنشاہوں کے لئے جو قصیدے لکھے گئے ہیں ان میں بھی وہ حضرت علیؑ کا نام جوڑنے سے نہیں چوکے۔ اس زمرۂ عقیدتمنداں میں ابوسعید حسن بن ابی الحسن لیساول بصری، فردوسی کا شاہنامہ اور شکایت نامہ اور ہجو بھی حضرت علیؑ کے عشق میں شرابور لگتے ہیں۔ فردوسی لکھتا ہے کہ وہ پیغمبر کا بندہ اور علی کا غلام ہے اور اس کی یہ بندگی اور نیازمندی رستاخیز کے وقت تک قائم رہے گی۔ اگر محمود غزنوی جیسا عظیم بادشاہ بھی اس کا قلع قمع کردے اور فردوسی کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے ڈال دے تو وہ دوبارہ اٹھے گا کیونکہ بادشاہ جانتا ہے کہ فردوسی حضرت علیؑ کے در کی خاک ہے۔

'چناں داں کہ خاک در حیدرم'

حافظ شیرازی کا قصیدہ بھی خط ناخن سے ابھرے ہوئے حرفوں میں نستعلیق میں لکھا ہوا ہے اور ابھی بھی مولانا آزاد لائبریری میں محفوظ ہے۔ جلال الدین رومی، وطراز میزدی کے قصیدے بھی مشہور ہیں۔

عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت علیؑ کے لئے پیغمبر محمدؐ نے یہ کہا تھا کہ میں مدینۃ العلم ہوں اور علی اس کا دروازہ حضرت علیؑ کو گرامر، تاریخ اور علم حساب پر بھی عبور تھا۔ انہوں نے عربی گرامر کی سائنس پر اور اس کی پیچیدگی پر ایک کتاب بھی تیار کرائی تھی۔ قرآن کی قرأت حلاوت بھی علیؑ کے زمانے سے شروع ہوئی۔ حضرت علیؑ کا کہنا تھا کہ علم دو طرح کا ہوتا ہے ایک مسموع جس کی تحصیل سن کر یا پڑھ کر حاصل کرنی ہوتی ہے۔ دوسرا مطبوع جو خداداد ہوتا ہے۔ مسموع علم بیکار ہوتا ہے بغیر مطبوع علم کے۔ اسی طرح جیسے نابینا کے لئے سورج کی روشنی۔

حضرت علیؑ پہلے شخص ہیں جو دنیائے اسلام میں فلسفہ الٰہی کی طرف متوجہ ہوئے اور براہ راست اس سے انہیں منطق اور دماغی قوتوں کو یکجا کرنے کا موقعہ ملا اور ایسے دقیق نکات انہوں نے نکالے جو ابھی تک کسی کی سمجھ میں نہ آئے تھے۔ ان کے شاگردوں میں اویس القرنی، کامل النحل، رشید الحیات، میسم التمر وغیرہ تھے۔ جنہیں بعد کے صوفیوں نے اسلام میں علم معرفت (gnosis) کا بانی کہا

ہے۔ جب حضرت علیؓ سے علم معرفت (gnosis) کی تعریف پوچھی گئی تو انہوں نے صرف یہ کہا کہ میں نے خدا کو جانا خدا کے ذریعہ اور وہ جو خدا نہیں ہے اسے بھی میں نے پہچانا خدا کے ہی نور سے۔ حضرت علیؓ ہر چیز میں اعتدال کے قائل تھے۔ اور ان کی نظر میں ہر اس شخص کو بہترین امت کہا جا سکتا تھا جو بیچ کا راستہ اختیار کرتے ہیں (النمتہ الاوسط) پیچھے چلنے والا رفتہ رفتہ اس تک پہنچ جاتا ہے اور کنز انسان واپس لوٹ کر پھر اسی کے پاس آتا ہے۔ حضرت علیؓ کی اہمیت واضح ہوتی ہے حضرت محمدؐ کے الفاظ ہیں کہ 'میں آگاہ کرنے والا ہوں اور علیؓ رہنما و رہبر ہیں'۔ اور علیؓ میرے لئے اس طرح ہیں جیسے موسیٰؑ کے لئے ہارون تھے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ میرے بعد کوئی پیغامبر نہ ہوگا۔

ہر صوفیانہ دائرہ میں حضرت علیؓ کو ملکہ حاصل تھا۔ علی بن عثمان الجویری صاف صاف کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی شہرت اور ان کا درجہ صوفیانہ حلقوں میں بیحد عظیم تھا۔ اصول حق کو انہوں نے بڑی گہرائی سے سمجھا اور بڑی خوش اسلوبی سے سمجھایا تھا۔ وہ صوفیوں کے لئے ایک نمونہ تھے جو اندرونی و بیرونی دونوں حقائق اور سچائی کو سمجھتے تھے۔ علی نے علم کی تحصیل کے لئے حوصلہ دیا (سرمایۂ علم لدنی)

شیخ جنید بھی علی کو اپنا شیخ مانتے تھے اصول میں بھی اور شدت احساس میں بھی تحمل میں بھی اور سوچ میں بھی۔ اصول اور عمل میں قوت برداشت و صبر ضروری تھا۔

مفتاح الطالبین کا مصنف تو اس حد تک لکھتا ہے کہ اقطاب ثلثہ میں جو اعلیٰ ترین مقام (ولایۂ عظمیٰ) کے باہری حلقہ میں جو ولایۂ محمدی ہے وہاں تک علی کا مدخل تھا۔ یہ بھی لکھا گیا ہے کہ خواجہ محمد پارسا نے اس پر زور دیا تھا کہ خلیفہ اول حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ زمرۂ اہل مشاہدہ میں، خلیفہ دوم حضرت عمر رضی اللہ عنہ اہل مجاہدہ کے زمرہ میں اور خلیفۂ سوم حضرت عثمان اور ۱۱؎ مسکیان امیرالمؤمنین حضرت علیؓ اہل معاینہ تھے جس کی صف یقیناً اولیں تھی کیونکہ ہجویری کہتا ہے کہ اہل سلوک میں مجاہد وہ ہیں جو اہل معاینہ کے عروج تک نہیں پہنچے۔ اہل معاینہ وہ ہیں جن کا عقیدہ و مذہب تکمیل کی حد تک پہونچ چکا ہو اور جنہیں بصیرت و بصارت دونوں حاصل ہو چکی ہوں اور جنہوں نے بغیر کسی پردہ کے خدا کی وحدت کی حقیقت کو سمجھ لیا ہو اور جو بے نقاب حقیقت منتظر کو سمجھ کر عشق کی تکمیل تک پہونچ چکے ہوں۔

حضرت علیؓ کے صوفیانہ انداز و آداب کے سلسلے سے وسط ایشیا کی تواریخ میں دو پہلو ملتے ہیں۔

ملفوظات کا جو ذخیرہ وہاں ہے اس میں بھی دو طرز بیان ہیں ۔ کچھ نے حضرت علیؓ کو نقشبندی سلسلہ کی اصل جان اور سرچشمہ کہا ہے مگر کچھ نے ان کا نام بھی نقشبندی صوفیوں کے شجرۂ روحانی میں شامل نہیں کیا۔ ملفوظات بہاء الدین نقشبند میں اس شجرہ کا سلسلہ کچھ اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

'حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام علم باطن میں دو طرف جڑے ہوئے تھے ایک طرف اپنے پدر گرامی امام محمد باقر سے جن کی روحانی راہ و روش امام زین العابدینؒ امام حسینؓ اور حضرت علیؓ سے ملتی تھیں پھر حضرت محمدؐ سے۔ دوسری طرف یہ روحانی بندھن ان کے نانا قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق سے جا ملتا ہے۔ خواجہ حسن نثاری بخاری (جوخود بھی ایک سولھویں صدی کے نقشبندی صوفی تھے اسی روحانی کڑی کی تائید کرتے ہیں کہ 'تصوف کی سرزمین میں ابوعلی فرمودی یعنی شیخ غزالی کے دوہرے انتساب تھے ایک حضرت شیخ جنید بغدادی سے تین قدموں اور ذریعوں سے اور دوسری طرف شیخ ابوالحسن خرقانی سے جن کا واسطہ ابو یزید بسطامی سے بھی تھا جو سلطان العارفین کہلاتے ہیں اور جن کا واسطہ حضرت امام باقر سے بھی تھا اور وہ حضرت زین العابدینؒ، امام حسینؓ، حضرت علیؓ اور حضرت محمدؐ تک پہونچتا تھا۔

دوسری طرح کی تواریخ و ملفوظات میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نقشبندیوں اور صوفیوں کا اولین صوفی بتایا گیا ہے جن کا روحانی سلسلہ حضرت محمد تک ملتا ہے اور ان کے چاروں اوتاد یعنی قوۃ انقلاب سے بھی۔ علی کو اس میں شامل کرنے سے احمد بن جلال الدین کاشانی نے بھی انکار کیا ہے۔ کاشانی کی کتاب رسالہ در بیان سلسلۂ نقشبندیہ میں صرف ابوبکر کا نام اس ضمن میں لیا جاتا ہے علی کا نہیں۔ شیخ احمد سرہندی نے بالکل دوسرا نیا خیال پیش کیا ہے جس میں امام جعفر صادق کو حضرت علیؓ اور حضرت ابوبکرؓ دونوں سے جڑے ہونے کی وجہ سے اہم کردار نبھاتے دکھایا ہے۔ چونکہ امام جعفر صادق کا شجرہ باپ کی طرف سے حضرت علیؓ اور ماں کی طرف سے حضرت ابوبکرؓ سے ملتا تھا کیونکہ ان کی ماں حضرت ابوبکرؓ کے پوتے قاسم بن محمد کی دختر نیک اختر تھیں اسی لئے امام نقی کے دور میں حضرت علیؓ و حضرت ابوبکرؓ کے صوفیانہ انداز ہم آہنگ ہو گئے۔ حضرت علیؓ کے صوفیانہ جذبوں میں علم کی بہتات پر زور تھا اور دونوں ہی پیغمبر کی محبت پر مبنی تھے ۔ موجودہ دور کے صوفی ادب میں بھی یہ طرز نمایاں ہے کہ کچھ تصوف کو اول و چوتھے خلیفہ سے منسوب کرتے ہیں یعنی ابوبکرؓ اور علیؓ سے اور یہ دونوں ہی

صوفیوں کے لحاظ سے بہت اہم و عظیم روحانی کردار ہیں۔ دوسرے کہتے ہیں کہ صرف ابو بکر رضی اللہ عنہ کو یہ سعادت حاصل ہے۔ ایک تیسرا حلقہ ان صوفیوں کا ہے جنھوں نے خود کو صرف ابو بکر یا علی سے نہیں جوڑا ہے بلکہ صرف حضرت محمد کے نام لیوا ہیں اور انہیں کے توسط سے دوسروں سے رابطہ رکھتے ہیں۔ حالانکہ جہر بھی نقشبندیوں میں عام تھا اور ذکر جہر اور ذکر خفی کا ذکر بھی ملتا ہے مگر کچھ اور اطلاعات بھی اس پر ہیں۔ شیعہ سلسلہ سلسلۃ الذہب یا گولڈن چین کا ذکر بار بار ان تاریخی کتابوں میں ملتا ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ماوراء النہر میں نقشبندیوں کی ایک شیعہ شاخ جو سنہری زنجیر کہلاتی تھی موجود تھی اور خاصی مقبول تھی۔ جامی نے اپنی 'سلسلۃ الذہب' کتاب میں، جو ۱۰۱۶ میں سمرقند میں لکھی گئی اس میں فرائضوں کو یعنی (درخدمت رفضنا) شیعوں کو نصاریٰ سے تشبیہ دیتے ہوئے یہ کہا ہے کہ وہ یسوع مسیح کو اپنا قبلہ مانتے ہیں اور علو کی وجہ سے علی کی اہمیت بڑھالیتے ہیں۔ جامی نے ایسے بھی صوفیوں کی تنقید کی ہے جو سر اور جہر کو اپنی ذاتی زندگی کی خوشیوں کا محور بنا کر خدا کے ذکر کو فراموش کر بیٹھتے ہیں۔ ایسے بھی اذکار میں بے ایمانی و مکاری شامل ہے۔ رسالہ کے خاتمہ پر امام شافعی کے کچھ کلام بھی دیے گئے ہیں۔ خواجہ باقی باللہ نے رسالۂ مبلغ الرجال میں جو کچھ لکھا ہے اس سے مختلف بیان دارالمعارف میں ملتا ہے۔ شیخ فریدالدین عطار اور مولانا رومی کی شاعری میں بھی علی کے لئے ایک دوسرا پیغام جو بڑا شیریں ہے ملتا ہے۔

نقشبندی سلسلہ میں حضرت علی کو اولین فنا کی حیثیت سے پیش کرنے میں حضرت علیؓ کے معتقدوں نے بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔ ذیقعدہ ۸۹۲ کے درمیانی سالوں میں مفتاح الطالبین میں یہ واقعہ درج ہے کہ سمرقند کے ایک درویش نے جو ذاتی طور پر ہر طرح کی پاک و صاف شخصیت رکھتا تھا اور جس کے معتقدین اور ساتھیوں کی تعداد بہت تھی اس نے ایک دفعہ حضرت علیؓ کو سمرقند کے چہارراتیل میں دیکھا۔ وہ گھوڑے پر سوار تھے اور ان کے ہاتھ میں ایک نشان تھا۔ حضرت علیؓ نے یہ اعلان کیا کہ ابھی تک یہ ولایت خلیفہ سے منسوب تھی جو حضرت ابوبکر صدیق تھے۔ اب یہ عہدہ مجھے دیا جا رہا ہے اور اس کا مناسب اعلان ہونا چاہئے۔ مفتاح الطالبین میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت ابو سعید بن الخیر اپنی روحانی تلاش و تجربوں کو جو ابتدائی دنوں میں ہوئے تھے برابر اپنے پیر کو بتاتے رہتے تھے انہوں نے کہا کہ گو انہوں نے ماوراء النہر کے شیخوں اور خواجہ کی رہنمائی اور طریقت کے

انداز سمجھنے کی کوشش کی ہے مگر وہ ان سے متاثر نہیں ہوا کیونکہ نہ ان کی معرفت نہ ہی ان کی مشکلات طریقت و طریق اس پر واضح ہوئی۔ مایوس ہوکر جب وہ خوارزم گیا اور وہیں کی خانقاہوں مسجدوں و مقبروں میں بشارت کی امید میں اور حوالات کی غیبی خواہش میں تڑپ رہا تھا اسی وقت ایک رات جب وہ سجدہ میں تھا اس نے ایک آواز سنی جو اسے بلا رہی تھی جب وہ مقررہ جگہ پر پہنچا تو اس نے دیکھا کہ وہاں کوئی نماز پڑھ رہا ہے۔ بعد میں پتہ چلا کہ وہ امیرالمومنین حضرت علیؑ ہیں۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا خواجہ ان کا مرید ہونا چاہیں گے۔ بیعت کے بعد کچھ تجربے بھی ہوئے۔

حالات دشمنان ابوسعید ابی الخیر میں بھی ابوسعید کا سلسلہ محض حضرت علیؑ اور حضرت محمدؐ سے وابستہ بتایا جاتا ہے۔ خوارزم میں شیخ نجم الدین کبریٰ و ان کے مریدوں کا سلسلہ بھی اسی طرح حضرت علیؑ سے ملتا ہے اور کمیل بن زیاد سے شروع ہوکر شیخ اسمٰعیل مقری پر ختم ہوتا ہے۔ نجم الدین کبریٰ کی حضرت علیؑ پر لکھی ہوئی نظمیں و منقبت بڑی فصیح و بلیغ اور بے حد موثر ہیں جن سے علم ہوتا ہے کہ عقیدتمندی اپنے عروج پر تھی۔ گوکہ نجم الدین کبریٰ کی منقبت اور ان کے عقائد دونوں ہی سے ان کے شیعہ رجحان رکھنے کا کہیں بھی شائبہ نہیں ملتا مگر وسط ایشیا میں کبراویہ سلسلہ کو اکثر و بیشتر شیعہ طور و طرز سے وابستہ سمجھا جاتا رہا ہے۔ مِیل کا یہ قول کہ شیخ نجم الدین کبریٰ کوئی سنی، شیعہ مذہب چلانا چاہتے تھے رضوی کے خیال میں صحیح نہیں ہے کیونکہ ان کے مطابق کم و بیش سبھی صوفی اسی قسم کے جذبات و خیالات رکھتے تھے۔ مگر اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ کبراویہ سلسلہ کی کئی کڑیوں اور لائنوں میں شیعہ میلان دیکھا جاسکتا ہے شائد یہ حضرت علیؑ کی شخصیت کا اثر تھا۔ یہ بھی سچ ہے کہ کبراویہ سلسلہ سے ہی ایک سلسلۃ الذہب ابھرا جو مکمل طور پر شیعہ تھا جو اناطولیہ کے بابائی سلسلہ کی طرح کافی حد تک علیؑ سے وابستہ تھے اور انہیں خدا کا سایہ ہی سمجھتے تھے اسی بابائی سلسلہ سے جانثاریوں کا بیکتا شیعہ آرڈر بھی ابھرا۔ اسی لئے تیمور نے غزاوات کا اعلان ترکی حسینی سنی حنفی مذہب ریاست کے خلاف کردیا۔

خراسان میں شیخ حیدر کا شیعہ سلسلہ اور شاہ نعمت اللہ ولی سمرقندی کا تعریف نعمت اللہیہ سلسلہ عام لوگوں میں بہت مقبول تھا۔ شیخ نعمت اللہ کو تیموری حاکم شاہ رخ کی سرپرستی حاصل تھی بعد میں احمد شاہ اول بہمنی شاہ دکن کی بھی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب خواجہ محمد ناصر نے (۱۶۹۴-۱۷۵۹) ایک نیا

مجددیہ نقشبندیہ سلسلہ ''طریقۂ محمدیہ'' شروع کیا تو ان کے فرزند میر درد نے اس سلسلہ کو مقبول و معرف بنایا، چونکہ وہ خود شیعہ تھا تو حضرت علیؑ کی عقیدت کچھ زیادہ گہری تھی اور انہیں کے زیر اثر۔

حضرت علیؑ کا تعلق حسن بصری سے کس انداز کا تھا اس پر بھی اختلاف رائے ہے۔ کچھ نے تو حضرت علیؑ و حسن بصری کو ایک ہی سمجھا ہے دوسروں نے حسن بصری کو حضرت علیؑ کا شاگرد بتایا ہے۔ اطہر عباس رضوی کا خیال ہے کہ حسن بصری نے حضرت علیؑ سے ہی ذکر سیکھا مگر اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان کا باہمی رابطہ طویل رہا ہوگو کہ دونوں نے ہی فتوتی سلسلہ کے آداب کافی حد تک اپنائے اور برقرار رکھے۔ مارٹن لنگ کی رائے اس بابت زیادہ واضح ہے کہ حسن بصری بہت ابتدائی زندگی سے حضرت علیؑ سے استفادہ و رہنمائی حاصل کر رہے تھے۔ حسن بصری سے ہی زیادہ تر صوفی سلسلے نکلے ہیں۔ یہ دلچسپ بات ہے کہ ابومحمد جعفر خلدی حسن بصری کے سلسلے سے کہیں بھی حضرت علیؑ کا نام نہیں لیتے، مگر کچھ ایرانی اور بغدادی مخطوطات میں حسن بصری کا گہرا تعلق حضرت علیؑ سے دلالت کرتا ہے۔ حضرت علیؑ کی مقبولیت صحیح معنوں میں اغی سلسلوں میں تھی جو کئی صدیوں تک غرباء میں مقبول تھا اور اس کا ذکر ابن بطوطہ کی تحریر میں ملتا ہے۔ علی کے طرز کو ہجویری نے فقر وصفا اور حب اللہ کا ایک نفیس مجموعہ کہا ہے۔ یہ پوچھنے پر کہ سب سے عزیز و صاف شئے کیا ہونی چاہئے۔ جواب ملا کہ **غنا القلب بالله** کیونکہ جو دل خدا کی محبت سے معمور ہو وہ دنیاوی نعمتوں سے محروم رہ کر بھی امیر رہتا ہے۔

علیؑ بھی سالک کے لئے لقمہ حرام سے پرہیز ضروری سمجھتے تھے۔ نقشبندیوں کی طرح وہ خدمت الملوک، نصف السلوک کے قائل نہ تھے۔ جلال الدین رومی نے علی کی ساری تعلیمات کی تفصیلات دی ہیں۔ علی اس کے قائل تھے کہ جس نے خود کو سمجھا اس نے خدا کو پالیا۔ حضرت علیؑ کی نفس کشی کی ہر جگہ تعریف کی گئی ہے۔ شرح جنید بغدادی میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ ایک سید بغداد حج کے لئے گیا اور جنید سے ملنے پہنچا اس نے کہا کہ وہ علی کی نسل کا ہے اور گیلان سے تعلق رکھتا ہے۔ جنید نے کہا ''علی نے اپنی تیغ دوبار چلائی ایک کافروں پر اور دوسری نفس پر''۔

نہج البلاغہ میں اپنے خطبے ۲۰۸ میں علیؑ نے اپنے خیالات کا اظہار اور تفصیل سے کیا ہے۔ ان کی رحمدلی کے ثبوت فوجی افسروں اور ٹیکس کلکٹروں کو لکھے گئے ان کے خطوط میں موجود ہیں۔

حضرت علیؑ کا دیوان فصاحت و بلاغت کا مجموعہ ہے ان کی مختلف النوع شخصیت کی تعریف جامی

نے میر علی شیر نوائی کو لکھے گئے اپنے خطوط میں کی ہے۔ سلطان حسن بایقرا کے دربار میں جب حضرت علیؑ کے ذریعہ لکھی گئی قرآن کی کاپی لائی گئی تو لوگ ان کی فنِ خطاطی پر حیرت زدہ رہ گئے تھے۔ حضرت علیؑ معما کے شائق اور مشاق و ماہر تھے۔ ان سبھی کا ذکر تفصیل سے وسط ایشیا کے مآخذ میں ملے گا۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت علیؑ کا الہام غیبی بھی غیر معمولی تھا اور منگولوں کے حملے کی پیش گوئی ایک مثال ہے۔ حکیم بن تورا نے کہا ہے کہ ان کی عوام سے محبت غیر معمولی تھی۔ شریعت سے انحراف کبھی نہیں کیا۔ ان کی مہر پر نقش خاتم الملک للہ الواحد القھار اور نعم القادر الا اللہ ثابت کرتا ہے کہ ان کی طرزِ حکومت کی بنیاد کیا تھی۔

تصوف وعرفان اسلامی

حضرت علیؑ سرچشمۂ عرفان

پروفیسر سید محمد عزیز الدین حسین ہمدانی

تصوف وعرفان کا تعلق صفائی باطن یا تصفیہ اخلاق و اصلاح وتعمیر ظاہری اور باطنی تعمیر ہے۔ ابوجحیفہ سے مروی ہے کہ رسول اللہؐ ہمارے ساتھ تشریف فرما تھے ایسی حالت میں آپ کا رنگ متغیر تھا آپ نے فرمایا "دنیا کی صفائی گئی اور کدورت باقی رہ گئی پس آج کل ہر مسلمان کے لئے موت ایک تحفہ ہے"۔[1] جب کوئی شخص عرفان کے ان رازہائے بستہ کی تلاش میں نکلتا ہے تو اس کے اندر کی روشنی اس میں مددگار ہوتی ہے۔ اور یہ روشنی اس کی اپنی اندرونی پاکیزگی کے ساتھ بڑھتی چلی جاتی ہے اور آخرکار اسے نفسانی خواہشات اور دنیاوی لذات سے دور کردیتی ہے زہد وفقر سے اس کو جلا حاصل ہوتی ہے۔ صرف ایک قوت جو تصوف وعرفان کی ترک لذات دنیوی سے ہمکنار کرتی ہے وہ ہے عشق۔ یہ اس راہ میں تمام تکالیف کو برداشت کرنے کی قوت عطا کرتی ہے۔

تصوف وعرفان سے متعلق تصورات قرآن حکیم میں موجود ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے "بیشک اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ اختیار کئے رہتے ہیں اور جو لوگ حسن سلوک اختیار کئے رہتے ہیں"۔[2] قرآن حکیم میں ارشاد ہو رہا ہے "اور اگر تم صبر اختیار کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو یہ معاملات کو پختگی سے انجام دینے کا طریقہ ہے"۔[3] پھر ارشاد باری ہے "سو تم نیک کاموں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے میں کوشش کرو۔[4] پھر ارشاد ہو رہا ہے "اور دنیوی زندگی تو کچھ بھی نہیں بجز کھیل تماشے کے اور تقویٰ رکھنے والوں کے حق میں یقیناً آخرت کا گھر کہیں بہتر ہے تو کیا تم عقل سے کام ہی نہیں لیتے"۔[5] اللہ صبر کو ترجیح دیتا ہے اور قرآن حکیم نے واضح کردیا "اور اللہ صبر کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے"۔[6] اور نیک کام کرتے رہو یقیناً وہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا

۱-رسالہ قشیریہ، ص۱۲۶ ۲-النمل: ۱۲۸ ۳-آل عمران: ۱۸۶ ۴-البقرہ: ۱۴۸

۵-الانعام: ۳۲ ۶-البقرہ: ۲۴۹

ہے۔ ۱؎ ارشاد باری تعالیٰ ہے" آپ نیکی سے بدی کو ٹال دیا کیجئے تو پھر یہ ہوگا کہ جس شخص میں اور آپ میں عداوت ہے وہ ایسا ہوجائے گا جیسے وہ آپ کا دلی دوست ہے۔ ۲؎ پھر ارشاد فرماتا ہے "ایسے لوگ جنہیں خرید وفروخت ذکر خدا، نماز وزکوٰۃ سے غافل نہیں کرتی"۔ ۳؎ جب عرفان کامل کے ساتھ حق تعالیٰ کی محبت وعشق کا جذبہ بھی عارف کے دل میں پیدا ہوجاتا ہے تو وہ اپنی عبدیت کی تحقیق کے ساتھ جنت ذات میں داخل ہوجاتا ہے اور ہر وقت چشمہ قرب سے شراب محبت میں سرشار رہتا ہے دعوتی کلمہ لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے جزو اول سے بھی ہمیں یہی عرفان حاصل ہوتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآنی جمالیات کا مکمل اور اعلیٰ ترین نمونہ و پیکر ہیں جیسا کہ قرآن حکیم میں آپ کے لئے ارشاد ہوا ۔ بے شک تم خُلق عظیم پر فائض ہو۔ آپؐ نے فرمایا مومن سراپا الفت و محبت ہے اس آدمی میں سرے سے کوئی بھلائی نہیں جو نہ دوسرے لوگوں سے محبت کا سلوک کرے اور نہ دوسرے ہی اس سے محبت کریں۔ (مشکوٰۃ) حضرت ابوموسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ صحابہ نے رسول اللہؐ سے عرض کیا یا رسول اللہؐ کونسا مسلمان افضل ہے فرمایا جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان سلامت رہیں. حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا" نیکی کی رہنمائی کرنے والا نیکی کرنے والے کے مثل ہے اور اللہ تعالیٰ مصیبت زدہ کی دستگیری کو پسند کرتا ہے۔ ہمارے نبیؐ کا ارشاد ہے کہ تمام عالم کے لئے دعا مانگو شاید اللہ تعالیٰ تم پر بھی رحم کرے" پیغمبر کا فخر" "میرا فقر میرا امتیاز ہے" حضور انور اس دعاء سے محبت ہی کو طلب کرنے کی تعلیم دے رہے ہیں۔ کیونکہ عرفان کے بغیر رویت نہیں اور رویت و محبت کے بغیر لذت نہیں۔ ظاہر ہے کہ جس چیز کی معرفت ہی نہ ہو۔ انسان کو اس کی رویت کا بھی اشتیاق نہ ہوگا اور جس کو اشتیاق ہی نہ ہو اس کو رویت سے لذت بھی حاصل نہیں ہوگی۔ لہٰذا لذت کی حقیقت محبت ہے اور محبت رویت پر منحصر ہے اور رویت بغیر معرفت کے ناممکن۔ ظاہر ہے کہ عرفان وعشق دونوں ضروری ہیں اور ان ہی کا نتیجہ لذت ہے۔ رسول اللہؐ نے اپنی بعثت کا مقصود ہی مکارم اخلاق کی تکمیل بیان کرنے پر رکھا۔

حضرت علیؑ کی شخصیت کی تعمیر میں آنحضرتؐ کا بڑا اہم کردار رہا ہے۔ مولا علی کی شخصیت کے مختلف عناصر کی تشکیل بلاواسطہ رسولِ خداؐ کی نگرانی میں ہوئی یہاں تک کہ آپ کی ذات گرامی نبوت

۱-البقرہ: ۱۹۰ ۲- حم السجدۃ: ۳۴ ۳- نور: ۳۷

اور اس کی خصوصیات کے علاوہ رسولِ خداؐ کی شخصیت کے مختلف فکری اور اعتقادی زاویوں کی ایک حقیقی تصویر بن گئی۔ حضرت عمار یاسر فرماتے ہیں" رسول خدا نے علی کو مخاطب کر کے فرمایا" خداوند عالم تمہیں ایسے زیورات سے سجائے جن سے اس نے اپنے کسی بندے کو آراستہ نہ کیا ہو۔ وہ خدا کے خالص اور نیک بندوں کا مخصوص زیور ہے جو زہد اور دنیا سے بے رغبتی ہے تمہیں خدا نے ایسا بنایا ہے کہ تم دنیا کی کسی بھی شے سے اپنے آپ کو آلودہ نہ کرو"۔[۱]

ام سلمی سے روایت ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا۔ خداوند عالم نے ہر نبی کے لئے ایک وصی منتخب کیا ہے اور میرے بعد علیؑ میری عترت، میرے اہل بیت اور میری امت میں میرے وصی ہیں" شیخ شرف الدین یحییٰ منیری فرماتے ہیں قاضی نے عرض کی کہ اس آیت کریمہ: **و یطعمون الطعام علی حبه مسکیناً و یتیماً و اسیرا**. اور کھانا کھلاتے ہیں اس کی محبت میں مسکین اور یتیم اور اسیر کو۔ کا نزول کس کے حق میں ہے؟ حضرت مخدوم عظمہ اللہ نے فرمایا اس کا نزول امیرالمومنین علی کرم اللہ وجہہ کے حق میں ہے اس کا قصہ یوں ہے کہ امیرالمومنین حسن و حسین رضی اللہ عنہما علیل ہو گئے۔ حضور پرنور رسول خداؐ ان دونوں کو دیکھنے کے لئے آئے۔ سیدۃ النسا فاطمۃ الزہراؑ اور سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما سے فرمایا۔ آپ دونوں منت مان لیجئے۔ اس نذر کی برکت سے خداوند تعالیٰ انہیں شفا عطا فرمائے گا۔ امیرالمومنین حضرت علیؑ اور سیدۃ النسا فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے تین روزوں کی نذر مان لی۔ اس وقت فضہ نامی کنیز بھی آپ کے پاس تھیں انہوں نے بھی ان دونوں کی موافقت میں منت مان لی اس کے بعد اللہ رب العزت نے امیرالمومنین حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو شفا عطا فرمائی اس کے بعد منت ادا کرنے کے لئے روزہ رکھنا شروع کیا۔ پہلے دن جب روزہ رکھا تو شام کے وقت تین روٹیاں پکائیں۔ افطار کے لئے جب روٹی سامنے رکھی گئی اس وقت ایک مسکین نے آ کر صدا دی کہ اے اہل بیت نبوت والرحمہ مسکینوں میں سے ایک مسکین ہوں مجھے کھلایئے۔ امیرالمومنین حضرت علیؑ و فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنی دونوں روٹیاں اس مسکین کو دیدیں اور ان کی کنیز نے بھی اپنی روٹی دے دی۔ اور پھر دوسرے اور تیسرے دن بھی ایسا ہی ہوا۔ اس کے بعد جناب جبرئیل علیہ السلام یہ آیہ کریمہ لے کر حضور کے پاس آئے۔ اس آیت کا نزول انہیں کے حق میں ہے اس کام کا صدور چونکہ انہیں اہل بیت سے ہوا اس لئے مفسرین کا اس پر اتفاق ہے اس آیت کا نزول انہیں کے حق میں ہے۔[۲] حافظ

۱- مناقب آل ابی طالب، ص ۲۹۳ ۲- معدن المعانی، ص ۵۰۷

شاہ محمد علی حیدر، ''مناقب المرتضیٰ من مواھب المصطفیٰ'' میں غدیر کا واقعہ ان الفاظ میں رقم فرماتے ہیں۔ ''جس سال حضور اکرمؐ نے حج آخر کیا، راستے میں ایک جگہ ٹھہر کر رسول خدا نے حکم دیا: نماز با جماعت پڑھی جائے۔ اس کے بعد آپ نے علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: کیا میں مومنوں کے نفسوں پر ان سے زیادہ حقدار نہیں ہوں؟ تو انہوں نے کہا کیوں نہیں؟ تب آنحضرتؐ نے فرمایا: تو یہ علی بھی اس کے ولی ہیں جس کا میں مولا ہوں۔ پروردگارا! اسے دوست رکھنا جو اسے دوست رکھے اور اسے دشمن رکھنا جو اس سے دشمنی کرے'' اس دور کی اہم شخصیات جن حضرات نے حدیث غدیر کو روایت کیا ہے ان میں حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت عباس بن المطلب، حضرت عمار یاسر، حضرت ام سلمیٰ، حضرت فاطمہ بنت حمزہ وغیرہ کے نام بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ ابن حجر کی صواعق محرقہ میں ابن المسیب سے روایت کرتے ہیں کہ ''حضرت عمر فرماتے تھے اشراف کو قتل کرو اور ان کو دوست رکھو اور کمینہ آدمیوں سے آبرو بچاؤ اور یہ سمجھ لو کہ کوئی شرف تمام نہیں ہوتا بغیر علی کی ولایت کے۔[1] اموی حکمراں عمر بن عبدالعزیز کا قول ہے۔ رسول اللہؐ کے بعد امت مسلمہ میں کوئی شخص ایسا نظر نہیں آتا جو علی سے زیادہ زاہد ہو انہوں نے اینٹ پر اینٹ نہیں رکھی یہاں تک کہ سرکنڈوں کی چھت بھی نہ بنائی۔[2]

مولانا ضیاء الدین برنی جو حضرت نظام الدین اولیاء کے مرید تھے، لکھتے ہیں'' صحابہ میں مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو کئی حیثیتوں سے مسلمہ طور پر شرف حاصل ہے۔ سب سے پہلے یہ کہ وہ رسول اللہؐ کے چچازاد بھائی۔ دوسرے یہ کہ حضرت مصطفیٰؐ نے حضرت علی کی ماں اور باپ کی تربیت میں پرورش پائی۔ تیسرے یہ کہ رسول اللہؐ کے نور نظر یعنی حسن و حسین کے باپ تھے۔ چوتھے یہ کہ پیغمبرؐ نے ان کو صحابہ میں سب سے بڑا زاہد کہا ہے، پانچویں یہ کہ صحابہ میں وسعتِ علم کے لحاظ سے ان کی نظیر نہ تھی، چھٹے یہ کہ بیعت اسلام سے پہلے بھی، کفر و شرک ان کے دل میں ایک لمحہ کے لئے بھی داخل نہ ہوا۔ ساتویں یہ کہ ان کی سخاوت کے متعلق چند آیتیں نازل ہوئیں۔[3] عقبہ بن علقمہ بیان کرتے ہیں کہ میں علی کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ آپ کے سامنے سوکھی ہوئی روٹیاں رکھی ہوئی ہیں اور اس کے ٹکڑے کھا رہے ہیں۔ میں نے کہا: امیرالمومنین آپ یہ کھاتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا رسول خداؐ اس سے زیادہ خشک روٹی کھاتے تھے اور اس سے زیادہ کھردرا لباس پہنتے تھے۔ لہٰذا میں نے اگر ان باتوں پر

۱- صواعق محرقہ، ص ۱۰۹ ۲- تذکرۃ الخواص، ص ۱۱۷ ۳- تاریخ فیروز شاہی، ص ۴۵

عمل نہ کیا جن پر آنحضرتؐ عمل کرتے تھے تو مجھے ڈر ہے کہ میں ان سے ملحق ہی نہ ہوسکوں گا۔ آپ فرماتے ہیں کہ حکم خدا کو وہی شخص رائج کرسکتا ہے جو سازش، ضعیف عمل اور ہوائے نفس کی پیروی کرنے والا نہ ہو۔ ان ہی خصائص کی بنا پر زیادہ تر صوفیائے کرام مولا علی کی ولایت کے قائل ہیں۔

تربیت، علم وتعلیم کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے اپنے بیٹے حسن سے خطاب کرتے ہیں۔ ''تمہاری اخلاقی تربیت بھی پیش نظر ہے لہٰذا مناسب سمجھا کہ یہ تعلیم وتربیت اس حالت میں ہو کہ تم نو عمر اور بساط دہر پر تازہ وارد ہو اور تمہاری نیت کھری اور نفس پاکیزہ ہو اور میں نے چاہا تھا کہ پہلے کتاب خدا، احکام شرع اور حلال وحرام کی تعلیم دوں اور اس کے علاوہ دوسری چیزوں کا رخ نہ کروں لیکن یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ کہیں وہ چیزیں جن میں لوگوں کے عقائد اور مذہبی خیالات میں اختلاف ہے تم پر اسی طرح مشتبہ نہ ہوجائیں جیسے ان پر مشتبہ ہوگئی ہیں باوجود یہ کہ ان غلط عقائد کا تذکرہ تم سے مجھے ناپسند تھا۔ مگر اس پہلو کو مضبوط کردینا تمہارے لئے مجھے بہتر معلوم ہوا'' [۱] پھر علم کے حصول کے سائنٹفک طریقہ پر جو آج جدید تاریخ نگاری میں رائج ہے فرماتے ہیں ''جس راہ پر تمہارے آباواجداد اور تمہارے گھرانے کے افراد چلتے رہے ہیں اسی پر چلتے رہو لیکن اگر تمہارا نفس اس کے لئے تیار نہ ہو کہ بغیر ذاتی تحقیق سے علم حاصل کئے ہوئے جس طرح انہوں نے حاصل کیا تھا ان باتوں کو قبول کرے تو بہرحال یہ لازم ہے کہ تمہارے طلب کا انداز سیکھنے اور سمجھنے کا ہو اور جب یہ یقین ہوجائے کہ اب تمہارا دل صاف ہوگیا ہے اور اس میں اثر لینے کی صلاحیت پیدا ہوگئی ہے اور ذہن پورے طور پر یکسوئی کے ساتھ تیار ہے اور تمہارا ذوق وشوق ایک نقطۂ نظر پر جم گیا ہے تو پھر ان مسائل پر غور کرو جو میں نے تمہارے سامنے بیان کئے ہیں۔ [۲]

علمائے بےعمل کی مذمت ان الفاظ میں فرماتے ہیں ''تم کو ان لوگوں میں سے نہ ہونا چاہئے کہ جو عمل کے بغیر حسن انجام کی امید رکھتے ہیں اور امیدیں بڑھا کر توبہ کو تاخیر میں ڈال دیتے ہیں جو دنیا کے بارے میں زاہدوں کی سی باتیں کرتے ہیں مگر ان کے اعمال دنیا طلبوں کے لئے ہوتے ہیں۔ اگر دنیا انہیں ملے تو وہ سیر نہیں ہوتے اور اگر نہ ملے تو قناعت نہیں کرتے جو انہیں ملا ہے اس پر شکر سے قاصر رہتے ہیں اور جو بچ رہا ہے اس کے اضافہ کے خواہشمند رہتے ہیں۔ دوسروں کو منع کرتے ہیں اور خود باز نہیں آتے۔ [۳] عالم بےعمل کی مزید مذمت وضاحت کے ساتھ ان الفاظ میں فرماتے ہیں

۱- نہج البلاغہ ۲۹۴ ۲- نہج البلاغہ ۷۰۲ ۳- نہج البلاغہ ۸۵۳

''وہ عالم جو اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کرتا وہ اس سرگرداں جاہل کے مانند ہے جو جہالت کی سرمستیوں سے ہوش میں نہیں آتا۔ بلکہ اس پر اللہ کی حجت زیادہ ہے اور اللہ کے نزدیک وہ زیادہ قابل مذمت ہے''۔[۱]

قرآن حکیم کی اس آیت یعنی ''نصیحت و عبرت حاصل کرو گذرے ہوئے لوگوں کے اچھے اور برے معاملات سے'' آپ فرماتے ہیں ''اگرچہ میں نے اتنی عمر نہیں پائی جتنی اگلے لوگوں کی ہوا کرتی تھی۔ پھر بھی میں نے ان کی کارگذاریوں کو دیکھا، ان کے حالات و واقعات میں غور کیا اور ان کے چھوڑے ہوئے نشانات میں سیر و سیاحت کی، یہاں تک کہ گویا میں بھی انہیں میں کا ایک ہو چکا ہوں بلکہ ان سب کے حالات و معلومات جو مجھ تک پہونچ گئے ہیں ان کی وجہ سے ایسا ہے کہ گویا میں نے ان کے اول سے لے کر آخر تک کے ساتھ زندگی گزاری ہے''۔[۲] یہ مولا علی کا نہایت اہم خطبہ ہے اس لئے کہ اس خطبہ میں آپ نے تاریخ کے مطالعہ کی اہمیت کو واضح الفاظ میں بیان فرمایا ہے جو زہد و عرفان کے سفر میں بڑی مدد کی حامل ہے۔ لیکن آج ہمارا حشر یہ ہے کہ ہم اپنی تاریخ سے ہی واقف نہیں۔

پھر حصول علم کے بعد کیا ہوتا ہے آپ فرماتے ہیں ''علم نے انہیں ایک دم حقیقت و بصیرت کے انکشافات تک پہنچا دیا ہے وہ یقین و اعتماد کی روح سے گھل مل گئے ہیں اور ان چیزوں کو جنہیں آرام پسند لوگوں نے دشوار قرار دے رکھا تھا اپنے لئے سہل و آسان سمجھ لیا ہے اور جن چیزوں سے جاہل بھڑک اٹھتے ہیں ان سے وہ جی لگائے بیٹھے ہیں وہ ایسے جسموں کے ساتھ دنیا میں رہتے ہیں کہ جن کی روحیں ملاء اعلیٰ سے وابستہ ہیں۔ یہی لوگ تو زمین میں اللہ کے نائب اور اس کے دین کی طرف دعوت دینے والے ہیں۔ ہائے ان کی دید کے لئے میرے شوق کی فراوانی۔[۳] مولا علی کے قول کے مطابق اولیاء اللہ کی شناخت یہ طے پائی کہ وہ عالم باعمل ہوں گے اور ایسی شخصیات کو آپ نے اللہ کا نائب قرار دیا اس لئے کہ یہی لوگ دوسرے لوگوں کو دین کی دعوت دیں گے۔

پھر آپ ہدایت فرماتے ہیں ''کہ اللہ کا کوئی شریک نہ ٹھہراؤ اور محمدؐ کی سنت کو ضائع و برباد نہ کرو۔ ان دونوں ستونوں کو قائم و برقرار رکھو اور ان دونوں چراغوں کو روشن کئے رہو''۔[۴] اس کے بعد فرماتے ہیں ''اللہ کے ذکر میں بڑھے چلو اس لئے کہ وہ بہترین ذکر ہے اور اس چیز کے خواہشمند بنو

۱- نہج البلاغہ ۳۱۲ ۲- نہج البلاغہ، ۶۹۴ ۳- نہج البلاغہ، ۸۵۲ ۴- نہج البلاغہ ۳۹۰

کہ جس کا اللہ نے پرہیزگاروں سے وعدہ کیا ہے۔ نبیؐ کی سیرت کی پیروی کردہ بہترین سیرت ہے اور ان کی سیرت پر چلو، کہ وہ سب طریقوں سے بڑھ کر ہدایت کرنے والی ہے''۔[۱] یہ وہ حضرات تھے جنہیں ہر وقت امت کا خیال رہتا تھا اور خواہشمند رہتے تھے کہ امت سیدھے راستے پر چلے۔ لہٰذا ان الفاظ میں ان خطرات سے دور رہنے کی ہدایت فرماتے ہیں'' اے لوگو! مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ دو باتوں کا ڈر ہے ایک خواہشوں کی پیروی اور دوسرے امیدوں کا پھیلاؤ۔ خواہشوں کی پیروی وہ چیز ہے جو حق کو روک دیتی ہے اور امیدوں کا پھیلاؤ آخرت کو بھلا دیتا ہے''۔[۲] اس کی اصلاح کیسے ہوتی تو آپ نصیحت فرماتے ہیں'' تقویٰ کے لئے اللہ سے اعانت چاہو اور تقرب الٰہی کے لئے اس سے مدد مانگو، اس لئے کہ تقویٰ آج دنیا میں پناہ و سپر ہے اور کل جنت کی راہ ہے۔ اسے اپنے دلوں کا شعار بناؤ اور گناہوں کو اس کے ذریعہ دھو ڈالو''۔[۳] عصبیت سے پاک معاشرہ کے سلسلے میں ہدایت فرماتے ہیں'' دیکھو! اپنے ایسے سرداروں اور بڑوں کا اتباع کرنے سے ڈرو جو اپنی جاہ و حشمت پر اکڑتے اور نسب کی بلندیوں پر غرہ کرتے ہوں۔ یہی لوگ تو عصبیت کی عمارت کی گہری بنیاد ہیں''۔[۴] ایرانی شاعر جامی نے مولاعلیؑ کے ان ارشادات کو کس خوبصورت انداز میں اپنے شعر میں سمو دیا ہے:

بندہ عشق شدی ترک نسب کن جامی
کہ در این راہ فلاں ابن فلاں چیزی نیست

فضیلت کے بارے میں خطبہ حجۃ الوداع کی تفسیر ان الفاظ میں فرماتے ہیں'' فضیلت ان کے لئے ہے جو پرہیزگار ہیں اللہ کی حرام کردہ چیزوں سے انہوں نے آنکھیں بند کرلیں اور فائدہ مند پر کان دھر لئے ہیں۔ ان کے نفس زحمت و تکلیف میں بھی ویسے رہتے ہیں جیسے آرام و آسائش میں''۔[۵] کون وہ لوگ ہیں انہیں کیسے پہچانا جاسکتا ہے آپ ان کی شناخت بتلاتے ہیں'' ان کے بدن لاغر، ضروریات کم، اور نفس، نفسانی خواہشات سے بری ہیں۔ دنیا نے انہیں چاہا مگر انہوں نے دنیا کو نہیں چاہا۔ اس نے انہیں قیدی بنایا تو انہوں نے اپنے نفسوں کا فدیہ دے کر اپنے کو چھڑا لیا۔ دن ہوتا ہے تو وہ دانشمند، عالم، نیکوکار اور پرہیزگار نظر آتے ہیں''۔[۶]

۱- نہج البلاغہ ۳۱۶ ۲- نہج البلاغہ ۱۸۵ ۳- نہج البلاغہ ۱۱۵ ۴- نہج البلاغہ ۵۱۹
۵- نہج البلاغہ ۵۱۴ ۶- نہج البلاغہ ۵۴۲

قرآن حکیم کی اس آیت ''ایسے لوگ جنہیں خرید وفروخت ذکر خدا سے غافل نہیں کرتی'' کی تفسیر ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں۔ وہ لوگ ایسے ہیں جنہیں تجارت اور خرید وفروخت ذکر الٰہی سے غافل نہیں بناتی۔ کچھ اہل ذکر ہوتے ہیں جنہوں نے یادِ الٰہی کو دنیا کے بدلے میں لے لیا ہے۔ انہیں نہ تجارت اس سے غافل رکھتی ہے نہ خرید وفروخت اسی کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں''۔[۱] عبادت کی مختلف اقسام اور نیت کے بارے میں بتاتے ہیں۔ ''ایک جماعت نے اللہ کی عبادت تو اب کی رغبت وخواہش کے پیش نظر کی یہ سودا کرنے والوں کی عبادت ہے اور ایک جماعت نے خوف کی وجہ سے اس کی عبادت کی یہ غلاموں کی عبادت ہے اور ایک جماعت نے ازروے شکر و سپاس گذاری اس کی عبادت کی، یہ آزادوں کی عبادت ہے''۔[۲] لوگوں کو تنبیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''اے خدا کے بندے جھٹ سے کسی پر گناہ کا عیب نہ لگا۔ شاید اللہ نے وہ بخش دیا ہو اور اپنے کسی چھوٹے گناہ کے لئے بھی اطمینان نہ کرنا شاید کہ اس پر تجھے عذاب ہو''۔[۳]

دنیا کے بارے میں فرماتے ہیں ''تم اس دار دنیا میں کہ جو تمہارے رہنے کا گھر نہیں ہے مسافر راہ نورد ہو اس میں تمہیں کوچ کرنے کی خبر دی جاچکی ہے اور اس میں رہتے ہوئے تمہیں زاد کے مہیا کرنے کا حکم دیا گیا ہے''۔[۴] صوفیا پر ایک الزام اکثر جبلا لگاتے ہیں کہ انہوں نے دنیا چھوڑنے کی تبلیغ کی دراصل وہ جماعت تارک الدنیا کے معنی کو ہی نہ سمجھ سکی۔ صوفیا کے ولی کا ارشاد ہے۔ ''بلاشبہ دنیا اس شخص کے لئے جو باور کرے، سچائی کا گھر ہے اور اس کی باتوں کو سمجھے اس کے لئے امن و عافیت کی منزل ہے اور اس سے زادِ راہ حاصل کرے، اس کے لئے دولتمندی کی منزل ہے اور جو اس سے وعظ ونصیحت حاصل کرے اس کے لئے وعظ ونصیحت کا محل ہے۔ یہ دوستان خدا کے لئے عبادت کی جگہ ہے۔ اللہ کے فرشتوں کے لئے نماز پڑھنے کا مقام، وحی الٰہی کی منزل اور اولیاء اللہ کی تجارت گاہ ہے اس میں انہوں نے فضل و رحمت کا سودا کیا اور اس میں رہتے ہوئے جنت کو فائدہ میں حاصل کرلیا تو اب کون ہے جو دنیا کی برائی کرے جب کہ اس نے اپنے جدا ہونے کی اطلاع دے دی ہے''۔[۵] اسلام رہبانیت میں یقین نہیں رکھتا جب علاء ابن زیاد نے کہا کہ یا امیرالمومنین مجھے اپنے بھائی عاصم ابن زیاد کی آپ سے شکایت کرنا ہے حضرت نے پوچھا کیوں اسے کیا ہوا۔ علاء نے کہا

۱۔ نہج البلاغہ ۸۳۴ ۲۔ نہج البلاغہ ۸۷۶ ۳۔ نہج البلاغہ ۳۸۶ ۴۔ نہج البلاغہ ۴۸۵
۵۔ نہج البلاغہ ۸۴

کہ اس نے بالوں کی چادر اوڑھ لی ہے اور دنیا سے اس کا بالکل بے لگاؤ ہوگیا ہے تو حضرت نے کہا کہ اسے میرے پاس لاؤ جب وہ آیا تو آپ نے فرمایا: اپنی جان کے دشمن تمہیں شیطان خبیث نے بھٹکا دیا ہے تمہیں اپنی آل اولاد پر ترس نہیں آتا کیا تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ اللہ نے جن پاکیزہ چیزوں کو تمہارے لئے حلال کیا ہے اگر تم انہیں کھاؤ، برتو گے تو اسے ناگوار گزرے گا۔ تم اللہ کی نظروں میں اس سے زیادہ گرے ہوئے ہو کہ وہ تمہارے لئے یہ چاہے"۔[1]

حدیث محمد رسول اللہؐ ہے، **الکاسب حبیب الله**۔ روزی کمانے والا اللہ کا دوست ہے۔ امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ امام علی پھاوڑا چلاتے تھے اور زمین کو قابل کاشت بناتے تھے۔ اسلام نے حلال روزی کمانے کو عبادت کا درجہ دیا ہے۔ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعا فرماتے ہیں "خدایا، میری آبرو کو غنا و تونگری کے ساتھ محفوظ رکھ اور فقر و تنگ دستی سے میری منزلت کو نظروں سے نہ گرا کہ تجھ سے رزق مانگنے والوں سے رزق مانگنے لگوں"۔[2]

ایوب بن علیہ حذا کہتے ہیں میں نے امام جعفر صادق کو یہ فرماتے سنا: رسول اللہؐ نے مال غنیمت تقسیم کیا تو حضرت علیؑ کے حصہ میں زمین آئی آپ نے اس زمین میں چشمہ کھودا اور اس کا نام ینبع رکھا لوگوں نے علی کو اس کے لئے مبارک باد دی تو آپ نے فرمایا: اس کے اصل وارث کو بشارت دو میں نے اسے خدا کی راہ میں حج کرنے والوں کے نام وقف کر دیا۔ یہ کبھی فروخت نہیں کی جاسکتی اور نہ ہی کسی کو ہبہ کی جاسکتی ہے اور نہ یہ وراثت میں کسی کو حاصل ہوگی" مسلمان اس نکتے کو سمجھیں کہ جو زمین کا ٹکڑا انہیں ملا اس کو مولا علی نے موروثی زمینداری میں تبدیل نہیں کیا بلکہ حجاج کے لئے وقف کر دیا اور اپنی روزی کا ذریعہ مزدوری پر ہی رکھا۔ جب انہیں اطلاع ملی کہ عثمان بن حنیف والیٔ بصرہ نے بصرہ کے جوانوں میں سے ایک جوان کی دعوت کو قبول کیا تو آپ ان الفاظ میں تنبیہ فرماتے ہیں "تم لپک کر ان کی دعوت کھانے پہنچ گئے کہ رنگا رنگ کے عمدہ کھانے تمہیں کھانے کو ملیں۔ مجھے امید نہ تھی کہ تم ان لوگوں کی دعوت قبول کرو گے کہ جن کے یہاں فقیر و نادار دھتکارے گئے ہوں اور دولت مند مدعو ہوں۔ جو لقمے چباتے ہو انہیں دیکھ لیا کرو اور جس کے متعلق شبہ بھی ہو اسے چھوڑ دیا کرو اور جس کے پاک و پاکیزہ طریق سے حاصل ہونے کا یقین ہو اس میں سے کھاؤ"۔[3]

اولیاء اللہ کی عظمت کے بارے میں فرماتے ہیں "انبیاء سے زیادہ خصوصیت ان لوگوں کو حاصل

۱- نہج البلاغہ ۵۷۲ ۲- نہج البلاغہ ۶۱۳ ۳- نہج البلاغہ ۷۲۵

ہوتی ہے کہ جو ان کی لائی ہوئی چیزوں کا زیادہ علم رکھتے ہیں۔ پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی" ابراہیم سے زیادہ خصوصیت ان لوگوں کو حاصل تھی جو ان کے فرمانبردار تھے"۔ اور اب اس نبی اور ایمان لانے والوں کو یہ خصوصیت ہے۔ حضرت محمدؐ کا دوست وہ ہے جو اللہ کی اطاعت کرے اور ان کا دشمن وہ ہے جو اللہ کی نافرمانی کرے اگرچہ نزدیکی قرابت رکھتا ہو"۔[1] حضرت امام جعفر صادق صوفی کی تعریف ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں" جو باطن رسول پر زندگی بسر کرے وہ صوفی ہے"۔ رابعہ عدویہ رحمۃ اللہ علیہا سے پوچھا گیا کہ" شیطان اللہ کا دشمن ہے تم اس کو دشمن رکھتی ہو؟ کہا کہ مجھ کو اللہ کی محبت سے اتنی فرصت کہاں کہ اس کی طرف توجہ بھی کروں"۔

صوفیا نے حضرت علیؑ کی ولایت کو رسول اکرمؐ کے اس ارشاد کے مطابق میرے بعد" علی میرے وصی ہوں گے اور یہ علی بھی اس کے ولی ہیں جس کا میں مولا ہوں" جو راستہ حضرت علیؑ نے اپنایا کہ "اگر میں نے ان باتوں پر عمل نہ کیا آنحضرتؐ عمل کرتے تھے تو مجھے ڈر ہے کہ میں ان سے ملحق ہی نہ ہوسکوں گا"۔ وہی اتباع صوفیا نے کی کہ ان باتوں پر عمل کیا کہ جن پر آنحضرت عمل کرتے تھے اور ان کے بعد حضرت علیؑ کو اپنا ولی تسلیم کیا جیسا کہ حسن نظامیؒ نے کہا تھا" خدا کے بعد نبی ہیں، نبی کے بعد علی" صوفیا کا یہی راستہ ہے۔ پھر صوفیا نے جس بات پر سختی سے عمل کیا وہ مولا علی کا ارشاد ہے "جو ہم اہل بیت سے محبت کرے اسے جامہ فقر پہننے کے لئے آمادہ رہنا چاہئے"۔[2] لہذا جن راستوں پر حضرت علیؑ نے چلنے کو کہا، مثلاً زہد و تقویٰ اختیار کرنے، عالم باعمل، نبی کی سیرت کی پیروی، جاہ و حشمت اور نسب کی بلندی سے دور رہنے، اکل حلال حاصل کرنے اور لقمہ حرام سے دور رہنے، دنیا اور دنیا والوں کے درمیان رہنے، نفس کو نفسانی خواہشات سے آزاد رکھنے، ذکر خدا سے غافل نہ رہنے، لوگوں کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھنے۔ صوفیا نے پوری طرح مولا علی کے ان ارشادات پر سختی سے عمل کیا تاکہ ان کو صفائی قلب حاصل ہوسکے اس لئے ابن حجر نے صواعق محرقہ میں لکھا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ روز قیامت لوگوں سے علی ابن ابی طالب کی ولایت کی نسبت پوچھا جائے گا۔ اسی لئے میرے مورث اعلیٰ شاہ ہمدان اپنی کتاب مودۃ القربیٰ کے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ" بہ طلب برکت کلام قدیم اس کا نام مودۃ القربیٰ رکھا تاکہ مجھے اللہ تعالیٰ ان حضرات علیہم السلام سے میرے ملاقی ہونے کا وسیلہ بنائے"۔

۱- نہج البلاغہ ۸۳۲ ۲- نہج البلاغہ ۸۳۷

۶۶۱ء میں خلافت کے خاتمہ اور موروثی ملوکیت کے قیام کہ جس کے بانی معاویہ تھے، نے اسلام کو سخت نقصان پہنچایا۔ اس کی بین مثال یہ ہے کہ مسلمانوں سے جزیہ وصول کیا گیا تا کہ اموی حکومت کو غیر مسلموں کے اسلام قبول کرنے سے مالی نقصان نہ اٹھانا پڑے۔ سیاست، سماج اور ہر طرح سے شکل ہی بدل دی گئی۔ ان حالات کے احتجاج میں تصوف نے تحریک کی شکل اختیار کی۔ تا کہ وہ ان حالات میں اسلام کی بقا وتبلیغ کے لئے کام کرسکیں۔ کیونکہ ان اموی، عباسی، حکمرانوں، سلاطین و بادشاہوں اور نوابین کی سیاسی، معاشی اور سماجی پالیسیوں کا کوئی تعلق اسلام سے نہ تھا لہٰذا صوفیا نے ان سے دوری اختیار کی تا کہ ان کی غیر اسلامی پالیسیوں اور ظلم کا حصہ نہ بن سکیں۔ مولانا ضیاء الدین برنی جو چودھویں صدی کے مورخ اور سیاسی مفکر ہیں اور حضرت نظام الدین اولیاء کے مرید بھی ایک واقعہ لکھتے ہیں" ہارون الرشید بیٹھا تھا کہ قاضی ابو یوسف تشریف لائے، ہارون الرشید نے ان سے کہا کیا آپ ایسا کرسکتے ہیں کہ کسی طرح داؤد طائی سے میری ملاقات کرادیں، میں نے سنا ہے کہ آپ نے اور انہوں نے ابو حنیفہ کے پاس ایک ساتھ تعلیم حاصل کی ہے؟ قاضی ابو یوسف نے خلیفہ کو جواب دیا، میں جب غریب تھا وہ مجھ کو اندر بلوا لیتے تھے لیکن جب سے میں قاضی ہوا ہوں میں بیس مرتبہ ان سے ملنے ان کے دروازہ پر گیا ہوں مگر انہوں نے مجھے اندر نہیں بلایا۔ دراصل داؤد طائی نے " حب دنیا کو خلوص دل کے ساتھ دشمن بنالیا ہے" یہ تھا ان حضرات کا ان حکمرانوں اور ان کے انتظامیہ میں شامل لوگوں سے نفرت کا عالم۔

تصوف وعرفان اور صوفیا کی مخالفت علماء کی ایک بڑی تعداد نے کی جن میں سنی وشیعی علماء شامل تھے۔ ان میں ابن تیمیہ کا نام سرِ فہرست لیا جاسکتا ہے۔ ایران میں صفوی دور میں تصوف کو نشانہ بنایا گیا لیکن اسی دور کے ایک ایرانی عالم قاضی سید نوراللہ شوشتری نے اپنی تصنیف مجالس المومنین میں باب تصوف قائم کیا ہے اور صوفیاء کی سوانح بھی لکھی ہیں صفوی دور کے ان شیعی علماء کے اثرات کو عراق کے شیعی علماء نے بھی قبول کیا اور وہاں سے فارغ شیعی علماء نے اس تحریک کو ہندوستان میں بھی جاری کیا۔ ہندوستان میں مغل عہد سے لے کر نوابان اودھ تک علماء کی ایک بڑی تعداد کو حکومت کی جانب سے زمینیں ملیں اور ۱۶۹۰ء میں اورنگ زیب نے علماء کو دی ہوئی مدد معاش کی زمینوں کو زمینداری میں تبدیل کرکے ان علماء اور ان کے وارثین کا موروثی حق ان زمینوں میں قائم کردیا۔ مدد معاش

فرانسس کے وہ فرامین اس کا بین ثبوت ہیں۔ پھر مغل حکومت کے زوال اور اودھ کی حکومت کے زوال کے بعد برٹش سرکار نے بھی علماء کو زمینداریوں اور القاب سے نوازا اور ان کی برٹش دربار میں نشست کو ریزو کیا گیا۔ ان قصبات سے متعلق تحصیل کے محافظ خانہ میں رکھے ہوئے اسناد و مدارک ان کے زمیندارانہ حقوق کی آج بھی گواہی دے رہے ہیں۔ محلات و حویلیوں میں رہائش اختیار کی۔ گھوڑے اور بگیاں سواری کے لئے مہیا تھیں۔ مولا علی کا تو ارشاد ہے "جو ہم اہل بیت سے محبت کرے اسے جامہ فقر پہننے کے لئے آمادہ رہنا چاہئے"۔ حضرت نظام الدین اولیاء غیاث پورہ سے کلو کھڑی نماز جمعہ کے لئے ضعیفی کے عالم میں پیدل جاتے تھے جب کسی نے انہیں سواری کے لئے گھوڑا دینا چاہا تو آپ نے فرمایا کہ کیا میرا ثواب کم کرنا چاہتے ہو۔ میر سید علی ہمدانی اپنی گذر اوقات ٹوپیاں ہی کر کیا کرتے تھے حضرت محمد مصطفیٰؐ کے بتائے ہوئے اعمال عبادت و تقویٰ اور فقر میرا امتیاز ہے جس کی صحیح معنوں میں اتباع صوفیائے کرام ہی نے کی۔ انہوں نے دنیا کو عبادت کی جگہ بنایا۔ لیکن جب دنیا نے انہیں قیدی بنانا چاہا تو انہوں نے اپنے نفسوں کا فدیہ دے کر چھڑالیا۔ اور اس میں رہتے ہوئے جنت کو فائدہ میں حاصل کرلیا۔

ہندوستان میں صوفیائے کرام نے اسلام کی تبلیغ اور محبت اہل بیت کی اشاعت کا کام کیا اور ہندوستان جیسے ملک جہاں مختلف مذاہب نے جنم لیا تھا اسلام کو ہندوستانی سماج و ثقافت کا حصہ بنادیا اور آپس میں ایسے میل و محبت کی بنیاد ڈالی کہ جس کا ثبوت آج بھی ان کی وہ درگاہیں ہیں جو ان کے انتقال کے سات سو سال بعد بھی اسی یکجہتی کا مرکز بنی ہوئی ہیں۔ اس لئے کہ صوفیائے کرام نے مولا علیؑ کے ارشاد کے مطابق فقر کا جامہ پہن لیا تھا اور فقیر و نادار لوگ جنہیں سلاطین، امراء نوابین اور زمیندار دھتکارتے تھے ان کے مسیحا بن گئے۔ کل ان کی خانقاہیں طلباء غریب، نادار، مریض، پریشان حال، دنیا کے ستائے ہوئے اور بے گھر بے در لوگوں کے لئے لطف و کرم کا مرکز بنی ہوئی تھیں اور آج ان کی درگاہیں بھی اسی کار خیر کا مرکز بنی ہوئی ہیں۔ صوفیا مولا علیؑ کی ولایت کے اس طرح قائل تھے:

چنین کہ از در ہمت گدائے کوے تو شد
کہ ہیچ سلطنتی خوشتر از گدائی نیست

ہم اسی لئے ہمت سے کام لیکر تیری گلی کے فقیر بن گئے ہیں کہ کوئی بادشاہت تیری فقیری سے بہتر نہیں۔

اردو شاعری میں ذکر علیؑ

ڈاکٹر عظیم امروہوی

مرسل اعظمؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ذکر علی عبادت ہے۔ اب اگر ایسے عبادت گذاروں کے فہرست صرف شاعری کے حوالے سے بھی تیار کی جائے تو لاکھوں ناموں پر مشتمل ہوگی۔ درحقیقت وہ علیؑ کی ہی ذات ہے کہ جس کی آمد پر اگر ایک طرف آدم علیہ السلام خوش تھے کہ ان کا علم ظاہر ہوگا تو نوحؑ مسرور تھے کہ ان کی ہیبت کا مظاہرہ ہوگا۔ اگر ابراہیم علیہ السلام شاد تھے کہ ان کی خلعت کا مظہر سامنے آئے گا تو موسیٰ سمجھ رہے تھے کہ ان کا رعب ظاہر ہوگا۔ اگر عیسیٰ علیہ السلام سوچ رہے تھے کہ ان کے زہد کی یاد تازہ ہوگی تو مرسل اعظمؐ مطمئن تھے کہ ان کے مشن کو پورا کرنے والا اور ان کا جاں نثار آرہا ہے۔ اور دوسری طرف کلۂ اژدر پھڑک رہا تھا۔ بدر واحد کی زمین لرز اٹھی تھی۔ مرحب و عنتر پہ ایک ہیبت طاری تھی۔ قلعہ خیبر کا دل دھڑک رہا تھا، خندق کا کلیجہ پھٹا جارہا تھا۔ جبرئیل کے پر کانپ رہے تھے۔ سائلِ انگشتری چشم براہ تھا۔ آیاتِ قرآنی نازل ہونے کے لئے بیتاب تھیں۔ بسترِ رسولؐ ہمہ تن انتظار تھا، لات و ہبل بت بنے سے بیٹھے تھے، کوثر و سلسبیل چھلک رہے تھے، ذوالفقار اپنے جوہر دکھانے کے لئے مچل رہی تھی۔ اور زمین خوش تھی کہ اب بوتراب آئیں گے۔

علیؑ وہ انسان کہ جس کی شخصیت میں پھولوں جیسی مہک ہیرے جیسی چمک، بجلی جیسی کڑک، شاخوں جیسی لچک، سورج جیسی گرمی، پانی جیسی نرمی، پہاڑ جیسی مضبوطی، ریتیلے میدان جیسی سادگی، دریاؤں جیسی روانی اور فرشتوں سے بھی بڑھ کر پاکیزگی تھی۔ وہ علیؑ جس کی ولادت کی گواہی دینے والا خانۂ کعبہ، شہادت کی گواہ مسجد کوفہ یعنی جس کا آغاز کعبہ، جس کا انجام مسجد، دونوں کے درمیان حیات کا سفر۔ حیات بھی کیسی کہ جس کے لئے کہنا پڑے گا کہ:

حاکم وقت بھی ہے، فوج کا سالار بھی ہے — یہ معلم بھی ہے مزدور بھی فنکار بھی ہے
فلسفی بھی ہے، سپاہی بھی، قلمکار بھی ہے — پھول سے نرم بھی، تلوار کی یہ دھار بھی ہے
خانۂ حق کی گواہی ہے، نمازی ایسا — پھر نہ تاریخ میں نکلا، کوئی غازی ایسا

وہ علیؑ جس کی شجاعت کی گواہی بدر واحد اور خندق وخیبر نے دی، وہ علیؑ جس کی سخاوت کا اعلان سورۂ ھل اتیٰ نے کیا، وہ علیؑ جس کی حکمت وفلسفے کا ثبوت نہج البلاغہ ہے۔ وہ علیؑ جس کی محنت و مشقت کا ذکر یہودی کے باغ نے کیا۔ وہ علیؑ جس کی قوت کا قصیدہ خیبر کے در اور جبرئیل کے شہپر پر تحریر ہے۔ وہ علیؑ جس کے عدل و انصاف کے گواہ تاریخ کے یادگار فیصلے ہیں، وہ علیؑ جس کی طہارت کی گواہی دینے آیۂ تطہیر آئی۔ وہ علیؑ جس کی عبادت کا اعلان مسجد کوفہ نے کیا۔ غرض کہ عبادت، شجاعت، سخاوت، طہارت، ریاضت، خطابت، حکمت اور عدالت ہر آئینے میں جو چہرہ تابناک دکھائی دے وہی علیؑ ہے۔ اسی لئے ؏

تاریخ دے رہی ہے یہ آواز دمبدم

معبود کے عابد علیؑ، رسالت کے شاہد علیؑ، اسلام کے مجاہد علیؑ اور امت کے قائد علیؑ۔ ضمیر انسانی صدا دے رہا ہے کہ عالم علیؑ، حاکم علیؑ ناظم علیؑ خطیب علیؑ، ادیب علیؑ، قاضی علیؑ، غازی علیؑ، نمازی علیؑ، فلسفی علیؑ، عادل علیؑ، اور انسان کامل ذات علیؑ ہے۔

اسی لئے Washington Irwin اپنی تصنیف "Life of Mohammed" میں، جارج جرداق اپنی تصنیف ''ندائے عدالت انسانی'' میں Adward Gibbon اپنی تصنیف "Decline and fall of Roman Empire" میں کراکا اپنی تصنیف "Then Came Hazarat Ali" میں حضرت علیؑ کو خراج عقیدت پیش کئے بغیر نہ رہ سکے۔ بقول تھامس کارلائل ''علیؑ کی شخصیت تھی ہی ایسی کہ جسے دنیا کا ہر شخص پسند کرے علیؑ کی تعریف اور محبت کرنے پر تو ہر شخص مجبور ہے۔ (Heros and Hero Worship)

حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی تمام زبانیں وہ الفاظ دینے سے قاصر ہیں کہ جن سے مدح علیؑ کا حق ادا ہو سکے۔ المنجد، قاموس، لغت اور ڈکشنریوں کے تمام الفاظ کا قد چھوٹا ہے۔ علیؑ کی عظمتوں کا قد بہت بلند ہے۔ ان عظمتوں پر نظر ڈالنے سے آنکھیں خیرہ اور دماغ دنگ ہوجاتے ہیں اور خود بہ خود انسانی قلوب ان کے سامنے سجدہ ریز ہوجاتے ہیں۔ اسی لئے آج تک جتنا بھی خراج عقیدت پیش کیا گیا ہے اور فضیلتوں کا اعتراف کیا گیا ہے اسے مکمل نہیں کہہ سکتے۔ روز قیامت تک کائنات کے تمام قلم چلتے رہیں گے اور تمام زبانیں اگر شمع کی طرح مدح وثنا کرتے کرتے گھل بھی جائیں تب بھی مدح کا حق ادا نہیں ہوسکتا یہ ذکر وہ ہے کہ جس کے سامنے شاعر مجبور ہوکر کہہ اٹھتا ہے کہ:

میں کیا بتاؤں زمانے والو! کہ ذکرِ حیدرؑ کہاں کہاں ہے
فلک فلک ہے، زمیں زمیں ہے نگر نگر ہے مکاں مکاں ہے
ثنا علیؑ کی نہیں ہے آساں علیؑ کے اوصاف کا خزانہ
کتب کتب ہے ورق ورق ہے قلم قلم ہے، زباں زباں ہے

ذکرِ علیؑ کا آغاز بشکل شاعری سب سے پہلے تو عربی میں ہوا۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جیسے عالم دین نے وہ خراج عقیدت پیش کیا کہ جس کی مثال نہیں۔ لیکن اس کے بعد فارسی زبان میں بھی ذکرِ علیؑ اس طرح کیا گیا کہ کوئی عہد اور کوئی علاقہ اس زبان کا ایسا نہیں رہا کہ جہاں یہ ذکر اعلیٰ ادبی معیار و وقار کے ساتھ نہ ہوا ہو۔ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ، شمس تبریزی رحمۃ اللہ علیہ، منصور بن حلاج صوفیؒ، بختیار کاکیؒ، عبد القادر جیلانیؒ، معین الدین چشتیؒ، علاء الدین صابریؒ، مولانا رومیؒ، نظام الدین محبوب الٰہیؒ، معین الدین سنجریؒ، عبد الرحمٰن جامیؒ، شیخ سعدیؒ، حکیم سنائیؒ، محبوب سبحانی شیخ علی الہمدانی، حافظ شیرازی، فردوسی، شاہ نعمت اللہ، فرید الدین عطارؒ، بوعلی شاہ قلندر، خاں خاناں بیرم خاں، شاہ نصیر الدین نصیر، بیدم وارثی، امیر خسرو، صوفی لٰیسین صادق دہلوی، شاہ سید علی حسن احسن جائسی، اور مرزا غالب وغیرہ وغیرہ نے مدح و ثنائے علیؑ بڑے خلوص و عقیدت کے ساتھ اپنے اپنے دور میں کی ہے۔

جب ہم اردو شاعری کا جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ عربی و فارسی سے بہت کم عمر زبان ہونے کے باوجود اردو شاعری میں ذکرِ علیؑ کسی بھی زبان سے کم نہیں ہے۔ اور اردو شاعری کی ابتدا سے ہی ذکرِ علیؑ اس میں شامل ہے۔ جب اردو بالکل ابتدائی شکل میں تھی اور محمد قلی قطب شاہ بادشاہ دکن جو اُردو کا پہلا صاحب دیوان شاعر ہوا ہے اس نے بھی مدح علیؑ کی ہے۔ جس طرح اُردو کا پہلا دیوان بھی ذکرِ علیؑ سے خالی نہیں ہے۔ صرف ایک منقبت کے دو اشعار ملاحظہ ہوں۔

دنیا و دین کا حق سنگار یا علیؑ توں ‏ ‏ ‏ سب اولیا کے من کا اسرار یا علیؑ توں
سورج توں نو امبر کا دیوا سو دین گھر کا ‏ ‏ ‏ پیارا سو پیغمبرؐ کا بیچ یار یا علیؑ توں

اُردو کے ایک اور قدیم شاعر ولیؔ دکنی کا خراج عقیدت بھی ملاحظہ ہو۔

ہو دستگیر مجھے یا علیؑ ولی اللہ ‏ ‏ ‏ ہے فقر فخر مجھے، مجھکو فقر ہوں نہیں ننگ

حضرت علیؑ حلال مشکلات ہیں، اسی لئے شعراء نے انہیں ہر مدد کے موقع پر پکارا ہے۔ ان سے اپنا دکھ درد بیان کیا ہے، امداد چاہی ہے اور یہ ذکر اکثر شعراء کے ہاں ملتا ہے۔ مثلاً ایک اور قدیم

شاعر سراج اورنگ آبادی کہتے ہیں کہ:

ہوں سخت بے کسی میں گرفتار یا علیؑ — تیرے بغیر کون ہے اب یار یا علیؑ
آج حادثات دہر میں مضطر نہ رکھ مجھے — کشتی مری تباہ ہے کر پار یا علیؑ

شمالی ہند کا پہلا مثنوی نگار اور مرثیہ نگار میر اسمٰعیل نے بھی مدح و ثنائے علیؑ کی ہے۔ اس کے بعد کے کئی شعراء اور بھی مدح گو ہوئے مثلاً سید سعادت علی سعادت امروہوی (رہنمائے میر) جن کی ایک سواری بہت مشہور ہے وہ کہتے ہیں کہ:

ہوئی یثرب نگر پر جب چڑھائی — علیؑ نے غیظ میں تیوری چڑھائی
بڑھا گھوڑے کی جانب وہ فدائی — فرس کی ٹاپ سے آواز آئی
سواری ہے امیر المؤمنین کی — سواری ہے نبیؐ کے جانشیں کی

استاد الاساتذہ اور اردو غزل کے بادشاہ میر تقی میر کو اصل مقام تو ان کی غزل گوئی نے عطا کیا لیکن میر نے مراثی، قصائد اور منقبت بھی کہی ایک منقبت کا مطلع اور مقطع ملاحظہ ہو:

جو معتقد نہیں ہے علیؑ کے کمال کا — ہر بال اس کے تن پہ ہے موجب وبال کا
فکر نجات میر کو کیا مدح خواں ہے وہ — اولاد کا علیؑ کی محمدؐ کی آل کا

اس کے علاوہ میر کی دو اور منقبتیں بہت مشہور ہیں جن کے کلیدی مصرع ہیں:

یا علیؑ یا علیؑ کہا کرتو

حیدری ہوں، حیدری ہوں، حیدری

عہد میر تقی میر کے بعد مصحفی و انشا اور نظیر کے ہاں بھی ذکر علیؑ ملتا ہے۔ مصحفی نے حضرت علیؑ سے اپنی بھرپور عقیدت کا اظہار کیا ہے اور وہ پورے یقین سے کہتے ہیں کہ:

نہ ہوگی جاں کنی کے وقت ہرگز تشنگی غالب — کہ تو اے مصحفی مداح ہے ساقی کوثر کا

ساقی کوثر کے بارے میں ایک شعر سید انشاء اللہ خاں انشا کا بھی ملاحظہ ہو وہ دعا گو ہیں کہ:

ہاتھ سے ساقی کوثر کے پلا دینا جام — عطش روز قیامت سے نہ ہو مجھ کو قلق

نظیر کی بھی ایک منقبت بہت مشہور ہے جس کا کلیدی مصرع ہے:

حیرت میں ہوں کہ حیدرؑ صفدر کو کیا کہوں

انیسویں صدی اردو شاعری کی تاریخ کا سنہری دور رہا ہے اس میں اگر دہلی میں غالب، ذوق، ظفر

اور داغؔ ہوئے ہیں تو لکھنؤ میں آتشؔ، ناسخؔ، انیسؔ، اور دبیرؔ جیسے باکمال شاعر ہوئے ہیں۔ انیسؔ و دبیرؔ نے تو کربلا کے حوالے سے بھی سیکڑوں جگہ ذکرِ علیؑ کیا ہے لیکن دیگر شعراء نے بھی منقبت علیؑ بیان کی ہے۔ ذوقؔ کے دل میں خاکِ درِ نجف کی کتنی عظمت ہے اور وہ وقتِ مشکل کس طرح مشکل کشا کو پکارتے ہیں۔ دو شعر ملاحظہ ہوں:

تکمیں دل اسی خاک راہ نجف کا — وہ ذرّہ نجف ہے کہ در ثمیں ہے
ذوقؔ حیراں ہے بہت فکر کشادہ کار میں — یا علیؑ مشکل کشا یہ وقت ہے امداد کا

بہادر شاہ ظفرؔ کی بھی ایک منقبت کے دو اشعار ملاحظہ ہوں:

زورِ بازوئے مصطفیؐ ہے علیؑ — صفدرِ عرصۂ وغا ہے علیؑ
میری کشتی کا ناخدا ہے علیؑ — میرا ہادی و رہنما ہے علیؑ

ناسخؔ اپنے آپ کو بلبلِ بوستاں جنابِ امیر مانتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ:

بلبل ہوں بوستانِ جنابِ امیر کا — روح القدس ہے نام مرے ہمصفیر کا

آتشؔ ایک موقع پر کہتے ہیں کہ:

عاشق شیدا علی مرتضیٰؑ کا ہوگیا — دل مرا بندہ نصیری کے خدا کا ہوگیا

نواب داغؔ دہلوی کہتے ہیں کہ:

بیاں ان کے ہوں اوصاف داغؔ اب کیا کیا — کوئی نہ وصف شہ بو تراب سے چھوٹا

امیرؔ مینائی بھی انیسویں صدی کا ایک اہم نام ہے۔ ان کی عقیدت ملاحظہ ہو:

الفت ساقیِ کوثرؑ کی اگر آگئی موج — سمجھے ہم ہاتھ کلید درِ جنت آئی

اس طرح ان تمام شعراء نے نہ صرف یہ کہ حضرت علیؑ سے اپنی عقیدتوں کا اظہار کیا ہے بلکہ یہ اظہار اعلیٰ فنی نمونہ بھی ہے اور زبان و بیان کا بھی ایک خاص معیار ہے۔ اسے صرف عقیدت نہیں کہیں گے بلکہ یہ فن پارے بھی ہیں۔ امیرؔ مینائی کا ہی شعر دیکھئے الفت ساقیِ کوثر کی موج کس قدر نایاب ترکیب ہے، اور پھر اسے کلید درِ جنت سمجھنا فکر کی بلندی بھی لئے ہوئے ہے۔ ویسے کلید درِ جنت خود ہی ایک نادر ترکیب ہے۔ اس طرح ان بلیغ مضامین کو امیرؔ مینائی نے جو زبان کی فصاحت بخشی ہے وہ بھی ان کا کمال ہے۔ غرض کہ انیسویں صدی کے جتنے بھی اردو شاعری کے ستون ہوئے ہیں سب کا رخ درِ علیؑ کی جانب نظر آتا ہے۔

اس کے بعد آنے والے دور کے شعراء نے بھی حضرت علیؑ کی منقبت خوب خوب کہی ہے۔ مثلاً احمد رضا خاں بریلوی، بیدم وارثی، بوعلی شاہ قلندر، حسرت موہانی، اصغر گونڈوی، اور علامہ اقبال وغیرہ شعراء کی ایک طویل فہرست ہے جو سائل باب شہر علم نظر آتے ہیں۔ اقبال نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ:

پوچھتے کیا ہو مذہب اقبال　　یہ گنہگار بوترابی ہے

(راس المال، ص ۲۶۹)

اس کے بعد ایک دور وہ بھی آیا کہ جب اردو دنیا میں منقبتی محفلوں کا سلسلہ دن بہ دن بڑھتا چلا گیا اور محافل میں علماء کی تقریروں سے زیادہ شعراء کے کلام پر زور دیا جانے لگا۔ اس لئے شعراء کا رجحان منقبت گوئی کی جانب اور بھی بڑھتا گیا، شہر شہر، قصبہ قصبہ بلکہ دیہات دیہات منقبتی محفلیں ہونے لگیں اور ایک ایک محفل میں ۲۵-۳۰، ۳۰-۳۵ شعراء شرکت کرنے لگے اس لئے منقبت گوئی کو فروغ ملنے لگا۔ یہ الگ بات ہے کہ شعراء کی اس بھیڑ میں معیاری کلام کہنے والے سب نہیں ہوئے لیکن پھر بھی بھاری تعداد ایسے شعراء کی ہوئی جن کا کلام فنی معیار پر پورا اترتا ہے مثلاً صفی لکھنوی، عزیز لکھنوی، محشر لکھنوی، جوش ملیح آبادی، نجم آفندی، نسیم امروہوی، علامہ شفیق حسن ایلیا، دلورام کوثری، ماہر القادری، جمیل مظہری، روپ کماری، شمیم کرہانی، گوپی ناتھ امن، قمر جلالوی، انور مرزا پوری، باقر امانت خانی، نقوی لال وحشی، رئیس امروہوی، سید سرسوی، کیف بھوپالی، نذیر بنارسی، مہدی نظمی، خمار بارہ بنکوی، مہذب لکھنوی، شمیم جے پوری، معراج وارثی، فضل نقوی، جوہر سرسوی، شارب لکھنوی اور جاوید وشسٹ وغیرہ وغیرہ ہوئے ہیں۔ چند شعراء کے کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو:

دیر سے پہنچے در شاہ نجف پر ہم فقیر　　ایک عہدہ تھا غلامی کا وہ قنبر لے گئے

(صفی لکھنوی)

جلوت میں بادشاہ ہے خلوت میں تو فقیر　　جنگاہ میں جوان حریم خرد میں پیر

دشت و غا میں طبل، ادب گاہ میں حریر　　میدان میں حدید، مقالات میں حریر

سو معجزوں کا عطر ہے تیری حیات میں
اضداد کس قدر ہیں تری ایک ذات میں

(جوش ملیح آبادی)

زبان خامہ کے دھونے کو لاؤ آب کوثر کا　　کہ لکھنا ہے مجھے وصف خصوصی ذات حیدر کا

(گوپی ناتھ امنؔ)

کہا صلِ علیٰ سب نے فلک سے بھی خطاب آئے
قدم بوسی کی خاطر آفتاب و ماہتاب آئے
جلو میں دین و ایماں، علم و دانش ہم رکاب آئے
زمیں کی جاگ اٹھی قسمت جناب بوتراب آئے
(ماہر القادریؔ)

ہیں مصطفیٰؐ جو پھول تو اس کی مہک علیؑ — وہ در شاہوار ہدایت، جھلک علیؑ
حضرت ہیں آفتاب نبوت چمک علیؑ — یہ حُسن، حُسنِ شاہد قدرت نمک علیؑ
احمد ہیں باکمال، تو حیدرؑ کمال ہیں
وہ رخ ہیں، اور یہ خال رخ بے مثال ہیں
(علامہ شفیق حسن ایلیاؔ)

مرتضیٰ کو خانہ زاد رب اکبر دیکھ کر — بیاہ دی بنتی پیمبرؐ نے بڑا گھر دیکھ کر
(قمرؔ جلالوی)

جس کے مولا ہیں محمدؐ اس کے مولا ہیں علیؑ — یہ وہ مصرع جس کو دہراتی رہے گی ہر صدی
پوچھئے اللہ سے، احمدؐ سے معیار علیؑ — قدر گوہر شاہ داند یا بداند جوہری
(شاربؔ لکھنوی)

عرب کی گھنگور ظلمتوں میں خدا نے اک آفتاب بھیجا
علیؑ خیبر شکن کی صورت دلِ رسالت مآب بھیجا
لرز گئیں سرکشوں کی روحیں دہل گئے باغیوں کے سینے
زمین کو آگئی تھرتھری، پہاڑ کو آگئے پسینے
(کیفؔ بھوپالی)

علیؑ کے پاس سے بادِ صبا سنبھل کے گذر — یہ سو رہے ہیں محمدؐ کی زندگی کے لئے
(انورؔ مرزا پوری)

ہندو اگرچہ وحشی بادہ پرست ہے — لیکن مئے محبت حیدر میں مست ہے
(ڈاکٹر تھونی لال وحشی)

محمدؐ شناسی نہیں کھیل آساں — محمدؐ کو یوں تو سبھی جانتے ہیں
علیؑ کیا ہے یہ جانتے ہیں محمدؐ — محمدؐ ہیں کیا یہ علیؑ جانتے ہیں
(خمار بارہ بنکوی)

ہے سرزمین ہند تو پوجا کی سرزمیں — پوجا ہماری بندگی بوترابؑ ہے
اس در سے پھر گئے تو رہیں گے اسیرِ جہل — یہ باب، شہرِ علمِ پیمبر کا باب ہے
(پنڈت جاوید وششٹ)

مندرجہ بالا شعرائے کے نمونہ کلام کی تشریح تفسیر اور تفہیم اگر کی جائے تو بہت تفصیل ہوجائے گی۔ اس پر تبصرہ کیا جائے۔ فنی خوبیاں تلاش کی جائیں، محامد و محاسن بیان کئے جائیں اور اس کے ادب میں مقام و مرتبے کا تعین کیا جائے تو اس کی گنجائش نہیں ہے۔ اہل نظر خود محسوس کرسکتے ہیں۔ یہ تو صرف چند شعراء کا نمونہ کلام تھا ورنہ ایسے شعراء کی فہرست تو بہت طویل ہے ان شعراء نے جو کچھ کہا ہے وہ ان کے دلوں کی آواز ہے جو ان کے فن میں ڈھل کر صفحۂ قرطاس تک آئی ہے کیونکہ ان اشعار میں آمد ہے، برجستگی ہے، بے ساختگی ہے اور روانی ہے۔ اگر ضرورتاً یا مجبوراً شعر کہا جائے گا تو اس میں آمد نہیں بلکہ آورد ہوگی۔

گنگا جل کی قسم کھانے والا شاعر ذکر علیؑ کرنے سے پہلے زبان خامہ دھونے کے لئے آب کوثر کی ضرورت سمجھتا ہے۔ کسی نے ذات علیؑ کو سو معجزوں کا عطر اور اضداد کا مجموعہ بتایا ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ خلاف فطرت انسانی علیؑ کی ذات میں مختلف صفات موجود تھیں۔ وہ میدان شجاعت کے بے مثال مجاہد تھے۔ تو محراب عبادت کے مخلص عابد بھی۔ وہ منبر سلونی کے تنہا خطیب تھے تو بے مثال ادیب بھی۔ وہ شہر علم کا دروازہ تھے تو باغ میں مزدور بھی۔ وہ مسند عدالت کے بہترین عادل تھے تو فلسفہ و حکمت کے تاجدار بھی۔ وہ مسند حکومت کی زینت تھے تو فاقہ کش بھی اور وہ موم سے نرم تھے تو فولاد سے زیادہ سخت بھی۔

حضرت علیؑ کی ان صفات اور خوبیوں کے سبب پوجا کرنے والوں نے پوجا بھی کی۔ علم حاصل کرنے والے ان کے در کے سائل بھی بنے اور محبت علیؑ کے مئے پی کر مست بھی رہے۔ حقیقت یہ

ہے کہ علیؑ شناسی اور عرفان علیؑ حاصل کرنا آسان نہیں ہے اس کا مقام بشر کی فکر سے بہت بلند ہے۔
جب ہم عصر حاضر کے شعراء پر نظر ڈالتے ہیں تو ان میں بھی ایک بڑی فہرست کے ممدوح اور ہیرو علیؑ نظر آتے ہیں۔ مثلاً علامہ اختر زیدی، شاہد نقوی افتخار عارف، ڈاکٹر بلال نقوی، وحید الحسن ہاشمی، عثمان عارف نقشبندی (سابق گورنر) عرفان صدیقی، وفا حیدر آبادی، مشکور حسین یاد، محمور سعیدی، ساحر لکھنوی، کنور مہیندر سنگھ بیدی سحر، گلزار دہلوی، اور فاروق ارگلی وغیرہ سے لے کر نسیم الظفر، افضل صدیقی اور نیر جلالپوری وغیرہ وغیرہ تک انگنت شعراء ہیں جو مدح و ثنائے علی میں معروف نظر آتے ہیں۔ ان میں سے کچھ شعراء نے جو منقبت کہی ہے۔ وہ قدیم رنگ سخن سے مختلف ہے، کیونکہ انھوں نے ایک نیا اسلوب دینے کی کوشش کی ہے۔ زبان میں بھی نیا پن ہے۔ فکر میں بھی تازگی ہے اور لہجہ بھی قدیم شعراء سے مختلف ہے جس کی وجہ سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ جس طرح اردو شاعری کی دیگر اصناف سخن میں تغیر و تبدیلی آئی ہے اور ارتقائی سفر طے کیا ہے۔ اسی طرح مدحیہ شاعری بھی ایک تغیر آمیز رنگ اختیار کر رہی ہے۔ مثلاً افتخار عارف نے آزاد منقبت پر طبع آزمائی کی ہے۔ اور ان کی نظم فتکلموا لتعرفوا (کلام کرو تا کہ پہچانے جاؤ) بے حد مقبول ہوئی۔ یا مظفر وارثی کہتے ہیں کہ

آئینہ خانے اسے عکس جلی کہتے ہیں — لجۂ عشق میں دلیوں کا ولی کہتے ہیں
حرف حرف اس کو پڑھا میں نے تو معلوم ہوا — لغت دین محمدؐ کو علی کہتے ہیں
علم کے شہر کا دروازہ لقب ہے اس کا — اس کے ہر سانس کو حکمت کی گلی کہتے ہیں

والی آسی بادشاہوں اور خانقاہوں میں ذکر علیؑ سنتے ہیں تو اولاد علیؑ تک کی قربانیوں پر ان کی نظر جاتی ہے اور کہتے ہیں کہ:

بادشاہوں میں ابھی ذکر علیؑ ہوتا ہے — خانقاہوں میں یہی نام ابھی زندہ ہے
آپ اور آپ کے بیٹوں کی شہادت کے طفیل — یا علی آپ کا اسلام ابھی زندہ ہے

عرفان صدیقی اپنی منقبت میں ایک الگ قسم کی جدت پیدا کرتے ہیں اور عصری مسائل کا حل آمد علیؑ کو بتاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں:

خیمہ نصرت بپا ہوگا علیؑ آنے کو ہیں — معرکوں کا فیصلہ ہوگا علیؑ آنے کو ہیں
آج تک ہوتا رہا ظالم ترا سوچا ہوا — اب مرا سوچا ہوا ہوگا علیؑ آنے کو ہیں

محمور سعیدی عصر حاضر کا بے حد معتبر نام ہے۔ ان کی ایک منقبت کے صرف دو اشعار ملاحظہ ہوں:

نام علیؑ کو کیوں نہ میں روح کی تازگی کہوں　　وادیِ جاں مہک اٹھے جب میں علیؑ علیؑ کہوں
ابن علیؑ کے زندگی شرح صفات آدمی　　ابنِ معاویہ تجھے کیسے میں آدمی کہوں

یہاں ابن معاویہ کے لغوی معنی سے جو فائدہ اٹھایا ہے وہ شاعر کی بلندی فکر اور قادر الکلامی کا ثبوت ہے۔ عصر حاضر کے نوجوان شاعر افضل صدیقی نے بھی مدح و ثنائے علیؑ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے۔ اور ان کی منقبت میں ایک الگ چمک دمک اور مہک ہے وہ کہتے ہیں کہ:

احساس کے پھولوں کی مہک ہے تو علیؑ ہے　　ایمان کے جلووں کی چمک ہے تو علیؑ ہے
ہیں دین کے دامن پہ بھی گل بوٹے اسی کے　　اور بسترِ ہجرت کی دھنک ہے تو علیؑ ہے
معراج کی ہر بات سے افضل ہوا ثابت　　دم ساز نبی عرش تلک ہے تو علیؑ ہے

اُردو شاعری کی صنف منقبت میں ذکر علیؑ کا یہ ایک طائرانہ جائزہ ہے۔ اب اگر دیگر اصناف سخن میں ذکر علیؑ پر نظر ڈالیں تو یہ گفتگو بہت طویل ہوجائے گی کیونکہ ذکر علیؑ مرثیہ، قصیدہ، سلام، نظم، آزاد نظم، نوحہ، دوہا، گیت بلکہ غزل تک میں مل جاتا ہے۔ ان اصناف سخن کی جانب اس وقت صرف اشارے ہی ممکن ہوں گے۔ مثلاً حضرت علیؑ کی مدح میں قصائد کی تعداد بھی سیکڑوں ہے سوداؔ، میرؔ، مصحفیؔ، یکتاؔ، غالبؔ، منیرؔ، شمیمؔ، تمکینؔ، صفیؔ، عزیزؔ، محشرؔ، جذبؔ، نسیمؔ، ساحرؔ سے لے کر کلیمؔ، امیدؔ، رشیدؔ، ریاضؔ، جاویدؔ، ناشرؔ، اور ڈاکٹر دھرمیندر ناتھ تک ایک بہت طویل فہرست ہے۔ یکتاؔ امروہوی کے ایک قصیدے کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

علیؑ امیر، علیؑ پیشوا، علیؑ سردار　　علیؑ امام، علیؑ نفس احمد مختار
علیؑ کی ضرب پہ صدقے عبادتِ ثقلین　　علیؑ کی نذر کو آئی ہے چرخ سے تلوار
علیؑ رسولؐ کا بازو علیؑ خدا کا ہاتھ　　علیؑ کا قاتل وبسمل کلاھما فی النار
علیؑ شجاع و علیؑ اشجع و علیؑ غازی　　علیؑ ہزبر و علیؑ حیدر و علی کرار

مرزا غالبؔ کے ایک معرکۃ الآرا قصیدے کے بھی چند اشعار ملاحظہ ہوں:

جسم اطہر کو ترے دوش پیمبرؐ منبر　　نام نامی کو ترے ناصیہ عرش تکیں
کس سے ممکن ہے تری مدح بغیر از واجب　　شعلۂ شمع مگر شمع پہ باندھے آئیں
آستاں پر ہے ترے جوہر آئینہ سنگ　　رقم بندگی حضرت جبرئیل امیں
کس سے ہوسکتی ہے مداحی ممدوح خدا　　کس سے ہوسکتی ہے آرائش فردوس بریں

جہاں تک اردو مرثیے میں ذکر علیؑ کا سوال ہے تو اس کا سلسلہ بھی کچھ کم نہیں ہے کچھ شعراء نے تو پورے پورے مراثی حضرت علی کے حال کے کہے ہیں اور سیکڑوں مراثی ایسے بھی ہیں کہ جن میں مدح کے حصے میں حضرت علی کا ذکر ملتا ہے۔ میر غلیق، میر ضمیر، میر انس، میر مونس، میر سلیس، میر فصیح، میر رئیس، میرزا تعشق، میرزا عشق، سلطان واجد علی شاہ اختر، علی میاں کامل، برجیس امروہوی، فاخر لکھنوی، ظہیر دہلوی، میر عارف، پیارے صاحب رشید، مرزا اوج، شاد عظیم آبادی، دولھا صاحب عروج، مہاراجہ محمد علی محب، مرزا طاہر رفیق، فراست زید پوری، نانک چند نانک، مودب لکھنوی، صادقین امروہوی، خبیر لکھنوی، زائر سیتاپوری، فرید لکھنوی، اور مہذب لکھنوی سے لے کر تمام جدید مرثیہ نگاروں تک کے مراثی میں بھی ذکر علی ملتا ہے۔ لیکن میر انیس، شمیم امروہوی، مرزا دبیر، تمکین امروہوی، سرفراز، روپ کماری اور شمیم امروہوی نے مکمل مراثی در حال حضرت علیؑ کہے ہیں۔ ویسے اگر تلاش و تحقیق کی جائے تو اور بھی کئی شعراء کے مراثی در حال حضرت علیؑ مل جائیں گے یہاں تو صرف چند شعراء کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ جن میں سے کچھ کا نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

چاہیں تو آئینے کو سکندر کریں علیؑ　　سبزے کو مثل خضر سخنور کریں علیؑ
قطرے کو موج، موج کو کوثر کریں علیؑ　　جوہر کو تیغ، تیغ کو جوہر کریں علیؑ
غنچے کو باغ، باغ کو خلد بریں بنائیں
پر کو ہما، ہما کو یہ روح الامیں بنائیں
(مرزا دبیر)

عرش خدا مقام جناب امیرؑ ہے　　کرسی بھی تحت بام جناب امیرؑ ہے
مسطور لوح، نام جناب امیرؑ ہے　　آیات حق کلام جناب امیرؑ ہے
ایسا کسی کو خلق میں رتبہ ملا نہیں
ساری خدا کی شان ہے لیکن خدا نہیں
(میر انیس)

آفاق میں ولادت حیدرؑ کی دھوم ہے　　ارواح انبیاء کا حرم میں ہجوم ہے
ذروں میں بھی فضائے ریاض نجوم ہے　　بیت خدا میں آمد باب علوم ہے
کعبے کے بت کدہ میں ہیں سر رکھے ہوئے

سب بت پرست دل پہ ہیں پتھر رکھے ہوئے
(نسیم امروہوی)

علی خلاصہ آل عبا، علی اعلا　　علی چراغ ہدایت علی امام ہدا
علی ولی خدا، پیشوا، علی اولا　　مثال ختم رسول خلق کے علی مولا
مریض درد معاصی کے ہیں طبیب علی
نبیؐ کی طرح ہیں اللہ کے حبیب علی
(روپ کماری)

یہ خیالات ہیں ایک غیر مسلم شاعرہ کے۔ اس سے زیادہ کیا کوئی مولائی کہے گا۔ صرف ایک بند نسیم امروہوی کا اور ملاحظہ ہو:

مولا علی کا نام ہے والی علی کا نام　　ہر دوست کی حسام ہلالی، علی کا نام
نام خدا ہے اسم جلالی علی کا نام　　لاشوں سے رن کو پاٹ دے خالی، علی کا نام
ہمت بڑھی، جو دل سے علی کو ولی کہا
انسان شیر ہوگیا جب یا علی کہا

اردو رباعیات کے ذخیرے میں بھی خاصی تعداد ایسی رباعیات کی ملتی ہے کہ جن میں ذکر علیؑ ہے۔ جن کی تعداد ہزاروں میں ہوگی۔ اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے صرف چند شعراء کی رباعیات بطور نمونہ پیش ہیں:

ناکام بھی کامیاب ہوجاتا ہے　　بے قدر فلک جناب ہوجاتا ہے
گر اک نظر مہر سے دیکھیں حیدرؑ　　ذرہ بھی آفتاب ہوجاتا ہے
(میر انیس)

محفل میں نشہ مئے تولا کا چڑھا　　خیبر کی خبر سن کے درود اور پڑھا
راہیں کیا کیا علیؑ کی سیرت سے ملیں　　دل نعرۂ صلوٰۃ سے آگے نہ بڑھا
(نجم آفندی)

لبریز ہے نور سے بیابان نجف　　کچھ کم نہیں شان کعبہ سے شان نجف

ہے سرمۂ چشم بادشاہان غیور　　خاکِ قدمِ گدائے سلطان نجف
(راسخ عظیم آبادی)

صنف مثنوی میں بھی کچھ شعراء کے ہاں ہمیں ذکر علیؑ ملتا ہے قدیم شعراء کے ہاں مثنویاں کافی ملتی ہیں۔ میر حسن اردو مثنوی کے بادشاہ، مرزا دبیر اور علامہ اقبال وغیرہ کی کامیاب مثنویاں ہیں اقبال کی فارسی مثنوی کا اردو میں منظوم ترجمہ حسین مہدی رضوی اور عبدالعلیم صدیقی نے کیا ہے، عصر حاضر کے شعراء کے ہاں مثنوی میں مدح علیؑ بہت کم ملتی ہے۔ قیس رامپوری کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

چلو کہ صفحہ تاریخ سے گہر رولیں　　چلو کہ مملکت علم کا وہ در کھولیں
وہ در کہ جس کو نبیؐ، بوترابؑ کہتے ہیں　　فرشتے جس کو مکمل صفات کہتے ہیں
جسے رسولؐ نے خود اپنا جانشین کہا　　خود اپنا نور کہا، نورِ عالمین کہا
کہ جس کو شمع دو عالم نے خود سنوارا تھا　　تھا آدمی وہ، مگر نور کا منارا تھا

جہاں تک قطعات میں ذکر علیؑ کا سوال ہے تو عہد میر و سودا سے عصر حاضر تک کے سیکڑوں شعراء نے مدح علیؑ میں قطعات کہے ہیں۔ ماضی قریب کے ہندو شاعر دشونا تھ پرشاد ماتھر، لکھنوی کا ایک قطعہ ملاحظہ ہو:

اے رازِ مشیت زندہ باد　　اے جانِ پیمبر زندہ باد
اے روحِ عبادت زندہ باد　　اے عظمتِ داور زندہ باد
جب ذکرِ شجاعت ہوتا ہے　　آواز فلک سے آتی ہے
اے قاتلِ مرحب زندہ باد　　اے فاتحِ خیبر زندہ باد
(نوائے سروش، ص ۱۷۷)

اب موجودہ دور کے ایک سکھ شاعر سردار کرنیل سنگھ پنچھی کا قطعہ اور دیکھئے:

در خیبر سے ٹکرائیں علمبردار کی آنکھیں
بہت روشن، بہت چوکس، ترے کردار کی آنکھیں
تری تلوار پر دھبہ نہیں ہے خون ناحق کا
تری آنکھوں کی صورت تھیں تری تلوار کی آنکھیں
(راس المال، ص ۳۲۹)

شاعری میں سلام ایسی صنفِ سخن ہے کہ جس میں ہر شعر کا مضمون غزل کی طرح الگ ہوتا ہے۔ اس لئے اس میں تمام معصومین، اہل بیت، شہدائے کربلا اور اسیران کربلا کا ذکر مل جاتا ہے۔ ظاہر ہے پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ ذکر علیؑ سے سلام خالی ہو، سلام کی تاریخ بھی بہت قدیم ہے لیکن زیادہ تر سلام ایسے ملتے ہیں کہ جن میں ایک دو اشعار ذکر علیؑ پر مشتمل ہوتے ہیں۔ جوشؔ کہتے ہیں کہ:

منظور ہے خدا کو تو پہنچوں گا روز حشر　　　چہرے پہ خاک مل کے در بوترابؑ کی

سلام کو ایک جدید اسلوب دینے میں تصورؔ زیدی، افتخارؔ عارف، عرفانؔ صدیقی، انیسؔ اشفاق، کاظم جرولی اور شہزادہ گلریزؔ وغیرہ کا زیادہ ہاتھ ہے۔ انیسویں صدی کے ایک شاعر یعقوب علی معجزؔ امروہوی کے ایک سلام کے تین اشعار ملاحظہ ہوں وہ کہتے ہیں کہ:

اے مجرئی نہیں ہیں نبیؐ و امامؑ دو　　　ظاہر میں گرچہ احمدؐ و حیدرؑ ہیں نام دو

خدمت میں ان کی لکھ ذرا تو بھی سلام دو　　　ہیں خاصۂ خدا وہ علیہ السلام دو

معجزؔ کی آرزو ہے کہ جنت میں یا علیؑ　　　کوثر کا اپنے دست مبارک سے جام دو

میر ضاحکؔ، میر انیسؔ کے والد میر خلیقؔ کے دادا تھے ان کا بھی ایک سلام بہت مشہور ہے جس کے مطلع میں حضرت علیؑ کا ذکر ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ:

علیؑ عالی، ولی کے اوپر درود واجب سلام سنت
نبیؐ کے عاشق وصی کے اوپر درود واجب سلام سنت

(دو ماہی العلم، بمبئی جلد-۲، شمارہ ۴، ص ۲۹۹)

بیسویں صدی کے ممتاز سلام گو قمرؔ جلالوی کے ایک سلام کے دو اشعار اور ملاحظہ ہوں:

بیٹھا ہے مشکلات سے رستے میں ہار کے　　　او بد نصیب! دیکھ علیؑ کو پکار کے

مرحب سے جنگ بھی کوئی خیبر میں جنگ تھی　　　پھینکا تھا ذوالفقار کا صدقہ اتار کے

نوحہ خالص رثائی صنفِ سخن ہے کچھ شعراء نے خاص طور سے نوحے کہے ہیں مثلاً محسنؔ، نجم، زیدیؔ جونپور، سہیلؔ بنارسی، فضلؔ نقوی اور انجم زیدی وغیرہ ایک نوحے کا صرف مطلع ملاحظہ ہو:

خدا کے گھر میں بپا ہوا ہے جو آج نفسِ خدا کا ماتم
ہے پورے عالم میں جانشین محمد مصطفیٰؐ کا ماتم

(ابن نورؔ)

کچھ شعراء نے کسی مکمل صنف سخن میں ذکر علیؑ نہ کر کے منفرد اشعار ایسے کہے ہیں کہ جن میں ذکر علیؑ ہے۔ مرزا غالبؔ کا ہی یہ شعر مثالی بن گیا ہے کہ:

غالبؔ ندیم دوست سے آتی ہے بوئے دوست　　　مصروف حق ہوں بندگی بوترابؑ میں

ذکر علیؑ اردو شاعری میں ترجمے کی شکل میں بھی ملتا ہے مثلاً فرانس کے مشہور شاعر میسو الیکو ینڈر گنل نے ایک طویل ترین نظم تقریباً ۲۰۰ صفحات پر مشتمل حضرت علی اصغر کی شہادت سے متاثر ہو کر کہی ہے جس میں ذکر علیؑ بھی ملتا ہے، جس کا اردو میں ترجمہ آزاد نظم کی شکل میں مسرور حسین رضوی امروہوی نے کیا ہے۔ نظم کا ایک حصہ ملاحظہ ہو:

میں تجھے اب پیش کرتا ہوں خراج تحسین
اے علیؑ اسلام کے نامی ہیرو
تجھ کو جو فائز ہے رتبۂ اعلیٰ پر
سب اماموں میں حیرت انگیز نمونہ
شجاعت اور بہادری کا
اے وہ! جس نے ہمیشہ پھینک دیا اپنے کو
زرہ بغیر معرکۂ کارزار میں
اے وہ! جسے کسی نے نہ دیکھا، خم کھاتے ہوئے
خونی لڑائیوں میں
اے وہ! جو تمام غازیوں میں افتخار کے قابل
سب سے زیادہ محبوبیت والا
جو بہادری میں ضرب المثل ہوئے
لدا ہوا سب سے زیادہ فتح وظفر کے سہروں سے
کچھ شک نہیں تو بہتر شناخت کرسکتا ہے
اس خون کو جو لائق ہے تیرے جیسے بڑے دل کے
بہادروں کے بہادر علی اصغر میں
تیرا پوتا اور ہمارا آقا

(معصوموں کا ستارہ، مطبوعہ کراچی، ص ۱۳۳)

آزاد ترجموں کے علاوہ پابند نظم میں بھی کچھ ایسے ترجمے ملتے ہیں جو دوسری زبانوں کی نظموں یا مضمون کے اردو میں کئے گئے ہیں۔ مثلاً شہنشاہ فرانس نپولین بونا پارٹ نے جو دعا حضرت علیؑ سے اس وقت کی تھی جب وہ پریشان اور مشکلات میں گھرا ہوا تھا۔ اس پوری دعا کا اُردو میں منظوم ترجمہ حکیم سید محمود گیلانی نے کیا ہے۔ منقبت طویل ہے صرف کچھ اشعار ملاحظہ ہوں:

یا مولا علیؑ سید و سردار تمہیں ہو — داماد جناب شہِ ابرار تمہیں ہو
قبلہ کی قسم کعبۂ احرار تمہیں ہو — کعبے کی قسم قبلہ اخیار تمہیں ہو
آقائے زمن حیدر کرارؑ تمہیں ہو — دو پارہ گر اژدر خونخوار تمہیں ہو
لاریب کہ اللہ کی تلوار تمہیں ہو — لاریب کہ اس تیغ کی جھنکار تمہیں ہو
تم طاقت رحمٰن ہو تم طاقت یزداں — اللہ کا چہرہ مرے سرکار تمہیں ہو
مرحب کو لتاڑا، کبھی عنتر کو بچھاڑا — خیبر میں پیمبرؐ کے علمدار تمہیں ہو
اے نفس نبی لحمک لحمی سے عیاں ہے — ہم مرتبہ احمد مختارؐ تمہیں ہو
جس لشکر اسلام نے اعدا کو مٹایا — اس لشکر اسلام کے سالار تمہیں ہو
اس عالم فانی کے ہو سلطان تمہیں تم — اس عالم باقی کے جہاندار تمہیں ہو
میں بندۂ ناچیز ہوں تم ہو مرے مولا — اس بندہ ناچیز کے غمخوار تمہیں ہو
تم بازوئے احمدؐ ہو پکڑ لو مرا بازو — بے دست کے اے دست خدا یار تمہیں ہو
ہے لشکر باطل نے کیا مجھ کو ہراساں — باطل کے عدو حق کے طرفدار تمہیں
اس روز المناک میں روتا ہے مرا دل — پر موجب تسکین دلِ زار تمہیں ہو
گرداب میں کشتی ہے کنارے سے لگا دو — کر سکتے مری ناؤ کو اب پار تمہیں ہو

بونی کی بھی آپ سے فریاد ہے مولا
امداد کرو ساعت امداد ہے مولا

(ماہنامہ معارف اسلام لاہور، جنوری ۱۹۶۷ء، ص ۱۰)

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اردو شاعری کا دامن ذکر علیؑ سے بھرا ہوا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اردو شاعری کے ذخیرے میں ذکر علیؑ نے گرانقدر اہم اور معیاری اضافے کئے ہیں اور اس میں اگر ایک

طرف مدح، فضائل، واقعات، حالات، معجزات، اصلاحی مضامین، رثائی مضامین، رزم و بزم کے مضامین، مکالمہ نگاری، رجز نگاری، نفسیات نگاری اور منظر نگاری وغیرہ وغیرہ عقیدت کے رنگ میں ہیں تو دوسری طرف اس میں تعلیمات اور پیغامات بھی ہیں۔ درحقیقت ذکر علیؑ حق شناسی کی علامت ہے۔ ایمان کی تازگی ہے، عرفان کی بلندی ہے۔ ایقان کی پختگی ہے۔ درس شجاعت ہے۔ تعلیم سخاوت ہے۔ تہذیب کی دولت ہے۔ زبان کی لذت ہے۔ قلب کی راحت ہے۔ وقار انسانیت ہے۔ عین عبادت ہے اور اردو کے ادب عالیہ کی ضرورت ہے۔ اس لئے اردو شاعری میں ذکر علیؑ ہوتا رہا ہے۔ ہو رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔

نوٹ: تمام اشعار، شعرا کے کلیات، دواوین اور مجموعے مراثی سے لئے گئے ہیں۔

حضرت علیؑ غیر مسلم دانشوروں کی نظر میں

مہدی باقر معراجؔ

الٰہی نمائندوں کو کسی خاص علاقہ یا مخصوص طبقہ کے افراد کا ہادی و پیشوا جاننا نہ صرف تنگ نظری ہی نہیں بلکہ کفرانِ نعمت کے مترادف بھی ہے۔ خدا کا جو خصوصی نمائندہ دنیا میں آیا اس نے رنگ و نسل اور ملکی و قبائلی نظام سے پرے جا کر پوری عالم انسانیت کے سامنے خود کو نمونۂ عمل کی حیثیت سے پیش کیا اور انسانی حافظہ پر ایسی انمٹ چھاپ چھوڑی کہ آج ساری دنیا مذہب و مسلک کی قید و زنجیر سے آزاد ہو کر اس کے درِ عظمت پناہ پر سرِ تسلیم خم کئے ہوئے نظر آتی ہے اور یہ بات امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے باب میں زیادہ صادق نظر آتی ہے۔ آپ کی ذات والا صفات کے سلسلے میں غیر مسلم دانشوروں نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اس کا مطالعہ انصاف پسند اور صاحب ضمیر افراد کو منزلِ فکر میں کھڑا کر دیتا ہے اگرچہ یہ لوگ مسلمان نہیں ہیں اور ان کے بیان میں اسلامی تعلیمات کے عمداً ذکر کئے جانے کا امکان بھی نہیں رہا ہے۔

ذیل میں دنیا کی بعض غیر مسلم شخصیات کے اقوال پیش ہیں ملاحظہ کریں۔

پنڈت جواہر لال نہرو

حضرت علیؑ کی ذات سے وابستہ ان کی تاریخ زندگی ہمیں بڑی سے بڑی مشکلات میں حوصلہ و ہوش مندی سے کام کرنے کی صلاحیت عطا کرتی ہے۔ ہمارے عزم استقلال ان کی قوت ثبات قدمی سے وابستہ ہیں تا کہ ہم ناموافق حالات میں شکست نہ کھانے پائیں۔[1]

ڈاکٹر راجندر پرساد سابق صدر جمہوریہ ہند

حضرت علیؑ کی ناقابل بیان جرأت بے باکی اور ان کے اٹوٹ ارادے آج بھی عالم انسانیت کے لئے مشعل راہ ہیں۔[2]

۱- کشکول نیوز جی، ص ۸۱

2- Daily Mass of India, Delhi

ڈاکٹر ایٹ ایڈورڈ سیل

سفر ہو یا حضر، رزم ہو یا بزم ہر حال میں علیؑ نے اور ان کے بابا ابو طالب نے رسول کا ساتھ دیا، تاریخ کوئی اس طرح کا تیسرا نام پیش نہیں کرسکتی۔ ؎

مسٹر ولسن

جس طرح تیز آندھیوں کا زور، پہاڑ سے ٹکراتے ہی ختم کر رہ جاتا ہے اس طرح بڑے بڑے شجاعان عرب علیؑ سے ٹکرا کر خود فنا ہوگئے۔ ؎

مسٹر سڈیو مؤرخ فرانس

اگر قرابت سے ہی خلافت علیؑ کو میسر آ گئی ہوتی تو ہر بار جھگڑے نہ ہوئے ہوتے جس نے اسلام کو مسلمانوں کے خون سے رنگین کردیا۔ ؎

مسٹر بریف سروے

علیؑ ۳۵ھ میں تخت خلافت پر بٹھائے گئے جو حقیقت کے لحاظ سے چالیس سال قبل، رسول کی رحلت کے فوراً بعد ہی ہونا چاہئے تھا۔ ؎

مسٹر واشنگٹن ایرونگ

سب سے پہلے اعلانیہ اسلام قبول کرنے والوں میں حضرت علیؑ تھے، چنانچہ بعد پیغمبر آپ ہی افضل ترین انسان تھے آپ ہی وہ پہلے خلیفہ ہیں جنہوں نے علوم وفنون کی ترقی وتحفظ کے لئے غیر معمولی، پیشرفت کی۔ ؎

مسٹر گبن

حضرت محمدؐ اعلان رسالت میں ذرا تامل فرما رہے تھے بالآخر انہوں نے نور ہدایت کو پھیلانے اور اظہار مقصد کی غرض سے چالیس افراد کو مدعو کیا ان کے کھانے کا اہتمام کیا بعد ضیافت لوگوں سے مخاطب ہوئے اور فرمایا۔ اے لوگو! میں تمہارے لئے افضل ترین نعمتیں اور دنیا وآخرت میں کامیابی کا

۱- سرفراز لکھنؤ ۱۹۸۳ء ۲- سکنڈول نیو جرسی، ص ۸۲ ۳- اسپرٹ آف اسلام

۴- تاریخ اسلام ۵- محمد اینڈ ہز سکسیسرس (Muhammad and his successor)

راستہ لے کر آیا ہوں۔ جو میرے سوا کوئی دوسرا تمہیں نہیں دے سکتا، خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تم لوگوں کو اس کی عبادت کی طرف بلاؤں پس تم میں سے جو بھی میرے اس کام میں میرا ہاتھ بٹائے گا وہ میرا وزیر ہوگا۔ رسول کی اس بات کا جواب نہ ملا یہاں تک کہ چودہ سالہ حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے جواب سے خاموشی کا دامن تار تار ہوا انہوں نے کہا یا نبی اللہ! میں آپ کا ساتھ دوں گا، آپ کی نصرت کروں گا، محمدؐ نے علیؑ کی درخواست کو قبول کیا مگر حاضرین نے ابو طالب کو ان کے لڑکے کی فضیلت پر طنزیہ کلمات کہے۔[۱]

مسٹر جرجی زیدان

حضرت علیؑ کے بارے میں کیا بیان کیا جائے اصول اسلام کے انتہائی پابند اور قول و فعل میں بے پناہ شریف تھے، جعل و فریب، دھوکے و مکر گویا آپ جانتے ہی نہ تھے۔ آپ کی تمام تر ہمت و بے باکی محض دین کے لئے رہی آپ کا اعتماد اور بھروسہ صرف سچائی اور حق پر تھا۔[۲]

مسٹر ویلز

اگر حضرت علیؑ کو امن و سکون سے حکومت کرنے دی گئی ہوتی تو ان کی نیکیاں، استقلال اور اعلیٰ خیال کی بدولت سلطنت جمہوری ضروری باتیں رہ جاتی ہے مگر قاتل کے خنجر نے امیدوں کو خاک میں ملادیا۔[۳]

ڈاکٹر شنکر دیال شرما سابق صدر جمہوریہ ہند

جس مقدس ہستی کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی پشت پر ٹھہرایا ہو اس کی عظمت و بلندی کا کیا کہنا، مجھے یہ شرف حاصل ہوا کہ میں دو مرتبہ کوفہ، کربلا اور نجف گیا، میں نے حضرت علیؑ کے خطبات نہج البلاغہ کو پڑھا، امن و دوستی، اصول پسندی صداقت، راست بازی، جوانمردی، دشمنوں کو معاف کرنا اور ان کی زندگی کی قربانیاں ان کے نمایاں وصف ہیں۔ حضرت علیؑ کی کامیابی میں ان کی جسمانی طاقت سے زیادہ ان کی سچائی کی طاقت تھی۔[۴]

مسٹر موہن لال سکھاڈیا سابق وزیر اعلیٰ راجستھان

۱۔ ڈکلائن آف رومن امپائر ۲۔ تاریخ تمدن اسلام ۳۔ اسپرٹ آف اسلام

۴۔ اخبار سیاست ۹ر جون ۱۹۸۵ء

حضرت علیؑ جیسے لوگوں سے متعلق دنیا کو زیادہ سے زیادہ جاننے کی ضرورت ہے ایسے لوگ انسانیت کے لئے احسان عظیم ہیں اور ان کی سیرت موجودہ مادیت پسند تہذیب کے نقصان دہ رجحان کی اصلاح کرتی ہے، جو انسان کے حیوانی جذبات اور بے لگام حوصلوں کے لئے ہمت افزا ہیں۔ اور شرافت و نیک نفسی کو کھوکھلا کر رہی ہے۔ حضرت علیؑ کا مشن اس کے سوا اور کچھ نہ تھا کہ پیغمبر اسلام کے سچے اصولوں کی تبلیغ کی جائے، حضرت علیؑ نے پیغمبر اسلام کے نقش قدم پر چلتے ہوئے جرأت کے ساتھ انسانیت کو تاریکی سے نکالا اور اسے آزادی دلائی اسی وجہ سی ان کا نام ہمیشہ ذہنوں میں رہے گا۔[۱]

مسٹر آرنلڈ جج ممبئی ہائی کورٹ

علیؑ کی شہادت سے تمام مسلمانوں میں کہرام برپا ہوگیا تھا، علیؑ کو لوگ دوست رکھتے تھے، اس زمانے میں جب شجاعان عرب شہرہ آفاق تھے، تمام آل ابو طالب اسد اللہ الغالب ان کا لقب تھا، ان کو اشجع عرب کہتے تھے، شجاعت، عظمت، ہمت، عدالت، سخاوت زہد و تقویٰ میں علیؑ کی مثال تاریخ عالم میں کمتر ہی نظر آتی ہے۔[۲]

مسٹر ڈیون پورٹ مورخ

۱۰/اپریل ۶۳۰ء کو پیغمبر اسلام ایک بلند منبر پر گئے جو وہاں ان کے لئے نصب کیا گیا تھا ہزاروں حاضرین نہایت توجہ سے سننے کے لئے تیار تھے ایک خطبہ دیا اور فرمایا مجھ کو خدا کی طرف سے حکم ہوا ہے، جبرئیل مجھ پر تین دفعہ نازل ہوئے اور تینوں دفعہ انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں اپنے تمام پیروؤں پر ظاہر کردوں کہ علیؑ میرے خلیفہ اور وہی جانشین ہیں اور میرے لئے ایسے ہیں جیسے موسیٰ کے لئے ہارون، میری رحلت کے بعد وہی تمہارے ہادی و رہنما ہوں گے جب میں اس دنیا سے چلا جاؤں تو میرے پیروؤں کے لئے ان کی اطاعت و اتباع ایسے ہی لازم ہوگی جیسے میری ہے جس نے علیؑ کی نافرمانی کی اس نے درحقیقت خدا اور رسول کی نافرمانی کی۔[۳]

مسٹر اوکلے مورخ

تمام مسلمانوں میں بالاتفاق علیؑ کی دانائی کو شہرت حاصل ہے۔ سب اسے تسلیم کرتے ہیں۔ نور

۱- سیر الاخبار، حیدرآباد، ۳/مارچ، ۱۹۵۷ء ۲- قاء پورٹ ممبئی، ج ۱۲، منقول از اعجاز التنزیل، ص ۱۲۶

۳- اپالوجی فرام محمد اینڈ دی قرآن

الاقوال کے نام سے آپ کے اشعار کا دیوان بھی ہے آپ کے اقوال پر مشتمل ایک بڑی اور اہم کتاب ٹو دلیس لائبریری میں موجود ہے۔[1]

مسٹر ٹامس لائل

وفات رسول کے بعد ایک ایسی شخصیت کی ضرورت تھی جو سب سے اعلیٰ ہو اور اسے بلاشبہ عام طور پر ہادی تسلیم کرلیا جائے بالآخر ایسا ہادی امام علیؑ کی صورت میں ان کو مل گیا علاوہ بریں سیاسی اختلافات اور باہمی رقابتوں کے سبب ضرورت تھی کہ ہادی ایسا ہو جو خدا اور رسول کی طرف سے منتخب کردہ ہو۔ علیؑ کی ذاتی شہرت و مقبولیت، میدان کارزار میں بہادری، پیغمبر کی اطاعت اور ان سے قریبی نسبت سے یہ بات صاف طور پر ظاہر ہے کہ پیغمبر کی جانشینی کا حق آپ ہی کو حاصل تھا۔[2]

جبران خلیل جبران

حضرت علیؑ سے متعلق معروف عیسائی مورخ جبران خلیل جبران لکھتا ہے: ''میرا عقیدہ ہے کہ نبی اکرم کے بعد فرزند ابو طالب وہ سب سے پہلے عرب جنھوں نے روح کل (الوہیت) کی ملازمت کی اور رسول اسلام کے بعد وہ ہی انسان تھے جس نے اسلامی ترانہ کی آواز کو ان کانوں تک پہنچایا جنھوں نے پہلے کبھی یہ آواز نہیں سنی تھی'' حضرت علیؑ کو ان کی عظمت و بزرگی کے سبب ہی شہید کیا گیا آپ دنیا سے اس عالم میں رخصت ہوئے کہ آپ کا سر سجدۂ معبود میں اور لبوں پر ذکر خدا تھا، آپ کا دل عشق الٰہی سے مملو تھا عرب نے آپ کے مقام و رتبہ کو نہ پہچانا یہاں تک کہ گوہر آبدار اور سنگریزہ کے فرق کو مٹا دیا۔

جارج جرداق

اس عیسائی مؤرخ نے حضرت علیؑ کی شخصیت و کتب علی ابن ابی طالب کی تحلیل اور تشریح کرتے ہوئے پانچ جلدوں پر مشتمل ایک انتہائی تاریخی اور اہم کتاب تحریر کی ہے، وہ لکھتا ہے:

''تاریخ کے نزدیک نامور شہید، شہدا کے پدر بزرگوار، عدالت انسانی آواز حضرت علیؑ ہی تھے جن کے نزدیک جہاد و قتال و کارزار کی غرض و غایت دوسری ہی تھی، وہ غرض و غایت نہیں جو اور لوگ سمجھتے تھے۔ وہ دوسری ہی نیت و مقصد سے جنگ کرتے تھے، انھوں نے زہد و ورع تقویٰ کے ساتھ جہاد کیا

۱- تاریخ عرب از اوکلے ۲- انس اینڈ آوٹس آف میسوپوٹامیہ

اور عاجزوں، بیچاروں اور مجبوروں کی محبت میں قلعوں کے فتح کرنے پر آمادہ ہوئے، انہوں نے دشمنان عدل و انصاف کے کام کو خاک میں ملایا وہ انسانی اخلاق کریمہ وصفات فاضلہ عالیہ میں بلندی و کمال کی حد تک پہنچے ہوئے تھے، اے دنیا! کیا بگڑ جاتا اگر تو اپنی طاقت و توانائی کو صرف کر کے ہر زمانہ کو ایک دوسرا علی بخش دیتی جو اسی علیؑ کی عقل و دانش رکھتا، اسی علیؑ کا دل اور زبان رکھتا اور اس کے پاس ویسی ہی ذوالفقار ہوتی ہے![1]

میخائل نعیمہ

عصر حاضر کا ایک عظیم عیسائی مؤرخ وفلسفی یوں رقمطراز ہوا:

''ایک تاریخ نویس کتنا ہی قابل و ہنرمند کیوں نہ ہو حضرت علیؑ کی شخصیت اور ان کے پر آشوب زمانہ اور فتنہ انگیز ماحول کی کامل تصویر کشی ہرگز نہیں کرسکتا، چاہے وہ ہزاروں صفحات اس سلسلے میں لکھ ڈالے، کیوں کہ اس عرب کے مرد کامل نے جو خدمات اپنے اور اپنے خدا کے درمیان انجام دی ہیں وہ ایسی ہیں کہ کسی شخص نے نہ دیکھا ہے اور نہ سنا۔ پس اس صورت میں اس شخصیت کی جو بھی شکل ہم کھیں گے وہ لامحالہ مبہم، ناقص اور ایک دھندلی سی شکل ہوگی، وہ میدان جنگ و پیکار کے مقابلے میں بہت بڑے بہادر شمار ہوتے تھے ان کی یہ عظمت و بزرگی اگرچہ اسے ایک طویل عرصہ گزر چکا ہے ہے لیکن یہ عظمت علیؑ ہمیشہ ہمارے لئے ایک گراں بہا خزانہ ثابت ہوسکتی ہے جس کی طرف ہمیں توجہ کرنے کی ضرورت ہے، آج یا جب کبھی بھی ہمیں شائستہ اور سربلند زندگی گزارنے کی ضرورت محسوس ہو اور دل میں خواہش پیدا ہو تو ہم اس روح پرجوش سے غیبی مدد حاصل کرسکتے ہیں کیونکہ وہ تفکر کا ختم نہ ہونے والا خزانہ ہر زمانہ اور ہر جگہ پر موجود کارآمد اور نفع بخش رہا ہے''۔[2]

ٹامس کارلائل

انگریز مؤرخ وفلسفی حضرت علیؑ کی عظمت کی گرہ کشائی اس طرح کرتا ہے:

''ہمارے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں کہ ہم علیؑ کو دوست رکھیں اور ان سے عشق کی حد تک محبت کریں کیوں کہ وہ ایسے بالاقدر عظیم الشان جوانمرد تھے جن کے سرچشمۂ وجود سے نیکیاں، اچھائیاں اور خوبیاں جوش مارتی ابلتی تھیں اور ان کے دل سے جوش شجاعت کے شعلے بلند ہوتے تھے

۱-صوت العدالۃ الانسانیۃ، ج۱۰، ص ۵۱۰ ۲-علی والقومیۃ العربی، ص ۱۲۰

لیکن ایسی شجاعت جو مہربانی و پاکیزگی کا پہلو لئے ہوئے اور انسانی نرم و نازک جذبات کے لئے شفقت، مروت و نرم دلی سے بھرپور تھی۔

وہ مسجد کوفہ میں حالت سجدہ میں شہید ہوئے اور دشمن کے حیلہ و مکر و فریب کے نتیجہ میں جام شہادت نوش کیا یہ آپ کے عدل و انصاف میں شدت ہی تھی جو اس جرم کا باعث بنی، کیوں کہ آپ ہر شخص کو اپنی طرح عادل سمجھتے تھے۔ جس وقت آپ بستر مرگ پر تڑپ رہے تھے، کسی نے آپ کے قاتل کے بارے میں پوچھا تو آپ نے جواب میں فرمایا: ''اگر میں زندہ رہ گیا تو میں جانتا ہوں کہ اس کے ساتھ کیا کروں گا یعنی اگر میں زخم سے جانبر نہ ہوسکا تو مسئلہ تمہارے اختیار میں ہے لیکن اگر تم قصاص لینا چاہو تو اس کی ایک شمشیر کے بدلے تم ایک ضرب ہی لگانا''۔[۱]

ہارون کار ادود

فرانسیسی مؤرخ اپنی ایک انتہائی تحقیقی کتاب میں حضرت علیؑ کے بارے میں لکھتا ہے:

''علیؑ وہ شجاع بے نظیر اور دلیر بے مثال اور نڈر و بے باک شہسوار میدان شجاعت تھے جو پیغمبر اسلام کے پہلو بہ پہلو دشمنوں سے جنگ کرتے تھے۔ اسے تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا، آپ نے معرکۂ بدر میں جب کہ آپ کا سن شریف بیس سال تھا اپنے توانا بازوؤں کی طاقت سے اپنی شمشیر آبدار کے ذریعے صرف ایک ضرب سے سردار ان قریش میں سے ایک شخص کے جو خود بھی بڑا تن و مند پہلوان تھا دو ٹکڑے کردیئے، جنگ احد میں پیغمبر کی تلوار ہاتھ میں لی اور اس طرح وار کئے کہ ایک ہی وار میں کتنی ہی زرہوں کو شگافتہ کردیا۔ خیبر میں یہودیوں کے قلعہ پر حملہ کرکے قلعہ کے آہنی اور بے حد سنگین دروازہ کو ایک ہاتھ سے اکھاڑ لیا اور اپنے سر پر سپر بنالیا۔

پیغمبر اسلام آپ کو بہت دوست رکھتے تھے اور آپ پر کامل اعتماد رکھتے تھے یہاں تک ایک روز فرمایا "من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ"۔[۲]

گابریل وانگیر

مشہور فرانسیسی مؤرخ اپنی کتاب میں انتہائی پرجوش انداز میں لکھتا ہے:

''علیؑ زبردست خطیب، قادر الکلام، انشا پرداز اور عظیم القدر قاضی تھے جو نظریات کے بنیان

۱- الامام علی بن ابی طالب: عبد الفتاح مقصود، ص ۱۵ ۲- الایام علی، ص ۱۶

گزاروں کی صف میں سب سے اونچا مقام رکھتے ہیں، جس نظریئے کی بنیاد آپ نے رکھی ہے وہ اپنی صراحت و روشنی اور اپنے استحکام کے لحاظ سے نیز ترقی و تجدد اور حرکت و بیداری کے تئیں اپنے نمایاں میلان و رجحان کے اعتبار سے ایک امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ علیؑ کی شخصیت دو منفرد اور نمایاں خاصیتوں کے سبب تاریخ کے سارے سورماؤں سے ممتاز نظر آتی ہے۔

پہلی خاصیت یہ ہے کہ علیؑ شجاعت و امامت دونوں کے حامل تھے جہاں آپ ناقابل شکست جنگی سپہ سالار تھے وہیں علوم الٰہی کے زبردست عالم بھی تھے اور صدر اسلام سے لے کر اب تک کے فصیح ترین خطیب بھی۔

دوسری خاصیت یہ ہے کہ علیؑ کو ایک وقت میں سنی ہوں یا شیعہ دونوں فرقوں کے مسلمان، اسلام کی بزرگترین اور قابل فخر شخصیتوں میں شمار کرتے ہوئے لائق تکریم و تعظیم سمجھتے ہیں، چنانچہ جہاں اہل سنت میں علیؑ کا نام نظر آتا ہے وہیں شیعوں میں پیغمبر کے نام کے بعد علیؑ کے نام کو اولیت و فضیلت حاصل ہے"۔[1]

سلیمان کتانی

اس مؤرخ نے مدتوں اپنی عمر کے بیشتر حصہ کو حریت کے اس عظیم علمبردار کی زندگی کے بارے میں تحقیق کرنے میں صرف کردی اور آپ کی یکتائے روزگار شخصیت کو پہچاننے اور پہچنوانے میں سر دھنتا رہا اور "الامام علیؑ" کے عنوان سے ایک بیش قیمت کتاب لکھی۔ اس کتاب کو تاریخ اور تحقیق کی کتاب ہونے کے علاوہ بہترین ادبی شاہکار ہونے کی حیثیت بھی حاصل ہے چنانچہ ماہرین ادبیات عرب کے علاوہ ہر کس و ناکس کے لئے اس کے دقیق اور معنی آفرین نکات کا سمجھنا آسان نہیں۔

مذکورہ بالا تمام بیانات میں ایک چیز قدر مشترک کے طور پر دیکھی جا سکتی ہے کہ کسی نے بھی امام علیؑ کے باب میں اظہار خیال کرتے ہوئے عقیدتی و روایتی انداز نہیں اپنایا ہے۔ بلکہ ایسے کسی بھی عنصر سے عاری مگر حقیقت پسندانہ رویہ کے تحت تحقیقی نقطۂ نظر سے آپ کو لائق تکریم و تعظیم جانا ہے۔ غالباً ایک عقیدتمند کے لئے یہ کام آسان ہے کہ وہ جس مولا کا فدائی ہے اس کی منقبت کرے مگر جس کا حضرت علیؑ سے کوئی ایمانی لگاؤ نہ ہو پھر بھی آپ کی عظمت کا اعتراف و اعلان کئے بغیر نہ رہ سکے امر مشکل ہے تاہم یہ صرف مشکل کشا کی شخصیت کی جامعیت ہے جسے ساری دنیا خراج تحسین پیش کرتی

۱۔ شہسوار اسلام، ص: ۱۲۹

ہے، جو اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ علیؑ عالمی رہنما بھی ہیں، کائنات کے حلاّل مشکلات بھی، ہر زمانے کے امام بھی ہیں، ہر دور کی ضرورت بھی۔

ان حقائق کے پیش نظر بڑی آسانی یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جہان اسلام میں حضرت علیؑ کی شخصیت فکری دوراہے کی حیثیت رکھتی ہے مگر عالم انسانیت کے لئے نظریاتی طور پر مقام اتحاد واقعی نظر آتی ہے، علاوہ براین اس اصول کی رو سے کہ کمال وہ ہے جس کی گواہی غیر بھی دیں، غیر مسلم دانشوروں اور مؤرخوں کے مذکورہ اقوال سے یہ صاف ظاہر ہے کہ علیؑ دنیا کے ہر فرد کے لئے ایک مثالی کردار کی حیثیت رکھتے ہیں جن سے ہر انسان ہر عہد میں بقدر ظرف و اہلیت تہذیب حیات کی بھیک لیتا رہے گا۔

علیؑ کے لئے

پروفیسر انیس اشفاق
صدر شعبۂ اردو لکھنؤ یونیورسٹی، لکھنؤ

کروں گا روز قصیدے رقم علیؑ کے لئے
قلم یہ مجھ کو ہوا ہے بہم علیؑ کے لئے

عجب یہ رشتۂ جاں ہے کہ ٹوٹتا ہی نہیں
علیؑ ہمارے لئے اور ہم علیؑ کے لئے

ملے گا اذن جو مجھ کو دعا میں نصرت کا
علم کروں گا میں اپنا علم علیؑ کے لئے

چلی ہیں گرم ہوائیں اڑی ہے گرد بہت
رکے نہ ہم سے غزالوں کے رم علیؑ کے لئے

بدن لہو میں نہائیں، قلم ہوں سر لیکن
محبتیں نہ کبھی ہوں گی کم علیؑ کے لئے

چمک رہے ہیں وہی آفتاب کی صورت
جو سر ہوئے ہیں عقیدت میں خم علیؑ کے لئے

ملی ہے ان کو فقیری میں بھی شہنشاہی
ہیں ٹھوکروں پہ یہ جاہ و حشم علیؑ کے لئے

یہاں بھی ان کی مدد ہے وہاں بھی ان کی مدد
ہیں ایک میرے وجود و عدم علیؑ کے لئے

قطعات

کسی چمن میں بھی پہنچے گلاب بن کے رہے
سلیقہ بار گہ حق میں التجا کا نہیں

رہے جہاں بھی جلالت مآب بن کے رہے
گناہگار ہیں ہم حوصلہ دعا کا نہیں

بلندیاں کہیں چھپتی ہیں خاکساری سے
پکارتے ہیں علی کو جو اپنی مشکل میں

زمیں پر بھی علیؑ بوتراب بن کے رہے
شریک اپنا بناتے ہیں ہم خدا کا نہیں

ڈاکٹر پیام اعظمی

شہرِ علم کے دروازے پر

افتخار عارف
اسلام آباد، پاکستان

کبھی کبھی دل یہ سوچتا ہے
نہ جانے ہم بے یقین لوگوں کو نام حیدرؑ سے ربط کیوں ہے؟
حکیم جانے وہ کیسی حکمت سے آشنا تھا
فہیم جانے کہ بدر و خیبر کی فتح مندی کا راز کیا تھا
علیم جانے وہ علم کے کون سے سفینوں کا ناخدا تھا
مجھے تو بس صرف یہ خبر ہے
وہ میرے مولا کی خوشبوؤں میں رچا بسا تھا
وہ ان کے دامانِ عاطفت میں پلا بڑھا تھا
اور اس کے دن رات میرے آقا کے
چشم و ابرو و جنبشِ لب کے منتظر تھے
وہ رات کو دشمنوں کے نرغے میں سو رہا تھا تو ان کی خاطر
جدال میں سر سے پاؤں تک سرخ ہو رہا تھا تو ان کی خاطر
سو اس کو محبوب جانتا ہوں
سو اس کو مقصود مانتا ہوں
سعادتیں اس کے نام سے ہیں
محبتیں اس کے نام سے ہیں
محبتوں کے سبھی گھرانوں کی نسبتیں اس کے نام سے ہیں

مکین کعبہ

کرشن بہاری نورؔ لکھنؤ

نورؔ ہٹتی نہیں کعبہ سے نظر آج کی رات
میہماں کون ہے اللہ کے گھر آج کی رات

سنتے ہیں ہوگئی دیوار بھی در آج کی رات
اہل کعبہ کو ملی اپنی خبر آج کی رات

دیکھیں کیا کھلتا ہے مفہوم عبادت اے دل
دیکھیں سجدے کسے کرتی ہے نظر آج کی رات

دیکھیں کس رند کو ملتا ہے چھلکتا ساغر
کس طرف اٹھتی ہے ساقی کی نظر آج کی رات

اللہ اللہ وہ جلووں کی فراوانی ہے
وقت سے پہلے نہ ہوجائے سحر آج کی رات

کون آغوش حقیقت میں ہے محو آرام
لوریاں دیتے ہیں جبریل کے پر آج کی رات

اک طرف کعبہ ہے اک سمت مکین کعبہ
دیکھئے ٹھہرے کہاں کس کی نظر آج کی رات

شمع ایماں کی ضیاؤں کا تقاضا ہے یہی
نورؔ سجدوں ہی میں کرنا ہے بسر آج کی رات

در نجف

وقار ناصر
شیش محل، لکھنؤ

اگر نشان ثریا سلف نہیں ہوتے
تو پھر یہ پھول کبھی زر بکف نہیں ہوتے

نجوم اگتے نہ راتوں میں کہکشاں بن کر
یہ روشنی کے دیئے صف بہ صف نہیں ہوتے

کرم ہے ان کا جو ہوتی ہیں بارشیں ورنہ
یہ آبشار یہ دریا یہ طف نہیں ہوتے

جو بوتراب نہ ہوتا تو اس زمانے میں
مثال حضرت آدم خزف نہیں ہوتے

یہ صرف پاؤگے مولا علیؑ کی چوکھٹ پر
ہر ایک شہر میں در نجف نہیں ہوتے

خدا کے گھر کے علاوہ ہزار گھر ہوں مگر
علیؑ کے واسطے بیت الشرف نہیں ہوتے

علیؑ کی تیغ نے فی النار کر دیا ورنہ
خدائے کفر کبھی برطرف نہیں ہوتے

سروں کو کاٹتی رہتی ہے ذو الفقار مگر
ہیں جن کی نسل میں مومن ہدف نہیں ہوتے

علیؑ علیؑ کی صدائیں بتا رہی ہیں وقارؔ
جہاں علیؑ ہوں قصیدے تکلف نہیں ہوتے

تاج ولایت

نیر سرسوی امرسی، مراد آباد

کیسے ممکن بھلا ہمسر اس کا ۔۔۔ جب کہ بے مثل ہے قنبر اس کا
وہ کہ مضبوط ارادے والا ۔۔۔ حوصلے اس کے ہیں لشکر اس کا
فاقہ کش ہوتے ہوئے بھی رازق ۔۔۔ کبھی تھمتا نہیں لنگر اس کا
عظمت نہج بلاغت کی قسم ۔۔۔ کلمہ پڑھتے ہیں پیمبر اس کا
مرتبہ صرف سمجھ سکتے ہیں ۔۔۔ وہ پیمبر کا، پیمبر اس کا
معجزے علم قلم اور تلوار ۔۔۔ ایک سے ایک ہے زیور اس کا
سر پہ ہے تاج ولایت اس کے ۔۔۔ تخت ہے دوش پیمبر اس کا
اس نے گہوارے میں اژدر چیرا ۔۔۔ نام ماں نے رکھا حیدر اس کا

اس کا انداز جدا لگتا ہے
ایک ہی بندہ خدا لگتا ہے

مشکل کشا

ڈاکٹر دھرمیندر ناتھ، دہلی

عقیدت ضوفشاں ہے مہر الفت کی ضیا بن کر
فروزاں ہے یہی کونین میں نور بقا بن کر
سلام اس نور کو جو پیکر مولی میں اترا تھا
خدا کے گھر میں جو چمکا تھا مہر پر ضیا بن کر
سلام اس پر جو دروازہ تھا شہر علم و دانش کا
سلام اس پر جو آیا دو جہاں کا رہنما بن کر
سلام اس پر جو سب کی مشکلیں آسان کرتا ہے
کبھی حاجت روا بن کر کبھی مشکل کشا بن کر
سلام اے ساقی کوثر سلام اے فاتح خیبر
تکبر کفر کا توڑا تھا شاہ لافتی بن کر
لگا کر دل سے میں کیوں نہ رکھوں حب مولا کو
یہی تو ساتھ دے گا توشہ راہ بقا بن کر
میں ایسے در سے کیا مانگوں جہاں بن مانگے ملتا ہو
عقیدت کیوں سبک ہو لب پہ حرف مدعا بن کر
علی کے نام کے صدقے ہماری بات رہ جائے
دعا یہ مانگتا ہوں در پہ حیدر کے گدا بن کر
رہے قائم وراثت مدح مولا کی میرے گھر میں
چلے یہ پیڑھیوں تک سلسلہ در سلسلہ بن کر

دونوں جہاں پہ اب بھی حکومت علیؑ کی ہے

ڈاکٹر دھرمیندر ناتھ

نازاں ہوں میرے دل میں عقیدت علیؑ کی ہے
در اصل مجھ پہ یہ بھی عنایت علیؑ کی ہے

خدمت گری علیؑ کی وراثت میں ہے ملی
اور یوں بھی میرے دل میں محبت علیؑ کی ہے

خامہ کا فخر یہ ہے کہ لکھا علیؑ کا نام
معراج نطق، لب پہ جو مدحت علیؑ کی ہے

ہر بزم میں سنایا ہے پیغام مرتضیٰ
منقوش میرے دل پہ فضیلت علیؑ کی ہے

تیرہ رجب ہے کیوں نہ مچے دھوم ہر طرف
گھر میں خدا کے آج ولادت علیؑ کی ہے

کھولی ہے آنکھ جب نظر آیا رخ رسول
طفلی میں بھی غضب کی بصیرت علیؑ کی ہے

اللہ جس کے لہجے میں کرتا ہو خود کلام
کتنی بلند پایہ خطابت علیؑ کی ہے

تاریخ ہے گواہ نہ چھوڑا علیؑ نے ساتھ
کیوں کر نہ معتبر ہو رفاقت علیؑ کی ہے

چاہے غم غدیر کہ ہجرت کی رات ہو
ثابت یہ ہوگی کہ خلافت علیؑ کی ہے

ہے نام بوتراب در خلد پر لکھا
دونوں جہاں میں یعنی فضیلت علیؑ کی ہے

نہج البلاغہ پڑھیے تو ہوگا یہ انکشاف
معیار ساز عدل سیاست علیؑ کی ہے
شاہی میں ہے فقیری، فقیری میں ہے شہی
فکر و عمل کا درس نصیحت علیؑ کی ہے
ہم جن کو مانتے ہیں وہ تھے باب شہر علم
ہم میں نہ شوق علم، نہ الفت علیؑ کی ہے
ایک دور تھا کہ آپ کا شہرہ تھا چار سو
کہتے تھے لوگ دیکھو یہ ملت علیؑ کی ہے
بچوں کی نگہداشت پر اپنی نظر نہیں
کیوں ہم یہ بھولتے ہیں یہ دولت علیؑ کی ہے
تعلیم میں ہو دین بھی عصری علوم بھی
سیکھیں سبھی علوم نصیحت علیؑ کی ہے
حضرت علیؑ کی راہ سے ہم دور ہوگئے
دراصل آج ہم کو ضرورت علیؑ کی ہے
ہروقت جاگزیں رہے دل میں یہی خیال
خدمت جو ہے سماج کی خدمت علیؑ کی ہے
مولائے کائنات سے یہ مانگتا ہوں میں
بڑھتی رہے جو دل میں محبت علیؑ کی ہے

اسلام کا عظیم تہذیبی انقلاب حضرت علیؑ کی سیرت کی روشنی میں

اردشیر منکھی

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام تاریخ انسانیت کا عظیم معجزہ ہیں۔درحقیقت ظہور اسلام سے قبل عرب تہذیب وتاریخ کے مطالعہ کے بعد ان کی معجزاتی شخصیت کی عظمت اور زیادہ اجاگر ہوجاتی ہے کیونکہ دور جاہلیت کا عربی ادب بالخصوص ان منظوم ادب ان کی ثقافت کا مکمل ترجمان ہے۔

دور جاہلیت میں عرب شراب ،شمشیر و شاہد و بادہ کے علاوہ کچھ نہیں جانتے تھے۔ان کے لئے سب سے زیادہ افتخار کی چیز شمشیر تھی۔عرب میدان جنگ میں مردان جنگ کو تہہ تیغ کرنے پر ہی فخر نہیں کرتے تھے بلکہ حاملہ عورتوں کے قتل کو بھی باعث فخر سمجھتے تھے۔

تغلب قبیلہ کا ایک شمشیر زن اس طرح کہتا ہے۔

حتی تظل الحاملات مخافة　　من وقعنا لقذفن کل جنین

ترجمہ:اس طرح کریں کہ ہم سے وابستہ حاملہ عورتیں خوف وہراس میں ہوں اور بچہ ساقط کردیں۔[1]

شمشیر کی اہمیت یہاں تک تھی کہ اس کے ذریعہ عربوں کے روز وشب معین کئے گئے ہیں وہ اپنی جنگوں کو یوم (روز) کہتے ہیں تم یہ کہو گے کہ جس روز شمشیر نہ چلائی جائے اور زمین پر خون نہ بہایا جائے وہ روز خدا کا روز نہیں ہے اور روز (دن) کہلائے جانے کی شائستگی نہیں رکھتا شب میں جام شراب سے مست ہوتے تھے تاکہ دن میں شمشیر کو خون سے سیراب کریں اگرچہ وہ لوگ بخوبی واقف تھے کہ ہر خون (قتل) اپنے ہمراہ قتل رکھتا ہے اور قاتل ایک روز اپنے مقتول کا کشتہ قرار پائے گا۔

انی قاتلة مقتولة　　لعل الله ان یرتاح

ترجمہ: میں قتل کرنے والا ہوں اور قتل ہونے والا بھی

تاکہ خداوند عالم مجھے اس زندگی سے آسودہ فرمادے۔[2]

عربوں کی بیرحمی کی داستانیں تاریخ نے محفوظ کی ہیں۔منذر بن امرأ القیس نے جو عربوں کے درمیان (لمحرق)؎ کے نام سے مشہور تھا، یہ قسم کھائی تھی کہ اگر وہ دشمن پر کامیاب ہوگیا تو انہیں ایک ایک کر کے قتل کرے گا یہاں تک کہ خون پہاڑ کے دامن تک پہونچ جائے۔ اس نے اپنے سپاہیوں کے ساتھ ان پر حملہ کیا اورشدید جنگ کی چنانچہ اہل بکر کی شکست ہوئی اس جنگ میں لوگوں کی بڑی تعداد قتل ہوئی اورمنذر نے بہت سے دشمن اسیر کئے اورحکم دیا کہ اسیروں کو پہاڑ پر لے جاکر قتل کیاجائے یہاں تک کہ ان کا خون پہاڑ کے دامن تک پہونچ جائے۔وہ لوگ جس قدر قتل کرتے ، خون یا جم جاتا یا زمین کے اندر چلا جاتا اور پہاڑ کے دامن تک نہیں پہونچتا تھا۔منذر سے کہا گیااگر روئے زمین پر موجود قبیلہ بکر کے تمام افرادقتل کر دیے جائیں تب بھی ان کا خون پہاڑ کے دامن تک نہیں پہونچے گا۔اس نے کہا مجبوراً قتل کرتے وقت ان کے گلوں پر پانی ڈال دو تاکہ خون پہاڑ کے دامن تک پہونچ جائے اور شاہی قسم پوری ہوجائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اورخون پہاڑ کے دامن تک پہونچ گیا۔ اس نے حکم دیا کہ عورتوں کو آگ میں ڈال دیا جائے اورنذر آتش کردیا جائے۔؎

آج بھی ''یوم ذی قار'' ''یوم خزران'' اور یوم الکلاب جیسی جنگوں میں قتل ہونے والوں کی ارواح اسلام سے قبل کے اشعار اور تاریخ میں سرگرداں ہیں۔ ''یوم الفصار'' کی جنگیں اوس وخزرج کے قبائل میں ایک عرصہ تک جاری رہیں اور مدینہ میں پیغمبر اکرمؐ کے وارد ہونے کے بعد ختم ہوئیں۔

تغلب اوربکر قبیلوں کے درمیان جنگیں چالیس برس تک جاری رہیں اور صرف ایک اونٹ کے باعث شعلہ ور ہوئیں وہ اس طرح کہ عرب کے شیوخ سے ایک (شخص) کلیب نے جساس کے بہترین اونٹ کو تیر مار دیا جس سے وہ زخمی ہوگیااس کے باعث قبائل کے درمیان طولانی جنگ کا آغاز ہوگیا اورلڑکیاں عرب جاہلی رسم کے مطابق کلیب اور جساس کے مرنے کے بعداس طرح شعر پڑھتی تھیں۔

کبھی کسی لڑکی کے رشتہ نہ ہونے پر جنگ بھڑک اٹھتی تھی۔ حارث بن ابی شمر نے منذر بن منذر کی دختر کے ساتھ شادی کے لئے منگنی کی۔ جب لڑکی نے رشتہ سے انکار کیا تو دونوں قبیلوں کے درمیان خونیں جنگ چھڑگئی۔ آپ یہ کہیں گے کہ عربوں کی شمشیر چاہے جس بہانہ سے نیام سے باہر نکلے جنگجوؤں کے جسموں میں داخل ہوجاتی ہے۔

خودحضرت علیؑ نے نہروان کی جانب جانے سے قبل جو خطبہ ارشادفرمایا وہ بدوی زندگی کی نہایت

دلکش، ادیبانہ اور سچی تصویر کشی کر رہا ہے۔

''اے گروہ عرب اس وقت تم بدترین مذہب کے پیروکار تھے اور بدترین مقام میں زندگی بسر کر رہے تھے اور سنگلاخ زمینوں اور زہریلے سانپوں کے درمیان زندگی بسر کر رہے تھے سیاہ اور کالا پانی پیتے اور روکھی سوکھی غذا کھاتے تھے اور ایک دوسرے کا خون بہاتے تھے اور قرابتداروں سے دوری اختیار کئے رہتے تھے تمہارے درمیان بت نصب تھے اور تم گناہوں سے دوری اختیار نہیں کرتے تھے''۔[۵]

عرب کے ان تہذیبی حالات میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علیؑ کی ذات کا ظہور تاریخ کا معجزہ نہیں تو کیا ہے۔

عظیم معجزاتی شخصیت کا ظہور

ایک مرد آسمان سے زمین پر نازل ہوا جو اضداد کا مجموعہ تھا اور اہل زمین کے لئے ناممکن کو ممکن بناتا تھا جس کی ولادت تاریخ کے دیگر بزرگ افراد کی ولادت سے مختلف تھی جو بے مثال ولادت تھی جسے خدا نے اپنے گھر میں ولادت کا شرف بخشا باپ نے علیؑ نام رکھا اور آپ کے چچازاد برادر یعنی پیغمبر اسلام نے آپ کی کنیت ابوتراب قرار دی۔ علیؑ کی عظمت و بلندی اور ابوتراب تواضع اور تسلیم کی علامت ہے۔

جیسا کہ جارج جرداق نے کہا ہے انسانی تاریخ میں ایسی متضاد صفتیں کسی دوسرے شخص میں اکٹھا نہیں ہوئیں، جیسی ذات علی میں جمع ہوگئیں تھیں۔ علم و دانش اور زبان پر اتنا اختیار تھا کہ نہج البلاغہ وجود میں آئی اور مرد میدان ایسے کہ ان کے لئے ذوالفقار اتری۔

حضرت کا کلام اس قدر عالمانہ تھا کہ جس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے(فوق کلام المخلوق تحت کلام الخالق)[۶] یعنی: انسانوں کے کلام سے بلند اور خدا کے کلام سے پست ہے۔

درحقیقت وہ زبان وشمشیر کے پروردگار تھے۔

علیؑ شجاعت کا نمونہ اعلیٰ

علی کی ذوالفقار نے کا عرب کے بیشتر نامی گرامی پہلوانوں نے مزہ چکھایا یہاں تک کہ آپ کو قتال عرب کہا جاتا ہے۔ بے عربوں کو یقین ہوگیا کہ علیؑ کی تلوار تمام صنادید عرب پر غالب ہے جس نے

عرب کے سر برآوردہ لوگوں کی گردنیں قلم کردیں اور ان کے نامور پہلوانوں کو قتل کیا۔ ۸

علی کی ذوالفقار نے کبھی بھی اپنے نفس یعنی اپنی ذات کی خاطر خون نہیں بہایا بلکہ فقط رضای خدا کی خاطر خون بہایا۔ عمرو ابن عبدود سے امام کا مقابلہ اس کی بہترین مثال ہے۔ عبدالفتاح عبدالمقصود اس واقعہ کی اس طرح تشریح کرتے ہیں: جس وقت علیؑ نے عمر بن عبدود کے مقابلہ میں جانے کے لئے پیغمبرؐ سے اجازت چاہی ہر مرتبہ پیغمبر نے انکار فرمایا مگر جب کوئی اور تیار نہ ہوا تو پیغمبر نے اجازت دیدی۔

امیر المومنین میدان میں آئے۔ گفتگو کو تاریخ نے یوں نقل کیا ہے:

عمر بن عبدود سوال کرتا ہے، تم کون ہو؟

علیؑ: عبدمناف سے ہوں؟ فرزند ابو طالب ہوں

پھر مولا نے فرمایا: اے عمرو تو نے اپنی قوم سے عہد کیا ہے کہ اگر قریش سے کوئی شخص تین چیزیں تیرے سامنے پیش کرتا ہے تو ان میں سے ایک قبول کرے گا۔

عمرو: ہاں میرا عہد اور قرار یہی ہے۔

علیؑ: اس بنا پر ہی تجھے اسلام کی دعوت دیتا ہوں عمرو نے ہنستے ہوئے کہا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ میں اپنے باپ دادا کے آئین سے دست بردار ہو جاؤں؟ اور ان کے دین و آئین کو ترک کردوں۔

علیؑ: " پھر واپس پلٹ جا۔ عمرو نے غضب ناک ہوتے ہوئے کہا تم چاہتے ہو میں پلٹ جاؤں تا کہ عرب میرے فرار کرنے پر طعنہ دیں۔"

مولا نے کہا میں پیادہ ہوں گھوڑے سے اتر جا۔ جنگ ہوئی اور بالآخر مولا کی ضرب سے عمرو زمین پر آ گیا۔ مولا نے چاہا عرب کی رسم کے مطابق اس کا سر قلم کریں مگر اس نے لعاب دہن پھینک دیا۔ اور مولا سینہ پر سے اتر گئے تا کہ ان کا یہ عمل خود ان کے نفس کی خاطر نہ ہو بلکہ صرف خدا کی خاطر ہو۔ یہ تاریخ کا سنہری ورق ہے۔

مولا کی سیرت کے اس واقعہ سے مولانا رومی بھی وجد میں آ گئے اور کہا کہ امیر المومنین نے ثابت کر دیا کہ

بندۂ حقم نہ مامور تنم

یعنی حضرت نے کہا میں حق کی خاطر تلوار چلاتا ہوں میں بندۂ حق ہوں اپنے جسم کا غلام نہیں۔

شیر حقم عیستم شیر ہوا — فعل من بر دین من باشد گواہ

یعنی میں حق کا شیر ہوں خواہشات کا شیر نہیں ہوں میرے دین پر میرا فعل گواہ ہے۔

مارمیت از رمیتم در حرب — من چو تیغم وآن زنندہ آفتاب

یعنی جنگ میں میرے متعلق یہ گفتگو ہے کہ میں تیغ کی مانند ہوں اور وہ جلانے والا آفتاب ہے۔

جز بہ یاد او نجنبد میل من — نیست جز عشق احد سرخیل من

یعنی میرا نفس اس کی یاد کے سوا حرکت نہیں کرتا، اس ایک (خدا) کی محبت کے علاوہ میرا کوئی سرخیل نہیں ہے۔

عمرو بن عبدود کی تمام تر شہرت علی کی ذوالفقار کا ذائقہ چکھنے کے بعد سے ہے۔ اگر تاریخ کے صفحات پر اس کا نام موجود ہے اور آج بھی جو عمرو کا نام مکرر سنا جاتا ہے وفقط علیؑ کی ذوالفقار کے بوسہ کے باعث ہے۔

علیؑ انصاف وعدالت کا نمونہ اعلیٰ

شمشیر علی شمشیر عدل ہے دوست و دشمن کو نہیں پہچانتی فقط عدالت کو دیکھتی ہے۔ جب بھی حق کو پیروں کے روندا جاتا ہے بلند ہوجاتی ہے۔ حق و انصاف کے معاملے میں علیؑ کا عمل قاطع ہے۔ علیؑ کا ایک چاہنے والا صاحب فضل و شرف ہے لیکن اس سے ایک لغزش سرزد ہوجاتی ہے اس پر حد جاری کرنا ضروری ہے۔ امیرالمؤمنین ہاتھ کاٹ دیتے ہیں۔ وہ شخص کٹے ہوئے ہاتھ کو دوسرے ہاتھ میں لے لیتا ہے۔ اسی حالت میں جب کہ اس کے کٹے ہاتھ سے خون ٹپک رہا ہوتا ہے ابن الکوا سے جو کہ ایک خارجی ہے، ملاقات ہوجاتی ہے ابن الکوا اسے مولا علیؑ کے خلاف بھڑکانا چاہتا ہے۔ چنانچہ ترحم آمیز لہجہ میں اس سے کہتا ہے تیرا ہاتھ کس نے کاٹ ڈالا؟ وہ کہتا ہے میرا ہاتھ سید الوصیین مومنین کی نسبت سب سے اولیٰ علی بن ابی طالب نے کاٹا ہے جو ہدایت کے امام اور رشد و ہدایت کے زمامدار ہیں۔

ابن الکوا نے کہا وائے ہو تجھ پر تیرا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے اور تو اس طرح تعریفیں کررہا ہے؟ اس نے کہا آخر میں ان کی تعریف کیوں نہ کروں جبکہ حضرت کی دوستی میرے گوشت و خون میں گھل مل چکی ہے۔ خدا کی قسم حضرت نے میرا ہاتھ نہیں کاٹا مگر سوائے اس حق کے جسے خداوند عالم نے قرار دیا ہے۔ [9]

علیؑ علم بلاغت کا نمونہ اعلیٰ

جناب ابن عباس پیغمبرؐ کے زمانہ میں بڑے عالم صحابی اور 'خبرالامۃ' کے لقب سے مشہور ہیں اور جاحظ کے بقول صدر اسلام کے خطباء میں وہ بے نظیر تھے۔ وہ بھی امامؑ کے کلام سے مسحور ہیں اور کلام امیرالمومنین کی سحر البیانی اور اس کی تاثیر کو اعجاز آمیز جانتے ہیں۔ جس وقت امیرالمومنین اپنا مشہور خطبہ شقشقیہ بیان فرما رہے تھے جب آپ اس جملہ پر پہنچتے ہیں 'آگاہ ہوجاؤ کہ میرے نزدیک تمہاری یہ دنیا بکری کی ناک سے بہنے والے پانی سے زیادہ حقیر ہے'، اس وقت ایک عراقی دیہاتی شخص کھڑا ہوکر ایک خط حضرتؑ کو دیتا ہے جس کے پڑھنے میں حضرت مصروف ہوجاتے ہیں جب حضرت خط کے مطالعہ سے فارغ ہوتے ہیں جناب ابن عباس عرض کرتے ہیں یا امیرالمومنین کاش آپ اسی مقام سے گفتگو کا آغاز فرماتے جہاں سے آپ نے گفتگو کا سلسلہ ترک کیا تھا۔ امامؑ جواب میں فرماتے ہیں اے ابن عباس یہ گفتگو شقشقیہ تھی جس نے آواز بلند کی اور پھر اپنے مقام پر بیٹھ گیا حضرتؑ کا یہ کلام آپ کے اس درد سے وجود میں آیا تھا جو زمانے نے آپ کو دیا تھا آپ نہیں چاہتے تھے کہ کوئی شخص اس سے زیادہ آپ کے درد سے واقف ہو۔ اس وقت ابن عباس کہتے ہیں خدا کی قسم میں کسی گفتگو کے منقطع ہونے پر اس قدر اندوہ گیں نہیں ہوا جیسا کہ حضرت کے اس کلام کے منقطع ہونے پر ہوا۔ [۱۰]

ہمام بن شریح اپنے وقت کے عبادت گذاروں اور امیرالمومنینؑ کے اصحاب خاص سے ہیں۔ ایک روز امیرالمومنینؑ سے خواہش کرتے ہیں کہ حضرت متقین کے صفات ان کے لئے اس طرح بیان فرمائیں کہ گویا ہمام ان صفات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

امامؑ ان کی خواہش کو پورا کرنے سے انکار کردیتے ہیں ہمام پھر سے اصرار کرتے ہیں امامؑ ہمام کا جواب اختصار سے دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اے ہمام تقویٰ الٰہی اختیار کرو اور نیکی کرو۔ لیکن ہمام اس اجمال پر راضی نہیں ہوئے اور امامؑ سے اصرار کرتے ہیں کہ حقیقی مومن کی صفات بیان فرمائیں۔ چنانچہ امامؑ خدا کی حمد وثنا کے بعد متقین کے ۱۰۵ صفات اس طرح موثر اور عمیق انداز سے تشریح فرماتے ہیں کہ ہمام ایک چیخ مار کر بے ہوش ہوجاتے ہیں۔ [۱۱] اور اسی بے ہوشی میں ان کا انتقال ہوجاتا ہے۔ امامؑ ہمام کی خواہش کے انکار کی علت وسبب اور اس سے ناراحتی کا اظہار اس طرح فرماتے ہیں خدا کی قسم میں اسی وجہ سے اس چیز

سے ڈر رہا تھا پھر فرماتے ہیں صحیح نصیحتیں اپنے اہل پر اسی طرح موثر ہوتی ہیں۔ ۱۲

یہ صرف علیؑ کے اصحاب دوستوں اور چاہنے والوں میں سے سید رضی وابن عباس وہمام اور آپ کے دیگر ہزاروں دوستوں کی مثالیں نہیں ہیں جنہیں علیؑ کی سحر البیانی متاثر کرتی ہے بلکہ آپ کے شدید مخالفین حضرت کی قادر الکلامی کا یقین رکھتے ہیں۔

محقن ابن ابی محقن علیؑ سے برگشتہ ہوکر معاویہ کی جانب چلا جاتا ہے معاویہ کو خوش کرنے کے لئے کہتا ہے میں گونگے ترین شخص کی جانب سے تیری طرف آیا ہوں۔ معاویہ نے اس کے جواب میں کہا وائے ہو تجھ پر افسوس کہ تو علی کو گونگا ترین انسان کہتا ہے۔ قریش علی سے قبل فصاحت سے آگاہ نہیں تھے۔ علی نے قریش کو فصاحت کا درس دیا ہے ۱۳

آخری اموی خلیفہ مروان بن حکم کا کاتب عبد الحمید جو ایرانی الاصل اور ابن مقفع مشہور مصنف اور دانشمند کا استاد ہے وہ انشاء پردازی کے ہنر میں اس قدر زبردست تھا کہ اس کے متعلق لوگوں نے بیان کیا ہے کہ فن تحریر کا عبدالحمید کے ذریعہ آغاز ہوا اور اسی پر خاتمہ ہوگیا۔ جب اس سے سوال کیا گیا کہ کس چیز نے تجھے بلاغت کی اس منزل پر فائز کیا۔ اس نے جواب دیا میں نے علیؑ کے خطبوں سے ۸۰ خطبے حفظ کر لئے اس کے بعد سے میرے ذہن میں مضامین کے سیلاب امنڈنے لگے۔

باز باش ای باب رحمت تا ابد بارگاہ مالہ کفواً احد

حواشی

۱- تاریخ کامل ابن اثیر، ج ۲، ص ۶۳۱

۲- گذشتہ حوالہ، ص ۶۱۴

۳- العصر الجاہلی، ص ۵۴

۴- تاریخ ابن اثیر، ج ۲، ص ۶۴۴

۵- اسلامی احادیث اور معتبر تواریخ میں یہ لقب پیغمبرؐ کے بارے میں بیان کیا گیا ہے۔ نہج البلاغہ، فیض الاسلام، خطبہ ۲۶، ص ۲۲

۶- حضرت کے مشہور القاب سے ہے جس کے معنی عربوں کا قتل کرنے والا۔ سیری در نہج البلاغہ، استاد مرتضی مطہری

۷- نہج البلاغہ، فیض الاسلام، مقدمہ

۸- مثنوی دفتر اول، ص ۱۶۵، مفاتیح الجنان، شیخ عباس قمی، دعای ندبہ

۹- فیض الاسلام، خطبہ ۱۸۴، ص ۶۱۱، جاذبہ و دافعہ ئی علی، استاد مرتضی مطہری، ص ۳۷

۱۰- نہج البلاغہ فیض الاسلام، خطبہ ۳، ص ۵۲-۵۳
۱۱-۱۲- گذشتہ حوالہ، خطبہ ۱۸۳، ص ۶۱۱
۱۳- سیری در نہج البلاغہ، استاد مطہری، ص ۹

معرفی کتاب

(تازہ ترین کتابوں کا تعارف)

نام کتاب	:	لہو کا سفر-کربلا سے شام تک
مصنف (شاعر)	:	انجم زیدی
ناشر	:	فرید بکڈپو، دریا گنج، نئی دہلی-۲
تبصرہ نگار	:	مہدی باقر

نوحہ وہ پاکیزہ اور مقدس ما آب صنف سخن ہے جس کے فکری مواد اور فنی تقاضے دیگر اصناف سخن سے بالکل مختلف ہوتے ہیں۔ جس میں تغزل کی آمیزش اس کی تقدیس کو پامال اور سوگواریت کو مخدوش کرسکتی ہے وہیں قصیدوی رنگ و آہنگ اس کے موضوع کے ساتھ رعایت و انصاف برتنے سے قاصر ہے، اس کے علاوہ نوحہ، روداد کربلا و شام کے سلسلے میں عوامی لب و لہجہ کا ترجمان ہونے کے سبب عربیت و فارسیت کے غلبہ کو بھی قبول نہیں کرتا لہٰذا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جہاں ایک طرف اردو کی اس مخصوص صنف سخن پر امانت داری کے ساتھ واقعات کربلا کو نقل کرنے کا ذمہ ہے وہیں دوسری طرف اردو کی وسیع دامانی سے عمداً گریز اس کی زبان کا تقاضہ ہے میرا خیال ہے یہی وہ چیز ہے جو نوحہ کی تخلیق اور شاعری کو دوسرے اصناف کے مقابل دشوار سے دشوار تر بنادیتی ہے چونکہ نہ اس میں مبالغہ آرائی کی گنجائش ہے اور نہ ہی تخیلات کی بلند پروازی کے لئے وسیع میدان چنانچہ میں بشمول خود کتنے ہی ایسے شعراء کو جانتا ہوں جو دیگر اصناف سخن میں جس چابکدستی کا مظاہرہ کرتے ہیں وہ نوحہ نگاری کے وقت اتنے آزاد نظر نہیں آتے۔

نجم آفندی سے انجم زیدی تک نوحوں نے جو سفر طے کیا ہے وہ نہ صرف نئی نسل کے لئے آئیڈیل ہے بلکہ خود نوحہ نگاری کی صنف کے تئیں بقا کی ضمانت ہے ورنہ فی زمانہ ذوق اور مذہبی شعور جس دور

سے گذر رہا ہے اس میں بالخصوص نئی نسل اور آداب عزاداری کے حوالے سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ جملہ مراسم عزا بالخصوص نوحہ نگاری و نوحہ خوانی اپنی مقصدیت و معنویت کھوتے جا رہے ہیں، فضائیلی اشعار پر ماتم سید الشہداء دیکھ کر ناطقہ سر بگریباں ہے ایسے میں انجم زیدی کے نوحہ جو خالص مکی عناصر کا مجموعہ ہیں غیر معمولی اہمیت کے حامل ہیں گو کہ موصوف کی شخصیت سے والہانہ لگاؤ کے سبب میرے لئے ان کے تعارف یا ان کی شاعری پر تبصرہ لکھتے وقت انصاف کر پانا خاصا مشکل امر تھا مگر ذاتی جذبات کو بے دخل کرتے ہوئے حقیقت پسندانہ رویہ کے تحت جو میں نے محسوس کیا وہ یہ ہے کہ آپ نے نوحہ جیسی غریب الاستعمال صنف پر طبع آزمائی کی جو کہ بہرحال مذہبی شاعری ہی سمجھی جاتی ہے اس دور لادینیت کے پیش نظر اسے جرأتمندانہ روش سے تعبیر کیا جانا چاہئے۔

یوں تو اس سے قبل بھی آپ کے نوحوں کا ایک مجموعہ ''لہو کے پھول'' شائع ہوکر قبول عام و خاص ہوا مگر زیر بحث نوحوں کا مجموعہ ''لہو کا سفر- کربلا سے شام تک'' مزید فنکارانہ پختگی اور نوحہ نگاری کے جملہ اصولوں اور تقاضوں سے آراستہ و پیراستہ ہوکر منظر عام پر آیا ہے۔

مذکورہ مجموعہ میں ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ اس میں ابتدائی واقعات کربلا سے لے کر وداع ایام عزا تک کے نوحے تقریباً بالترتیب موجود ہیں۔ اس مجموعہ کا نام ''لہو کا سفر- کربلا سے شام تک'' بھی اس کی نشاندہی کر رہا ہے۔

انجم زیدی صاحب کے نوحوں کے اس مجموعے میں طرز و اسلوب کے حوالے سے یہ بات بآسانی کہی جاسکتی ہے کہ آپ انتہائی سادگی کے ساتھ مگر بھرپور شعریت و حسیت سے لبریز انداز میں ایک اچھے خاصے مضمون کو نظم کرنے کا ہنر جانتے ہیں، چنانچہ ان کا یہ شعر ملاحظہ فرمائیں:

محسن انسانیت شبیر جس کا نام ہے　　آج تک زندہ اسی کی موت سے اسلام ہے

مناظر قدرت کی منظر نگاری، یا کسی غازی کا سراپا بیان کرنا بہرحال کسی المیہ کے کسی خاص موقع کی منظر نگاری سے آسان ہوتا ہے چونکہ کسی المیہ کی منظر کشی کرتے وقت اس کے فطری تقاضوں کو پورا کر پانا آسان نہیں ہوتا مگر انجم زیدی صاحب اسے حدود مرثیہ نگاری سے باہر نکال کر نوحہ میں آزماتے ہیں اور مضبوط بیانیہ کے سبب کامیاب نظر آتے ہیں۔

بند آنکھیں زرد چہرہ، تھرتھراتے خشک ہونٹ　　خالی کوزہ ہاتھ میں لب پر چچا کا نام تھا

کبھی کبھی انتہائی اچھوتے احساس کو ایک مخاطبہ کے ساتھ یوں نظم کرتے ہیں۔

اے سکینہ کس کو دکھلاتی ہو ہاتھوں کی رسن　　خانۂ زہرا نہیں بی بی، یہ ملک شام ہے

اس کے علاوہ بعض مقام پر انجم زیدی صاحب کا شعری آہنگ، آدمی کے فطری لہجہ سے اتنا قریب نظر آتا ہے اگر اسے زبان کا شعر کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔ مثال کے طور ران کا یہ شعر:

آج پھر چاند نظر آتا ہے خنجر کی طرح　　آج پھر شام الم، درد کی ماری آئی

مذکورہ بالا چند اشعار سے ہی انجم زیدی صاحب کے نوحوں کی فنی پختگی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

نوجوان نسل اور کم اردو داں طبقہ کے لئے اس کتاب میں یہ بھی ایک آسانی ہے کہ داہنے صفحہ پر جو نوحہ اردو میں ہے وہی نوحہ بائیں صفحہ پر ہندی میں بھی درج ہے۔

۲۴۰ صفحات پر مشتمل اس کتاب کی طباعت بھی دیدہ زیب اور مجلد ہے۔

مجموعی طور پر ہم اس کتاب کو کربلا شناسی کی راہ میں ایک سعی اور نوحہ نگاری کی مقدس صنف سخن کا احیا کہہ سکتے ہیں۔ خدا شاعر سید الشہدا و جناب انجم زیدی کو صحت و سلامتی و طول عمر عنایت فرمائے تاکہ آپ سے اس قسم کی خدمات کے مزید مظاہر منظر عام پر آتے رہیں۔

نام کتاب : احسن الانتخاب فی ذکر معیشۃ سیدنا ابی تراب
مؤلف : مولانا حافظ شاہ محمد علی حیدر قلندر علوی کاکوروی
ناشر : کتب خانہ انوریہ، خانقاہ کاظمیہ قلندریہ، کاکوری، لکھنؤ، یوپی
صفحات : ۵۳۶
تبصرہ نگار : مہدی باقر معراج

حضرت علیؑ سے خصوصی عقیدت صوفیاء کرام کی دیرینہ روایت رہی ہے، چنانچہ خانقاہوں یا خانقاہی ماحول میں نام علی سے زیادہ شاید ہی کوئی دوسرا نام ورد زبان دیکھا جاسکتا ہے دراصل یہی وہ افراد ہیں جو حضرت امیر کی شخصیت سے عشق کی حد تک لگاؤ رکھتے ہیں ان کی فکری وعقیدتی سیر کی اول و آخر بھی حضرت علی کی ذات ہے۔ بنابریں اگر ہم آپ کی ذات اقدس کو تصوف کی روح اور خانقاہوں کی رونق قرار دیں تو مبالغہ نہ ہوگا۔

تاریخ تصوف میں کاکوری کا نام ہمیشہ یاد رکھا جائے گا جہاں خانقاہوں کی دنیا میں اس کی اپنی شناخت ہے وہی اس کی مردم خیزی، تاریخ ساز علمی و ادبی کارناموں اور شخصیتوں نے اسے ہندوستان کی صف اول کی بستیوں میں لاکر کھڑا کردیا ہے۔ حضرت مولانا حافظ شاہ علی حیدر قلندر (نور اللہ مرقدہ) اسی بستی کی دین ہیں آپ اپنے زمانے کے ایک ممتاز صوفی و سالک تھے اس میں کوئی دورائے نہیں کہ خانقاہوں سے وابستہ عرفاء وصوفیا حضرات نے ہمیشہ غیر معمولی علمی کارنامے انجام دیئے ہیں۔ شمالی ہند میں واقع خانقاہوں میں صوفیانہ سرگرمیوں کے ساتھ ہی ساتھ علمی کارناموں کا لامتناہی سلسلہ دکھائی دیتا ہے چنانچہ شیخ محی الدین ابن عربی کی فصوص الحکم کی جامع تفسیریں شیخ محب اللہ الہ آبادی اور شیخ افضل الہ آبادی نے ایسے مدلل انداز بیان کے ساتھ پیش کی کہ دنیائے تصوف انہیں شیخ کبیر

کے لقب سے یاد کرنے پر مجبور ہوگئی۔

پس خانقاہوں میں علما روایت کی پیروی کرتے ہوئے مولانا کاکوروی نے اپنی انفرادیت کو محفوظ رکھا کیونکہ آپ نے محض روح تاریخ تصوف و جان تہذیب عرفان حضرت علی پر خامہ فرسائی ہی نہیں کی بلکہ آپ نے خانقاہیت کی امیر المؤمنین سے وابستگی کا عملی ثبوت فراہم کرتے ہوئے اس کا حقیقی تعارف پیش کیا۔

زیر بحث کتاب "احسن الانتخاب فی ذکر معیشة سیدنا ابی تراب" حضرت علی سے متعلق آپ کی قلمی کاوشوں کے زریں سلسلے کی ایک حسین کڑی ہے اور اس کتاب میں مولانا موصوف نے امیر المؤمنین حضرت علی کی سوانح حیات کو مفصلاً مع اسناد مآخذ کے درج فرمایا ہے۔ حضرت علی پر اردو زبان میں لکھی جانے والی کتابوں میں یہ کتاب اپنے طرز تالیف اور مدارک کے اعتبار سے خصوصی حیثیت رکھتی ہے یعنی عالم اسلام کے مختلف فرقوں اور مسلکوں کی معتبر ترین کتابوں کے مطالعہ کے بعد یہ کتاب عالم شہود میں آئی ہے جسے اس کے حوالہ جات دیکھ کر صاف طور پر محسوس کیا جاسکتا ہے۔

مؤلف مذکور نے امام معصوم کی سیرت طیبہ پر چھ جلدیں لکھنے کا ایک خاکہ تیار کیا تھا جن میں سے تین شائع ہوچکی ہیں، موضوع گفتگو کتاب، ان میں کی پہلی کتاب ہے جو ۱۹۳۲ء میں لکھنؤ سے شائع ہوئی۔ یہ کتاب اپنی طرز کی انفرادی کتاب ہونے کے سبب، طبقۂ علما میں بھی خاصی توجہات کا مرکز رہی ہے۔

پانچ سو سے زائد صفحات پر مشتمل اس کتاب میں مؤلف نے حضرت علیؑ کے دور خلافت کے بیشتر واقعات کو انتہائی تحقیقی و تحلیلی نقطۂ نظر سے لکھا ہے۔

مولانا کی طرز نگارش میں سب سے خاص بات یہ ہے کہ آپ نے مخالفین حضرت علی کے عیوب و نقائص بیان کرنے پر اپنی بیش قیمت قوت فکر و عمل کا اسراف نہ کرتے ہوئے آپ کے فضائل و محاسن کو قلمبند کرنے پر زیادہ توجہ صرف کی ہے جو بہرحال ایک مثبت طریقۂ کار ہے۔ طرفہ تماشہ یہ ہوا کہ اس محتاط اور علمی رویہ کے باوجود "احسن الانتخاب" کی اشاعت کے بعد آپ کے خلاف پمفلیٹ اور کتابچے نکالے گئے، مختلف الزامات لگائے گئے مگر آپ کی ثابت قدمی میں لغزش نہ ہوئی، چاہنے والوں نے کبیدہ خاطر ہوکر کبھی کچھ کہنا چاہا تو فرمایا محبت اہل بیت اور عشق علی کی راہ آسان نہیں ہے۔

احسن الانتخاب پر جہاں چند تنگ نظر اور کوتاہ فکر افراد نے کھوکھلے نعرہ بلند کئے وہیں صاحبان فکر و

نظر نے اس کی زبردست پذیرائی کی اور داد و تحسین سے نوازا یہاں تک کہ حاسدین کے کمزور اور غیر منطقی اعتراضات کا معقول اور دندان شکن جواب بنام "رفع الحجاب" بھی دیا گیا۔ یہ کتاب مولوی ایوب احمد نے تحریر فرمائی مجموعی طور پر مولانا نے پوری کتاب میں انتہائی دیانتدارانہ اور محققانہ رویہ سے کام لیا ہے، چنانچہ میرا خیال ہے یہ کتاب عالم اسلام کے جملہ مکاتیب فکر کے لئے علی شناسی کی راہ میں مشعل ہدایت کی حیثیت رکھتی ہے اس کتاب سے استفادہ ہی مؤلف کے تئیں حقیقی خراج تحسین ہوگا۔

نام کتاب	:	مضامین ڈار
مصنف	:	پروفیسر محمد ابراہیم ڈار
مرتب	:	ڈاکٹر سید ظہیر الدین مدنی
ناشر	:	اردو ساہتیہ اکاڈمی، گجرات
صفحات	:	۳۲۲
تبصرہ نگار	:	پروفیسر شریف حسین قاسمی

ہندوستان میں بیسویں صدی کے اوائل میں چند ایسی ہستوں نے جنم لیا جنھوں نے فارسی زبان وادب کے میدان میں کارہائے نمایاں انجام دیے۔ ان میں محمود شیرانی صاحب، پروفیسر محمد شفیع وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ محمود شیرانی صاحب کے ایک شاگرد پروفیسر محمد ابراہیم ڈار بھی تھے جنھوں نے فارسی ادب میں تحقیق وتنقید کو اپنے مرحوم استاد شیرانی کی طرح زندگی کا مقصد بنایا۔ ڈار صاحب نے پنجاب یونیورسٹی لاہور سے ایم۔اے کرنے کے بعد گجرات کالج احمد آباد میں فارسی کی تدریس شروع کی۔ آپ نے ممبئی میں اسمٰعیل یوسف کالج میں بھی استاد کی حیثیت سے خدمات انجام دیں اور بالآخر ۱۹۵۳ء میں آپ واصل بہ حق ہوگئے۔

ڈار صاحب کے ۱۰ مضامین پیش نظر مجموعے میں شامل ہیں۔ اگرچہ مقدمے میں گیارہ لکھے گئے ہیں جو صحیح نہیں ہے ان کی تجدید اشاعت کے لئے ڈار صاحب کے داماد اور ہمارے دور کے ایک جید عالم ڈاکٹر ضیاء الدین دسائی صاحب ایک عرصے تک کوشاں رہے اور بالآخر یہ مجموعہ گجرات سے شائع ہوگیا۔

ڈار صاحب کے درج ذیل مضامین اس مجموعے میں اشاعت پذیر ہوئے ہیں:

۱- جہاں آرا بیگم کی ایک غیر معروف تصنیف.....

۲- دیوان خواجہ معین الدین چشتی اجمیری

۳- شیخ فرید الدین کے حالات و تصانیف کے متعلق ہندو ایران کے علما کی تحقیقات
۴- ہندوستان میں مغلوں سے قبل فارسی ادب: شمس العلما عبد الغنی کا تازہ علمی کارنامہ
۵- اقبال کی وطن دوستی
۶- سید سلیمان ندوی کی تصنیف حیات شبلی پر ایک نظر
۷- اقبال اور عربی شعرا
۸- اسپین کی اسلامی تاریخ کا ایک ورق اشبیلیہ کا نامور تاجدار المعتمد علی اللہ
۹- باقر علی ترمذی مرحوم
۱۰- ڈاکٹر سید نجیب اشرف ندوی کی تالیف ''مؤرخہ رقعات عالمگیر'' پر ایک نظر

ڈار صاحب مرحوم کے دوستوں نے لکھا ہے کہ ڈار صاحب ان مخصوص لوگوں میں تھے جنہیں دنیا میں اکتساب علم کے علاوہ اور کوئی شوق نہیں ہوتا۔ قدرت نے انہیں وہ تمام صلاحیتیں عطا کی تھیں جو ایک محقق، نقاد اور قابل استاد ہونے کے لئے ضروری ہے۔ ڈار صاحب نے اپنی زندگی میں ۲۵-۳۰ مضامین لکھے ہیں جن میں سے ہر ایک وسیع مطالعہ اور عمیق نظر کا ماحصل ہے۔ ڈار صاحب کو اردو فارسی اور عربی تینوں زبانوں کے ادب سے شغف تھا وہ تاریخ اور اسلامک کلچر پر اچھی نظر رکھتے تھے۔

زیر تبصرہ مجموعے میں شامل مضامین تحقیق و تنقید سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان میں سے ہر مضمون کسی نہ کسی رسالہ میں شائع ہو چکا ہے۔ مضامین پر نظر ڈالئے تو یہ بآسانی احساس ہوتا ہے کو ڈار صاحب نے تحقیق و تنقید کے بعد ان میں اپنے استاد حافظ محمود شیرانی کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کی ہے۔ یہ مضامین بتاتے ہیں کہ ڈار صاحب نے اپنے موضوع پر حاوی ہوئے بغیر کبھی نہ قلم اٹھایا نہ زبان کھولی۔ جب انہیں تلاش و تحقیق سے کلی اطمینان ہو جاتا تب ہی اظہار خیال کرتے۔ ڈار صاحب کے مضامین طرز تحریر میں سنجیدگی و متانت کے ترجمان ہیں انہیں زبان پر قدرت حاصل ہے۔ پیچیدہ مسائل اور مشکل نکات کو بھی اتنی صاف ستھری زبان میں پیش کرتے ہیں کہ مصنف کے مافی الضمیر سے واقف ہونے میں قاری کو ذرا دقت نہیں ہوتی۔

''ہندوستان میں مغلوں سے قبل فارسی ادب'' شمس العلما عبد الغنی کی ایک اہم علمی اور ادبی تصنیف ہے۔ یہ انگریزی میں ہے۔ اس میں بعض فروگذاشتوں کا ڈار صاحب نے اپنے ایک مضمون میں جائزہ لیا ہے۔ یہ مضمون اس مجموعے میں شامل ہے اور ایک خاصہ کی چیز ہے۔ یہ مضمون ڈار صاحب

کے وسیع مطالعہ کا ماحصل اور شواہد و اسناد کی روشنی میں درست اور منطقی نتائج اخذ کرنے کی صلاحیت کا مظہر ہے۔ ڈار صاحب کی بعض تنقیدی تحریریں جو پیش نظر مجموعے میں شامل ہیں، خاص اور ایسے نازک اور اہم موضوعات پر ہیں کہ ان پر قلم اٹھانا ان ہی کا کام تھا۔ تحریر میں رکھ رکھاؤ کا یہ عالم ہے کہ بڑی سے بڑی بات کہہ گئے ہیں۔ مگر بے ادبی یا بدمذاقی کا کہیں نام نہیں۔ مثلاً اقبال پر عربی شاعری کے اثرات پر نظر ڈالئے یا حیات شبلی پر تنقید، نکتہ سنجی اور محققانہ لطیف طرز نگارش کا بہترین نمونہ ہیں۔

شمس العلماء عبد الغنی کی کتاب ''ہندوستان میں مغلوں سے قبل فارسی ادب'' پر شیرانی صاحب مرحوم نے ایک تنقیدی تبصرہ کیا تھا۔ شمس العلما نے اس کا جواب دیا۔ اس جواب پر ڈار صاحب نے جو تبصرہ کیا ہے وہ ایک مضمون کی شکل میں اس مجموعے میں شامل ہے۔ ڈار صاحب کا یہ تبصرہ خاص توجہ چاہتا ہے۔ اس سے آج کے فارسی اساتذہ اور طلبہ دونوں بہت استفادہ کر سکتے ہیں۔ تحقیق میں کس قدر احتیاط برتنی چاہئے۔ نتائج کے اخذ کرنے میں کیا رویہ اختیار کرنا چاہئے۔ ایمان داری کا تحقیق میں کیا کردار ہے، اپنی غلطی کو مان لینے ہی میں عافیت ہے، وغیرہ ایسے امور ہیں جن کا اس مضمون سے پتہ چلتا ہے اور جو فارسی ادب پر کام کرنے والوں کے لئے آج بھی راہنما اصول کی حیثیت رکھتے ہیں۔

پروفیسر محمد ابراہیم ڈار صاحب کے یہ مضامین اس حقیقت کو بھی روشن کرتے ہیں کہ انھوں نے موضوع سے متعلق قدیم و جدید مآخذ سے بھرپور فائدہ اٹھایا ہے۔ بیسویں صدی کے ایرانی محققین کی بیشتر کتابیں ان کی نظر سے گذری تھیں۔ وہ ضمنی طور پر ان کتابوں کے مندرجات کی قدر و قیمت پر بھی اظہار خیال کرتے جاتے ہیں۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ فارسی کے اساتذہ اور طلبہ اس کتاب میں فارسی ادب سے متعلق مضامین کو توجہ سے پڑھیں اور تحقیق و تنقید کے پیچ در پیچ راستوں کا پتہ لگائیں اور ان راستوں پر چلنے کی کوشش کریں۔

نام کتاب	:	نقدِ عمر
مصنف	:	ڈاکٹر عارف نوشاہی
ناشر	:	اورینٹل پبلی کیشنز، لاہور
سال اشاعت	:	۲۰۰۵
صفحات	:	۴۲۱
مبصر	:	پروفیسر شریف حسین قاسمی

نقدِ عمر ڈاکٹر عارف نوشاہی صاحب کے فارسی ادب اور برصغیر ہند و ایران کی مشترکہ ثقافت و تاریخ پر اردو زبان میں لکھے گئے مقالات کا مجموعہ ہے۔ اس میں عارف صاحب کے ۲۱ مضامین شامل ہیں۔ جس کو موصوف نے خود شائع کیا ہے۔

ڈاکٹر عارف نوشاہی صاحب اپنی سنجیدہ و پرخلوص و بے لاگ اور مسلسل تحقیقی کاوشوں کی وجہ سے فارسی دنیا میں کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ انہیں خاص طور پر کتابشناسی میں ملکہ حاصل ہے۔ اتنی بڑی تعداد میں فارسی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتابیں ان کی نظر سے گذر چکی ہیں کہ ان کے سامنے یہ کہتے ہوئے ہچکچاہٹ ہوتی ہے کہ ''ممکن ہے یہ کتاب آپ نے نہ دیکھی ہو یا اس کے بارے میں آپ کچھ نہ جانتے ہوں'' ڈاکٹر صاحب کو کتاب کا باقاعدہ، ایک خاص سلیقے اور نظم سے تعارف کرانا خوب آتا ہے۔ کتابوں یا خطی نسخوں سے متعلق ان کے جو مضامین منظر عام پر آچکے ہیں ان میں آپ نے متعلقہ کتابوں میں نئی روح ڈال دی ہے۔ کتاب میں کس چیز پر کتنا اور کس اندازہ سے لکھا جانا چاہئے۔ اس کا طریقہ کوئی ڈاکٹر عارف نوشاہی سے سیکھے۔

زیرِ نظر مجموعے میں درج ذیل عنوانات کے تحت مضامین شامل ہیں جنہیں مصنف نے مصنفین اور شعرا، تاریخی، تہذیبی، تنقیدی، ادبی مباحث اور آثار کتب نام سے تین ابواب میں پیش کیا ہے مصنفین اور شعرا بدرالدین بدری کشمیری: حالات اور تصانیف، سید محمد بن جلال شاہی رضوی: چند فارسی تصانیف

کا تعارف، محمد ہاشم کشمی کے بعض فارسی رسائل کی بازیافت، نصر اللہ بن عبد السلام بھیری انکی: بارہویں صدی میں پنجاب کے ایک مصنف اور کاتب، میر امین الدین خاں ہروی تھوی کی علمی خدمات، محمد ہاشم ایمن آبادی اور ان کی تصانیف، بابا محمد عثمان کشمیری: شاہ ولی اللہ دہلوی کے ایک شاگرد کے حالات و انکی تصنیفات:

تاریخی، تہذیبی، تنقیدی، ادبی مباحث: برصغیر میں عوارف المعارف کی مقبولیت پر چند شواہد (آٹھویں صدی ہجری تک)، خواجہ احرار کے حالات اور افکار پر چند بنیادی مآخذ، خواجہ باقی باللہ سے منسوب ایک رسالے کی اصلیت، صوفیائے بیجاپور کے دو اہم فارسی تذکرے، بلگرام کے ایک علمی خانوادے کی سندھ میں وقایع نگاری (کلہوڑا عہد میں)، بارہویں صدی ہجری میں لاہور کے چند علما۔

آثار و کتب: شیخ عبد الحق محدث دہلوی کا ایک نایاب مجموعہ تحریرات: فتوحات المکیہ والفیوضات المدنیہ، کلیات وزیری گیارہویں صدی ہجری کے ایک تاتاری نژاد چینی فارسی گو کی شاعری، منتخب التواریخ مؤلفہ محمد یوسف انکی (تاریخ سندھ سے متعلق چند حوالے) صداقت کنجاہی کی مثنوی ''خط بغداد'' و الہ داغستانی کے دیوان کا ایک معاصر مخطوطہ اور اس کا اردو کلام، تذکرۂ حدیقۂ ہندی: برصغیر میں فارسی کے رواج و رونق کے بارے میں ایک اہم مآخذ، جام جہان نما دربار لکھنو سے وابستہ ایرانی مصنف کی تاریخی و تہذیبی اہمیت کی تصنیف، شاہ غلام علی دہلوی مجددی کے ملفوظات: ایک نو دریافت مجموعہ ضمیمہ میں آپ نے اپنی دیگر تصانیف کی فہرست دی ہے۔

اس وقت مضامین کے عناوین نقل کرنے کا یہ مقصد ہے کہ تحقیق کبھی آخری درجے پر نہیں پہنچتی یہ تو ایک مسلسل عمل ہے۔ اس لئے جو لوگ فارسی زبان و ادب کے میدان میں تحقیقی کاموں میں مصروف ہیں وہ یہ جان لیں کہ عارف نوشاہی صاحب نے بعض آثار و کتب کے بارے میں اپنی تحقیق کو کس پایہ تک پہنچادیا ہے، وہ اس سے آگے قدم بڑھائیں۔

عارف نوشاہی صاحب نے اس مجموعے میں شامل اور دیگر مقالات کی نوعیت کے بارے میں لکھا ہے کہ: ''ایسے موضوعات کو ترجیح دی ہے جن کے ذریعے اپنے خطے کی ادبی اور تہذیبی تاریخ کے پوشیدہ گوشے، گمنام مصنفین و شعرا کے حالات اور غیر متعارف آثار و کتب کے کوائف سامنے آسکیں چنانچہ یہ سلسلۂ مصنفین اس مجموعے میں وزیر و وزیری، نصر اللہ بن عبد السلام بھیری ان کی اور محمد ہاشم ایمن آبادی پر معلومات انہی مقالات کے ذریعے منظر عام پر آئی ہیں۔ یہ سلسلۂ کتب جام جہان نما،

حدیقۂ ہندی، کلمات وزیری، ملفوظات شاہ غلام علی دہلوی کا تعارف بھی پہلی بار انہیں مضامین کے ذریعے سامنے آیا ہے۔ بعض مقالات پہلے سے دستیاب معلومات کی تکمیل اور ان پر خاطر خواہ اضافہ کرتے ہیں جیسے بدرالدین کشمیری، محمد ہاشم کمی اور محمد بن جلال شاہی رضوی کی تصانیف کے تعارف میں بہت سی نئی باتیں سامنے آئی ہیں"۔

عارف نوشاہی صاحب کے مقالات کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ کوئی مبہم بات نہیں کہتے۔ اگر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ کوئی لفظ یا کوئی بات ان کے قاری کے لئے ممکن ہے نا قابل فہم ہو، تو وہ خود مقالے کے متن یا پھر حواشی میں اس کی صراحت کر دیتے ہیں۔ اسی طرح وہ بغیر سند کے مشکل ہی سے بات کرتے ہیں اسی لئے ان کے مقالات متعدد حواشی سے آراستہ ہوتے ہیں۔ ان مقالات کی زبان صاف ستھری ہے، بعض فنی امور کو بیان کرنے میں بھی عارف صاحب نے اپنے سادہ اسلوب کو برقرار رکھا ہے۔ اس مجموعے میں بیشتر مقالات کے اختتام پر استدراک کے عنوان سے اضافات ہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہیں کہ عارف صاحب ایک مقالہ لکھنے کے بعد اسے فراموش نہیں کرتے، اگر انہیں اس موضوع پر کوئی نئی اطلاع ملتی ہے تو وہ اسے نوٹ کر لیتے ہیں اور موقع کی تلاش میں رہتے ہیں کہ اس نئی اطلاع کو وہ اپنے مضمون میں کھپا دیں۔ اس کا موقع اس مجموعہ میں انہیں خوب ملا ہے۔

خوشی کی بات ہے کہ عارف نوشاہی صاحب نے اپنے چند مضامین اس مجموعے میں پیش کر دیئے ہیں۔ برصغیر میں فارسی زبان و ادب سے متعلق حضرات کے لئے یہ مجموعے بڑی اہمیت کے حامل ہیں، وجہ یہ ہے کہ اس کے مقالے سے اس کا علم ہوتا ہے کہ اس علاقے میں فارسی زبان و ادب کی ایسی خدمت کی ہے جس پر جتنا فخر کیا جائے کم ہے۔

یہ کتاب پاکستان سے شائع ہوئی ہے، ابھی یہ کتاب ہندوستان میں عام طور پر دستیاب نہیں، دعا ہے کہ اس طرح کی علمی کتابیں چھپنے کے بعد جلد ہی ہندوستان اور پاکستان میں آنے جانے لگیں تو متعلقہ حضرات ان سے بروقت استفادہ کرنے میں کامیاب ہو سکیں گے۔

نام کتاب : مناقب المرتضیٰ من مواہب المصطفیٰ
مؤلف : حضرت مولانا حافظ شاہ محمد علی حیدر قلندر علوی کاکوروی
ناشر : کتب خانۂ انوریہ، خانقاہ کاظمیہ قلندریہ، کاکوری، ضلع لکھنؤ، یوپی
قیمت : ۲۰۰ روپے
تبصرہ نگار : مہدی باقر معراج

زیر بحث کتاب (مناقب المرتضیٰ من مواہب المصطفیٰ) مولانا موصوف کی تیسری ایسی کتاب ہے جو زیور طبع سے آراستہ ہوکر منظر عام پر آچکی ہے۔ اس کتاب میں بھی مولانا شاہ حافظ محمد علی حیدر قلندر علوی صاحب کا موضوع حضرت علیؑ کی ذات گرامی اقدس ہے۔ البتہ اس میں آپ نے دوسرے زاویئے سے گفتگو کی ہے یعنی جہاں احسن الانتخاب میں مستند مآخذ پر مبنی سوانح حیات امیر المؤمنین بیان کی ہے وہیں اس کتاب میں حضرت علی کے سلسلے میں اپنے مواد و تالیفات کو تین حصوں پر تقسیم کیا ہے پہلا حصہ وہ ہے جس میں آپ نے ان آیات قرآنی اور کلمات الٰہیہ کو نقل کیا ہے جو حضرت کی شان میں ہیں یا حضرت علی اس کے مصداق قرار پاتے ہیں۔

دوسرا حصہ ان احادیث پر مشتمل ہے کہ جو آنحضرت نے اپنے وصی و جانشین حضرت امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب کی شان میں ارشاد فرمائے ہیں۔

تیسرے حصہ میں مؤلف نے اصحاب، تابعین اور تبع تابعین کے وہ اقوال پیش کیے ہیں جو انہوں نے حضرت علی کی فضیلت کے اعتراف و اعلان کے طور پر ارشاد فرمائے ہیں مذکورہ بالا علمی کارنامے میں مؤلف کے عقیدتی میلان سے زیادہ علمی اور تحقیقی رجحان کارفرما ہے یعنی کسی بھی آیت کو معتبر ترین مفسر کی سند کے بغیر حضرت علی کی فضیلت کے حوالے اسے نہیں پیش کیا ہے اس طرح حدیث بھی سارے سلسلۂ رواۃ کو نظر میں رکھتے ہوئے پیش کی ہے۔

نیز اصحاب کے اقوال کو نقل کرتے وقت بھی غیر معمولی احتیاط برتی ہے۔ علاوہ ازیں مؤلف نے

اس کتاب میں ایک اہم نکتہ کی رعایت کی ہے اور حضرت کے صرف ان فضائل و محامد کی طرف اشارہ کیا ہے جو آپ سے مخصوص ہیں یعنی اس میں کوئی صحابی، انصار اور مہاجر شامل نہیں ہے۔

۵۳۶ صفحات پر مشتمل اس کتاب کے شروعاتی صفحہ پر مؤلف نے ایک انتہائی دقیق پہلو پر روشنی ڈالی اور حضرت علی سے متعلق استعمال ہونے والے لفظ فضائل و مناقب کے فرق کو واضح کیا وہ فرماتے ہیں کہ:

''اگرچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے متعلق الفاظ ''فضائل و مناقب'' ایک ہی مفہوم میں استعمال ہوتے ہیں اور سیر و احادیث کے مطالعے سے یہ امر واضح ہے کہ مصنفین سابقین نے فضائل و مناقب میں کوئی تفریق نہیں کی ہے لیکن میری رائے ناقص میں فضائل و مناقب میں فرق ضروری ہے اس لئے کہ فضائل کا تعلق اعمال و افعال سے ہے اور مناقب کا تعلق موہبت اور رحمت سے ہے کیونکہ فضائل اکتساب سے حاصل ہوتے ہیں۔ اور مناقب محض انعام و اکرام سے اور از روئے لغت بھی مناقب محامد کے معنی میں مستعمل ہے نہ کہ فضائل کے مفہوم میں''

اقتباس بالا سے مؤلف کی تاریخ نگاری کے علاوہ ان کی ادبی گرفت ژرف نگاہی اور چابکدستی کا اندازہ ہوتا ہے۔

مجموعی طور پر اردو زبان میں ذات امیر المؤمنین پر لکھی جانے والی کتابوں میں اس نہج پر لکھی گئی کتاب شاذ و نادر ہی نظر آتی ہے۔ کتاب ہذا مؤلف کی حضرت علی کے تئیں والہانہ عقیدت، وسعت نظر، عمیق مطالعہ، فکری پاکبازی کی آئینہ دار ہے خدا بارگاہ صاحب نہج البلاغہ میں اس کتاب کو شرف قبولیت بخشے اور مولف مرحوم کو دوستداران علی میں شمار کرے۔

نام کتاب : Contribution of Persian to Indian Culture

مصنف : پروفیسر نور الحسن انصاری مرحوم

ناشر : ادارۂ ادبیات دلی

۵۸۰۳ صدر بازار، دہلی

صفحات : ۱۷۸

سال اشاعت : ۲۰۰۷

اس کتاب میں پروفیسر نور الحسن انصاری مرحوم کے انگریزی میں ۲۳ تنقیدی اور تحقیقی مضامین شائع ہوئے ہیں۔ پروفیسر نور الحسن انصاری صاحب کی شخصیت خاص طور پر فارسی دنیا میں کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ نے اپنی تعلیم دہلی یونیورسٹی سے مکمل کی۔ اسی یونیورسٹی سے ایم اے اور پی۔ ایچ۔ ڈی کی۔ تہران یونیورسٹی سے ڈی لٹ کی ڈگری حاصل کی اور دہلی یونیورسٹی میں لیکچرر، ریڈر اور پروفیسر کی حیثیت سے نمایاں خدمات انجام دیں۔ آل انڈیا پرشین ٹیچرز ایسوسی ایشن کی بنیاد ڈالی اور تاحیات اس کے جنرل سیکریٹری رہے۔

پروفیسر انصاری ایک نہایت فعال انسان تھے۔ فارسی زبان اور اس کے ادب پر گہری نظر رکھتے تھے۔ فارسی، انگریزی اور اردو تینوں زبانوں میں لکھتے تھے۔ متعدد فارسی کتابوں کے متن کی تصحیح کی۔ فارسی سے بعض کتابوں کے انگریزی میں تراجم بھی کیے۔ بہت سے علمی، ادبی، تحقیقی اور تنقیدی مضامین لکھے۔ آپ کی علمی کوششوں کے نتائج ہندوستان، ایران اور افغانستان سے شائع ہوتے رہے اور داد تحسین حاصل کرتے رہے ہیں۔

زیر تبصرہ کتاب میں بیشتر مضامین اس نوعیت کے ہیں جن سے فارسی اور ہندوستان کے قدیمی اور اٹوٹ رشتے پر روشنی پڑتی ہے۔ انصاری صاحب نے خاص طور پر فارسی کے اس پہلو کو زیادہ اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے کہ ہندوستان اور یہاں کی قابل فخر مشترک تہذیب میں اس زبان اور اس کے

ادب کا مؤثر حصہ رہا ہے۔ کتاب میں شامل مضامین کے عنوانات کو اردو میں اس طرح پیش کیا جاسکتا ہے تاکہ کتاب کی اہمیت اور آج اس کی مناسبت پر روشنی پڑ سکے:

۱- فارسی زبان کا گذشتہ صدیوں میں سفر۔ ۲- ایرانی سماج اور تہذیب کا مطالعہ۔ ۳- فارسی ادب اور انسان دوستی ۔ ۴- فارسی کا ہندوستانی تہذیب کی تشکیل میں حصہ۔ ۵- فارسی زبان کا ملی اتحاد اور تہذیبی ہم آہنگی میں حصہ۔ ۶- فارسی دانشمندوں کا ہندو مذہب و تہذیب میں حصہ۔ ۷- فارسی زبان و ادب کے مطالعے کے لئے دوسری زبانوں کی اہمیت۔ ۸- ہندوستانی احساس پر عربی فارسی ادب کا اثر۔ ۹- موجودہ تناظر میں تصوف۔ ۱۰-صوفیا اور سماج۔ ۱۱- صوفی فارسی شعرا کی سماجی بیداری۔ ۱۲- شیخ سعدی اور معیاری سماج کا تصور، ۱۳- سعدی اور ہندوستان ۱۴- آج کے دور میں سعدی کی مناسبت، گلستان کے تناظر میں۔ ۱۵- لطائف اللغات (مولانا روم کی مثنوی کی ایک منفرد فرہنگ)۔ ۱۶- امیر خسرو کی غزلیات: ایک تنقیدی مطالعہ۔ ۱۷- امیر خسرو: شاعر و محب وطن۔ ۱۸-قرون وسطی کا سماج و تہذیب فارسی منابع کی روشنی میں۔ ۱۹- تاریخ اسام: آسام کی تاریخ اور تہذیب کا ایک امتیازی مأخذ۔ ۲۰- عہد اورنگ زیب میں فارسی ادب کی جھلکیاں۔ ۲۱- عہد اورنگ زیب کے ہندو مصنفین۔ ۲۲- عہد اورنگ زیب کے غیر مطبوعہ خطوط، ان تمام مضامین میں پروفیسر انصاری مرحوم نے موضوع کے کسی نہ کسی نئے پہلو سے بحث کی ہے۔ چند مضامین جیسا کہ فہرست مضامین سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ فارسی تہذیب، فارسی زبان و ادب سے ہندوستان کے قدیمی اور گہرے رشتوں کو اجاگر کرنے کے لئے لکھے گئے ہیں۔ پروفیسر انصاری نے اپنے ان مضامین میں واضح کیا ہے کہ قرون وسطی کے ہندستان کو گہرائی سے سمجھنے کے لئے اگر کوئی زبان اور اس کا ادب آج ہماری مدد اور رہنمائی کرتا ہے تو وہ فارسی زبان اور اس کا ادب ہے۔

اس کتاب میں شامل دو مضامین بھیم سین اور تاریخ آسام اس لئے اہمیت کے حامل ہیں کیونکہ ان میں پروفیسر انصاری صاحب نے فارسی کی ایسی کتابوں کا تعارف کرایا ہے جو ہندوستان کی تاریخ کو سمجھنے کے لئے ضروری ہیں۔

تاریخ آسام کلکتہ سے ۱۸۴۷ء میں شائع ہوئی تھی۔ پروفیسر انصاری نے اس پر غالباً سب سے پہلے ایک تفصیلی مضمون لکھا ہے اور اجاگر کیا ہے کہ یہ آسام کی سیاسی و تہذیبی تاریخ کے لئے ایک بنیادی مأخذ ہے۔ اس میں کوچ بہار اور آسام کی سیاسی، تہذیبی اور سماجی تاریخ کے چند ایسے پہلوؤں

پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ جو کسی دوسرے مآخذ سے مشکل ہی سے دستیاب ہوتی ہے۔ آپ نے بتایا ہے کہ آسام فتح کرنے کے لئے مغل فوج کو پہلی بار دریائی راستہ اختیار کرنا پڑا تھا۔ وہاں کے سمندر جیسے دریا، گھنے جنگل جن میں ہاتھیوں کی فراوانی تھی، مختلف قسم کے پھل وغیرہ مغل لشکر کے لئے تعجب کا باعث تھے۔

ایک اہم بات جو انصاری صاحب نے تاریخ آسام کے مصنف ابن محمد دلی احمد مخاطب بہ شہاب الدین طاش کے غیر جانبدرانہ رویے کا خاص طور پر ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ مصنف نے اپنی اس کتاب میں آسام اور کوچ بہار کے لوگوں کی تعریف کی ہے، ان کی بہادری کو سراہا ہے۔ یہ کتاب ۲۰ شوال ۱۰۷۳ھ (۱۸ مئی ۱۶۶۳ء) کو مکمل ہوئی تھی۔

بھیم سین کی کتاب دلکشا پر انصاری صاحب کا مضمون نہایت دلچسپ ہے۔ اس کے مصنف بھیم سین نے اپنی اس کتاب میں جنوبی ہند میں اورنگ زیب کی لشکر کشی اور اس کے برے اثرات کا ذکر کیا ہے۔ بھیم سین اورنگ زیب کی فوج کے ساتھ رہا۔ اس نے اپنی اس کتاب میں جہاں تاریخی واقعات قلمبند کئے ہیں وہیں ان مقامات کی سماجی حالت کا بھی ذکر کیا ہے جہاں سے اس کا گذر ہوا اس کتاب میں بعض قلعوں، شہروں، اور قصبوں کے جو حالات بیان کئے گئے ہیں ہیں وہ کسی دوسری معاصر کتاب میں نظر نہیں آتے۔ چونکہ بھیم سین نے اورنگ زیب کی جنگوں اور دیگر واقعات کا چشم دید حال لکھا ہے اس لئے یہ کتاب اہم بھی ہے اور معتبر بھی۔

پروفیسر انصاری مرحوم نے ''فارسی ادب بہ عہد اورنگ زیب'' پر پی۔ ایچ۔ ڈی کے لئے مقالہ لکھا تھا۔ آپ نے اس کتاب میں شامل ایک مضمون ''عہد اورنگ زیب میں فارسی ادب کی ایک جھلک'' میں اس تھیسیس کی بنیاد پر اورنگ زیب کے عہد کے فارسی ادب پر جو گفتگو کی ہے اس کی حیثیت ایسی ہے کہ ''دریا کو کوزہ'' میں بند کیا ہے۔

امید ہے کہ پروفیسر انصاری مرحوم کے مضامین کا یہ مجموعہ فارسی اساتذہ اور طلبہ کی توجہ کا مرکز بنے گا اور وہ انصاری صاحب کے کام کو آگے بڑھانے میں دلچسپی کا اظہار کریں گے۔

سلامِ فقیہ بہ بارگاہِ امیر

عینی شاہ نظامی حنفی مدظلہ
حیدرآباد، دکن

سلام اس پر جو باب اللہ ہے[1] — سلام اس پر جو ید اللہ ہے[2]
سلام اس پر جو سیف اللہ ہے[3] — سلام اس پر جو صفوۃ اللہ ہے[4]
سلام اس پر جو ولی اللہ ہے[5] — سلام اس پر جو حجۃ اللہ ہے[6]
سلام اس پر جو عبد اللہ ہے[7] — سلام اس پر جو اعلم باللہ ہے[8]
سلام اس پر جو فانی فی اللہ ہے[9] — سلام اس پر جو احب الخلق الی اللہ ہے[10]
سلام اس پر جو محبوب خدا ہے[11] — سلام اس پر جو خدا کا عاشق ہے[12]
سلام اس پر جو خدا کی آواز ہے[13] — سلام اس پر جو اسد اللہ ہے[14]
سلام اس پر جو نور خدا ہے[15] — سلام اس پر جو نور رسولؐ ہے[16]
سلام اس پر جو نفس رسولؐ ہے[17] — سلام اس پر جو خون رسولؐ ہے[18]
سلام اس پر جو برادر رسولؐ ہے[19] — سلام اس پر جو نظر رسولؐ ہے[20]

۱- ینابیع المودۃ، ص ۴۶۹
۲- ابن مردویہ وخوارزمی
۳- سمہودی در خلاصۃ الوفاء، ص ۳۷
۴- ابن مردویہ وابوسعد فی اشرف النبوۃ
۵- دیلمی، ص ۱۳۳ وخوارزمی، ص ۳۷
۶- دیلمی، ص ۱۳۳ وصفاوی، ص ۱۱۳
۷- ابن ماجہ، ص ۱۲ وحاکم ۳ ج، ص ۱۱۲ ونسائی، ص ۳
۸- کنز العمال ج، ص ۱۵۶
۹- کنز العمال ج، ص ۱۵۷، وریاض طبری، ص ۲۲۵
۱۰- حدیث طیر مردیہ ترمذی، ص ۲۷۵ ونسائی، ص ۳ وحاکم ۳ ج واسد الغابہ، ص ۳۰، جلد ۴ وخوارزمی، ص ۴۳
۱۱- مشہور حدیث خیبر رجلا یحب اللہ و رسولہ و یحبہ اللہ رسولہ
۱۲- مشہور حدیث خیبر " "
۱۳- ابوسعد در شرف نبوت
۱۴- خوارزمی، ص ۶۹
۱۵- خوارزمی، ص ۷۳ وارجح المطالب، ص ۱۰
۱۶- مسند احمد وریاض نضرہ، ص ۱۹۳ ودیلمی، ص ۱۰۲ و۵۹ وخصائص نطنزی وابن مردویہ
۱۷- قرآن وتفسیر واحادیث وصواعق، ص ۷۰ وکنز العمال، ص .. وخوارزمی، ص ۸۹ ونطنزی و حاکم ۳ ج، ص ۱۵۰
۱۸- کنز، ص ۱۵۳ و۱۹۳ وابونعیم، ص ۱۵۴ وخوارزمی، ص ۸۵ ومناوی، ص ۱۹۲ ودیلمی، ص ۲۲۱
۱۹- ترمذی، نسائی، ابن ماجہ واحمد وحاکم وکنز العمال ۶ ج، ص ۱۵۲
۲۰- کنز ۶ ج وریاض نضرہ ودیلمی، ص ۱۹۸ وصغیر طبرانی، ص ۱۶۳

سلام اس پر جو عین محمدؐ (روحی فداہ) ہے[۱] | سلام اس پر جو روح محمدؐ (رر) ہے[۲]
سلام اس پر جو سر محمدؐ (رر) ہے[۳] | سلام اس پر جو محبوب محمدؐ (رر) ہے[۴]
سلام اس پر جو عاشق پیغمبرؐ ہے[۵] | سلام اس پر جو داماد پیغمبرؐ ہے[۶]
سلام اس پر جو فدیہ پیغمبرؐ ہے[۷] | سلام اس پر جو وزیر رسولؐ ہے[۸]
سلام اس پر جو وصی رسولؐ اللہ ہے[۹] | سلام اس پر جو خلیفہ رسولؐ اللہ ہے[۱۰]
سلام اس پر جو آل محمدؐ (روحی فداہ) ہے[۱۱] | سلام اس پر جو اہل بیت نبی ہے[۱۲]
سلام اس پر جو ناصر محمدؐ روحی فداہ ہے[۱۳] | سلام اس پر جو رفیق محمد روحی فداہ ہے[۱۴]
سلام اس پر جو شبیہ محمدؐ روحی فداہ ہے[۱۵] | سلام اس پر جو اخی جبریل و میکائیل ہے[۱۶]
سلام اس پر جو پہلا مومن اور پہلا مسلمان ہے[۱۷] | سلام اس پر جو صدیق اکبر ہے[۱۸]
سلام اس پر جو فاروق امت ہے[۱۹] | سلام اس پر جو سید المؤمنین ہے[۲۰]
سلام اس پر جو پہلا نمازی ہے[۲۱] | سلام اس پر جو امیر المؤمنین ہے[۲۲]
سلام اس پر جو امام المتقین ہے[۲۳] | سلام اس پر جو سید الصادقین ہے[۲۴]

۱- علی منی و انا منہ اور حدیث کنت انا و علیا نورا بین یدی اللہ تعالیٰ الخ ۲- علی منی کروحی فی جسدی
کنز العمال، جلد ۶، ص ۱۵۳ ۳- صواعق محرقہ، ص ۷۵، صغیر طبرانی، ص ۵۵ کنز العمال، جلد ۶، ص ۱۵۳
۴- کنز، جلد ۶ و حدیث طبرانی یا حب خلق الیک و الی ۵- کنز، جلد ۶، ص ۳۹۳، نیز حدیث خیبر رجلا یحب اللہ و رسولہ
۶- واقعہ ہے ۷- حاکم، جلد ۳، ص ۳ و ۳۳ ۸- کنز، جلد ۶، ص ۳۹۷ و تاریخ طبری،
ص ۱۱۷۳، جز من و معالم التنزیل بغوی نسائی، ص ۳ و کامل، جلد ۲، ص ۲۲ و تفسیر خازن ج، ص ۱۰۶
۹- ایضاً ۱۰- واقعہ ہے کنز جلد ۶ و تاریخ طبری جز من و معالم التنزیل بغوی و نسائی و کامل، جلد ۲ و تفسیر خازن ج
۱۱- مسلم، نسائی، ترمذی، حاکم و امام احمد در احادیث کساء و ریاض و صواعق محرقہ ۱۲- ایضاً
۱۳- شفائے عیاض و ریاض نضرہ، ص ۱۷۲ و کنز ۶ ج، ص ۱۵۶ ۱۴- کنز ۶ ج و ص ۳۹۶ و ریاض، ص ۲۰۹ و ازالۃ الخفاء و شاہ ولی اللہ،
ص ۲۶۲ ۱۵- حدیث مشہور شب خوابی ہجرت در لباس پیغمبر حاکم، جلد ۳، ص ۱۳۲
۱۶- امام شعرانی در یواقیت و جواہر ۱۷- کنز العمال جلد، ص ۱۵۶ و ۴۰۰، استیعاب عبدالبر، جلد ۲، ص ۴۷۳ و حاکم، جلد ۳، ص ۱۳۶ و
ریاض، ص ۱۵۸، تفسیر ابن ابی شیبہ، ص ۳۳۷ ۱۸- ریاض نضرہ، ص ۱۵۳ و ۱۵۴ صواعق محرقہ، ص ۵۷ و ۷۳ و
کنز العمال، جلد ۶، ص ۱۵۴ و ۳۹۴ و صواعق محرقہ، ص ۲۵ ۱۹- ریاض، ص ۱۵۵، دیلمی، ص ۲۲۹، و کنز، جلد ۶، ص ۱۵۴
۲۰- کنز ۶ ج، ص ۱۵۷، مناری، ص ۱۹۰ و دیلمی، ۲۴۳ ۲۱- و ریاض نضرہ، ص ۱۵۸ و ازالۃ الخفاء، ص ۲۴۳
۲۲- دیلمی، ص ۱۱۳ و خوارزمی، ص ۲۳۷ ۲۳- کنز، جلد ۶، ص ۱۵۷ و حاکم، جلد ۳، ص ۱۳۸
۲۴- صغیر سیوطی و کنز، جلد ۶، ص ۱۵۲ اور ریاض، ۱۵۳ و صواعق محرقہ، ص ۷۳

سلام اس پر جس نے غیر کو سجدہ نہ کیا[1]
سلام اس پر جو نبی کا ہم شجرہ ہے[2]
سلام اس پر جو نبی کا ہم طینت ہے[3]
سلام اس پر جو سیدالدنیا والآخرہ ہے[4]
سلام اس پر جو مولائے مؤمنین ہے[5]
سلام اس پر جو ہارون امت ہے[6]
سلام اس پر جو خیر البشر ہے[7]
سلام اس پر جو فخر ملائکہ ہے[8]
سلام اس پر جو فخر انبیاء ہے[9]
سلام اس پر جو مایۂ ناز حق سبحانہ ہے[10]
سلام اس پر جو امام البررہ ہے[11]
سلام اس پر جو امام الاولیا ہے[12]
سلام اس پر جو سابق السابقین ہے[13]
سلام اس پر جو قاضی امت ہے[14]
سلام اس پر جو ساقی کوثر ہے[15]
سلام اس پر جو باب العلم ہے[16]
سلام اس پر جو اعلم الناس ہے[17]
سلام اس پر جو مدینۂ علوم نبوت ہے[18]
سلام اس پر جو باب الدین ہے[19]
سلام اس پر جو اعلم امت ہے[20]
سلام اس پر جو باب الفقہ ہے[21]
سلام اس پر جو باب الحکمۃ ہے[22]
سلام اس پر جو ثانی قرآن ہے[23]
سلام اس پر جو عالم قرآن ہے[24]
سلام اس پر جو سہیم قرآن ہے[25]
سلام اس پر جو عالم سنت ہے[26]

۱- صغیر سیوطی، ص ۲۱ و صواعق، ص ۷۲ و فخر الحسن، ص ۸ و ۶۲ و ابن سعد اسی پر آپ کا لقب کرم اللہ وجہہ ہے
۲- سنادی، ص ۱۱۱ و کنز العمال، جلد ۶، ص ۱۵۲ و حاکم و ریاض، ص ۱۷۷ و صواعق ۳- ایضاً
۴- ریاض، ص ۹۱۶۶ و دیلمی، ص ۱۱۴ و حاکم، جلد ۳، ص ۱۲۸ ۵- حدیث مشہور و متواتر ۶- حدیث مشہور و متواتر
۷- کنز العمال، جلد ۶، ص ۱۵۹ و ۱۵۴ و ۲۱۷ و سنادی، ص ۱۳۶ و ریاض نضرہ، ص ۱۷۸ ۸- حلیہ ابونعیم، ص ۱۵۲ و دیلمی، ص ۷۲
۹- حلیہ ابونعیم، ص ۱۵۲ و دیلمی، ص ۷۲ و کنز العمال، جلد ۶، ص ۳۰۰ ۱۰- ریاض نضرہ، ص ۱۷۷ و ۲۲۸
۱۱- حاکم، جلد ۳، ص ۱۲۹ و صواعق، ص ۷۲ و صغیر سیوطی، ص ۵۵ و کنز العمال، جلد ۶، ص ۱۵۴
۱۲- ابن مردویہ و صواعق محرقہ و خوارزمی، ص ۲۴۴ و صغیر سیوطی، ص ۵۵ و کنز، ص ۱۵۳
۱۳- فخر الحسن، ۶۶۰ و کنز، جلد ۶، ص ۱۵۲ و ریاض، ص ۱۵۸ و صغیر سیوطی، ص ۳۱ و استیعاب، جلد ۲، ص ۴۷۷ و زرقانی، جلد اول، ص ۲۹۰-۹۳ ۱۴- ترمذی، نسائی، ابوداؤد، ابن ماجہ، طبرانی و بغوی و طبری، ص ۱۹۸
۱۵- صغیر طبرانی، ۳۱۰ و دیلمی، ص ۱۴۲ و مناوی، ص ۱۱۷ ۱۶- جو احادیث مشہورۂ صحیحہ سے بالتواتر ثابت ہے
۱۷- کنز، جلد ۶، ص ۱۵۶ ۱۸- ینابیع المودت، ص ۷۱ ۱۹- دیلمی، ص ۱۴۲ ۲۰- کنز العمال، جلد ۶، ص ۱۵۶
۲۱- تذکرۂ خواص الامہ از مسبط ابن جوزی، ص ۲۹ ۲۲- صحیح ترمذی، ص ۵۳۴ و مسند بزار و حلیہ ابونعیم
۲۳- مروج الذہب، ینابیع المودت، باب ۷۴ و تذکرۂ خواص الامۃ، خطبہ امام حسین علیہ السلام ۲۴- مسند ابوداؤد الطیالسی، ص ۲۸۱
۲۵- حاکم، جلد ۳، ص ۱۲۷ و صغیر طبرانی و کنز العمالی، جلد ۶، ص ۱۵۳ و صواعق محرقہ، ص ۷۳ ۲۶- ریاض نضرہ، ص ۱۹۳

سلام اس پر جو ماسبقہ الاوّلون ہے[1] — سلام اس پر جو ہادی و مہدی ہے[2]

سلام اس پر جو عند اللہ بہ منزل قرآن ہے[3] — سلام اس پر جو خزانۂ علوم پیغمبر ہے[4]

سلام اس پر جو بہ منزلہ پدر امت ہے[5] — سلام اس پر جو قرآن منزلت ہے[6]

سلام اس پر جو قل ھو اللہ منزلت ہے[7] — سلام اس پر جو کعبۂ امت ہے[8]

سلام اس پر جو نبی کے پاس ایسا ہے جیسے نبی خدا کے پاس ہیں[10] — سلام اس پر جو ثانی آل عبا ہے[9]

سلام اس پر جو ثانی آیت تطہیر ہے[11]

سلام اس پر جو ثانی آیت مباہلہ ہے[12] — سلام اس پر جو مولود کعبہ ہے[13]

سلام اس پر جس کا گھر وسط بیوت پیغمبر تھا[14] — سلام اس پر جس کا دروازہ بند نہ ہوسکا[15]

سلام اس پر جو بہر حالت مسجد میں آنے جانے کا مجاز رہا[17] — سلام اس پر جو یکہ تاز بدر تھا[16]

سلام اس پر جو پامرد احد تھا[18]

سلام اس پر جو مخاطب لافتیٰ تھا[19] — سلام اس پر جو شہسوار جنگ خندق تھا[20]

سلام اس پر جو قاتل عمر ابن عبدود تھا[21] — سلام اس پر جو تمغہ یاب لمبارزۃ علی یوم الخندق تھا[22]

سلام اس پر جو افضل من اعمال امتی الی یوم القیامہ تھا[23] — سلام اس پر جو قاتل مرحب تھا[24]

۱- حاکم، جلد ۳، ص ۱۷۲، ازالۃ الخفاء، ص ۲۶۳، ریاض و حلیہ ابونعیم، ص ۱۹۵ ۲- بزاز و حاکم و عبدالرزاق و ابوداؤد و
ابونعیم، ص ۶۳ و فخر الحسن، ص ۱۲۷ ۳- دیلمی، ص ۳۰۲ ۴- کنز، جلد ۶، ص ۵۳ و صغیر سیوطی، ص ۵۵
۵- ریاض نضرہ، ص ۱۷۲ و صغیر سیوطی، ص ۵۵ ۶- دیلمی، ص ۱۳۲ ۷- دیلمی، ص ۲۰۳
۸- اسد الغابہ و دیلمی، ص ۲۰۳ ۹- واقعہ ہے ۱۰- صواعق محرقہ، ص ۱۰۶ و ریاض ص ۱۹۳
۱۱- واقعہ ہے ۱۲- واقعہ ہے ۱۳- حاکم، جلد ۳، ص ۴۸۳ و ازالۃ الخفاء، ص ۲۶۴
۱۴- حدیث متواتر نسائی حلیہ ابونعیم، ص ۲۶۱، ریاض، ص ۲۰۶ و صحیح بخاری ۱۵- کنز، جلد ۶، ص ۱۵۷، ازالۃ الخفاء،
ص ۲۶۴، نسائی، ص ۹ و احمد و طبرانی و حاکم و بزار ۱۶- واقعہ مشہور ہے ۱۷- کنز، جلد ۶، ص ۱۵۹ و ۱۵۲،
صواعق، ص ۷۳، ازالۃ الخفاء، ص ۲۶۵ و ریاض نضرہ، ص ۱۹۲ ۱۸- ریاض، ص ۱۹۰، خوارزمی، ص ۲۱۸، مدارج، جلد دوم، ص ۵۹۸،
مسند احمد بن حنبل، سیرت ابن اسحٰق و زرقانی ۱۹- ریاض، ص ۱۹۰، خوارزمی، ص ۲۱۸، مدارج، جلد دوم، ص ۵۹۸،
مسند احمد بن حنبل، کنز ۶ ج، تاریخ طبری، ص ۳۰۲ ۲۰- حاکم، جلد ۳، ص ۳۲، کنز ۶ ج، ص ۱۵۸ و دیلمی، ص ۱۳۱ و
خوارزمی، ص ۴۳ و روضۃ الاحباب، ص ۲۷۳ و مدارج، جلد دوم، ص ۶۳۶ ۲۱- ایضاً
۲۲- ایضاً ۲۳- مدارج، جلد ۲، ص ۶۳۶ ۲۴- ریاض، ص ۱۹۰، کنز ۶ ج، ص ۳۹۳، بخاری و مسلم و نسائی، ص ۶
و ازالہ، ص ۲۶۳ و احمد و طبرانی و بزار و حاکم

سلام اس پر جو فاتح خیبر تھا۱
سلام اس پر جو کرار غیر فرار تھا۳
سلام اس پر جو سب سے پہلا بت شکن تھا۵
سلام اس پر جو مبلغ سورۂ برات تھا۷
سلام اس پر جس نے پیغمبر کی تجہیز و تکفین فرمائی۹
سلام اس پر جس کی محبت عبادت ہے ۱۱
سلام اس پر جس کی مودت کے ساتھ گناہ ضرر نہیں کرتا ۱۴
سلام اس پر جس کی مودت امان ہے جہنم سے ۱۵
سلام اس پر جس کی مودت کو جبرئیل و میکائیل نے سلام کیا ۱۷
سلام اس پر جس کا ایمان ارض و سما سے وزنی ہے ۱۹
سلام اس پر جس کی توہین خدا و رسول کی توہین ہے ۲۱

سلام اس پر جو خالع باب خیبر تھا۲
سلام اس پر جو مرد میدان حنین تھا۴
سلام اس پر جو فاتح طائف تھا۶
سلام اس پر جو بوقت آنحضرت کی چادر میں تھا۸
سلام اس پر جس کا نام لینا عبادت ہے ۱۰
سلام اس پر جس کو دیکھنا عبادت ہے ۱۲
سلام اس پر جس کی مودت کفارۂ ذنوب ہے ۱۳
سلام اس پر جس کی مودت ایمان اور بغض جہنم ہے ۱۶
سلام اس پر جس کو ۳ ہزار فرشتوں نے سلام کیا ۱۸
سلام اس پر جس کی مودت عین مودت خدا و رسول ہے ۲۰
سلام اس پر جس کی ایذا دہی خدا و رسول کی ایذا دہی ہے ۲۲

۱- ریاض، ص ۱۹۰، کنز ۶ ج، ص ۳۹۳، بخاری و مسلم و نسائی، ص ۶ و ازالۃ، ص ۲۶۳ و احمد و طبرانی و براز و حاکم
۲- حاکم و ابن الحق، ص ۱۹۰ و ریاض، ص ۱۸۸ و کنز، ص ۳۹۳ و ۳۹۸ و صواعق و ابن ابی شیبہ و بیہقی و ابونعیم و ابن جریر طبری
۳- نسائی، ص ۴ و احمد و ابن ابی شیبہ و طبری و کنز، جلد ۶، ص ۳۹۵ و ازالۃ الخفا، ص ۲۶۱ ۴- تاریخ بن ابن الحق، حاکم مسند احمد و ابن قتیبہ و تاریخ ابن جریر طبری و ابن عساکر ۵- کنز، جلد ۶، ص ۳۰۷ و ریاض، ص ۲۰۰ و نسائی، ص ۲۲ و حاکم، جلد ۲، ص ۵ و ۳۶۸
۶- ایضاً ۷- مسند ابن ابی شیبہ اوستاد بخاری، جلد ۳، ص ۳۲۹، از حضرت عبدالرحمٰن بن عوف
۸- ریاض، ص ۱۷۸ و صواعق محرقہ علامہ، ص ۸۵، ابن حجر و نسائی، ص ۲۸ ۹- ازالۃ الخفا، شاہ ولی اللہ، ص ۲۶۲، و ریاض، ۲۰۲
۱۰- خوارزمی، ص ۲۵۲ و کنز العمال، جلد ۶، ص ۱۵۲ و صواعق محرقہ و فصول، ص ۶۹ ۱۱- دیلمی و خوارزمی از حضرت ابوذر و تفریح الاحباب، ص ۳۳۰ ۱۲- طبرانی و حاکم، جلد ۳، ص ۱۴۲ و ریاض نضرہ، ص ۲۲۰ و ازالۃ الخفا، ص ۲۶۳ و صواعق محرقہ، ص ۷۳، میزان ذہبی، جلد ۲، ص ۴۸۱ ۱۳- دیلمی، ص ۹۳، کنز، جلد ۶، ص ۱۵۸ و ریاض، ص ۲۱۵ ۱۴- مناوی، ص ۴۱ و خوارزمی، ص ۴۵
۱۵- کنز العمال، جلد ۶، ص ۴۲ ۱۶- کنز العمال، جلد ۶، ص ۱۵۲ ۱۷- مستند مناقب احمد و ینابیع المودت، ص ۱۲۲ و خوارزمی، ص ۲۲۲ و تذکرۂ خواص الامت، ص ۳۸ ۱۸- ایضاً ۱۹- کنز العمال، جلد ۶، ص ۱۵۶، ریاض، ص ۲۲۶ و خوارزمی، ص ۷۸ ۲۰- حاکم، جلد ۳، ص ۱۲۸ و ریاض، ص ۱۶۷، کنز العمال، جلد ۶، ص ۱۵۸ ۲۱- مناوی، ص ۱۱۷
۲۲- صواعق، ص ۱۰۲ و ۱۱۱ و کنز، جلد ۶، ص ۴۱۶

سلام اس پر جس کی مودت کا ہم سے سوال ہوگا[۱]
سلام اس پر جس کے لئے آفتاب لوٹ آیا[۲]

سلام اس پر جس سے آفتاب نے گفتگو کی[۳]
سلام اس پر جس کے وضو کے لئے جبرئیل و میکائیل بہشتی آفتابہ اور تولیہ لائے[۴]

سلام اس پر جس نے نماز میں انگشتری سائل کو دی[۵]
سلام اس پر جس کی نماز کی خدا نے تعریف فرمائی[۷]

سلام اس پر جو مورد ھل اتی ہے[۶]

سلام اس پر جو آسمان ولایت ہے[۸]
سلام اس پر جو آفتاب امامت ہے[۹]

سلام اس پر جو خدا کے گھر (کعبہ) میں پیدا ہوا[۱۰]
سلام اس پر جو خدا کے گھر (مسجد نبوی میں) رہا بسا[۱۱]

سلام اس پر جو خدا کے گھر خلیفہ ہوا[۱۲]
سلام اس پر جو خدا کے گھر زخمی ہوا (مسجد کوفہ)[۱۳]

سلام اس پر جو خدا کے گھر خدا سے واصل ہوا[۱۴]
سلام اس پر جو خاتم الخلفاء ہے اور جس کی خلافت تا قیامت ہے[۱۶]

سلام اس پر جو حامل لواء الحمد ہے[۱۵]

سلام اس پر جس کا نام علیؑ ہے

۱- صواعق، ص ۸۹، آیت وقفوھم انھم مسئولون ۲- طحاوی، جلد ۲، ص ۸۳ ۳ و ابن شاہین و طبرانی و تعلیقات سیوطی، ص ۷۵ و مقاصد حسنہ، ص ۱۰۷ و صواعق، ص ۳۷ و در منثورہ، ص ۲۳۵ ۳- ینابیع المودت، ص ۱۳۵ باب ۳۹ و خوارزمی، ص ۶۷ و حموینی فرائد السمطین و دیلمی از حضرات علی و سلمان و عمار بن یاسر و ابوذر و عبداللہ و عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم ۴- ص ۱۳۲ از حضرت انس بن مالک ۵- و یوتون الزکوۃ و ھم راکعون تفاسیر ثعلبی و در منثور و واحدی، کنز ۶، ص ۳۰۵ و ریاض، ص ۳۰۶ و بیضاوی، ص ۲۳۱ و تفسیر حسینی و طبرانی و خطیب و ابن مردویہ ۶- دیلمی، ۳۳۷ ۷- تراھم رکعا سجدا اور سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود ۸- دیلمی، ۳۳۷ ۹- ایضاً ۱۰- ایضاً ۱۱- ایضاً ۱۲- ایضاً ۱۳- ایضاً ۱۴- ایضاً ۱۵- کنز العمال، جلد ۶، ص ۴۰۳ و حلیۂ ابو نعیم مصری، ص ۶۳ و خوارزمی، ص ۶۳ ۱۶- دیلمی، ۳۳۷